نوائے غزوۂ ہند
رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ
مئی ۲۰۲۰ء
بانی مُدیر: حافظ طیّب نواز شہید
عیدِ مُبارک
عید الفطر 1441 ھ
تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَ مِنکُم
اللہ پاک ہمارے اور آپ کے نیک اعمال کو قبول فرمائے
اور اس عید کو تمام امتِ مسلمہ کے لیے رحمتوں اور برکتوں والا بنائے، آمین!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منذر بن ساویٰ کے نام مکتوب

منذر بن ساویٰ بحرین کا حاکم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی دعوت اسلام دی اور اس کے نام مکتوب گرامی ارسال فرمایا۔ جس کے پہنچانے کا شرف حضرت علاء بن الحضرمیؓ کو حاصل ہوا۔ مکتوبِ گرامی کے جواب میں منذر نے خدمتِ عالی میں عریضہ لکھا کہ:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ کا مکتوبِ گرامی پڑھا اور بحرین کے لوگوں کو سنایا۔ ان میں سے بعض نے اسلام کو پسند کیا اور اسلام میں داخل ہو گئے اور بعض نے برا مانا۔ میری سرزمین میں مجوسی بھی ہیں اور یہودی بھی ہیں، ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟''

اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے جو اللہ کے پیغمبر ہیں، منذر بن ساویٰ کے نام

تجھ پر خدا کی سلامتی ہو، میں اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اللہ کی یکتائی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ بعد حمد وصلوٰۃ میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جو شخص نصیحت قبول کرے گا وہ اپنے ہی حق میں خیر خواہی کرے گا اور جو شخص میرے قاصدوں کی فرماں برداری کرے گا وہ میرا فرماں بردار ہوگا۔ میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے، میں تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش کرتا ہوں۔ مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو، جب تک وہ اسلام کے فرماں بردار رہیں۔ میں نے خطا کاروں کو معاف کر دیا، تم بھی ان کی طرف سے معذرت قبول کرلو اور تم جب تک صالح اعمال کرتے رہو گے ہم تمہیں معزول نہیں کریں گے۔ جو شخص یہودیت اور مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

''جو شخص جہاد میں سرحد کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو امتحانِ قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔''

(طبرانی ونسائی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد نمبر: ۱۳، شمارہ نمبر: ۵

رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ | مئی ۲۰۲۰ء

بحمد اللہ...... مسلسل اشاعت کا تیرہواں (۱۳) سال!

اس شمارے میں

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nawaighazwaehind.com

www.nawaighazwaehind.com
www.nawai.co/Twitter
www.nawai.co/Channel
www.nawai.co/Bot

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے

قارئینِ کرام!

'غزوۂ ہند' تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس 'غزوے' کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ 'غزوۂ ہند' کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام 'نوائے غزوۂ ہند' ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّین مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے......اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

اداریہ

جہاد اب عمر بھر ہر حال میں کرتے رہیں گے ہم!

اخبارات، الیکٹرانک میڈیا، ریڈیو، سوشل میڈیا...... الغرض روایتی و غیر روایتی میڈیا کے تمام ہی 'آؤٹ لیٹس'، بلکہ نجی و اجتماعی تمام ہی چھوٹی بڑی محفلیں، ایوانِ صنعت و تجارت، فوجی مراکز، ایوانِ حکومت، سڑکیں، چوک، چورنگیاں، چوراہے، شاپنگ مالز، بازار...... سب کچھ نذرِ کورونا ہے۔ ایک معمولی جرثومہ جو آنکھ سے دیکھا بھی نہیں جاسکتا، تسخیرِ کائنات کے دعوے دار انسان کو اب کئی مہینوں سے عاجز بنائے ہوئے ہے۔ لیکن یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ یہ سب معمولی سے 'کورونا وائرس' کی کارستانی ہے۔ نہیں! یہ اللہ کی قدرت کا، اللہ کی قوت کا، اللہ کی پادشاہی کا، اللہ کی حاکمیت کا ایک ادنیٰ سا مظہر ہے۔ وہ اللہ جس کے سامنے چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے ارض و سما کی ہر ہر مخلوق (جن میں بعض اپنے آپ کے مخلوق نہ ہونے کے زعم میں بھی ہیں) عاجز و بے کس ہے، کورونا، اسی اللہ کی عظمت کی چھوٹی سی نشانی ہے۔ اور، اس چھوٹی سی نشانی میں بہت بڑی تنبیہ ہے دنیا کے ہر ذی شعور 'انسان' کے لیے کہ وہ اپنا کعبہ و قبلہ درست کرے اور اپنی جبین کو جدید و قدیم نظام و ادیانِ باطلہ اور اپنی خواہش کے بتوں کے سامنے سجدہ ریز کروانے کے بجائے اللہ واحد القہار کے سامنے جھکائے جو پانی سے فرعون کو مار دے اور مچھر سے نمرود کا کام تمام کر دے۔ وہ اللہ جو رحیم ہے، رحمان ہے، اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے، جس اللہ نے اپنے اوپر رحمت کو لازمی کر لیا ہے...... وہ اللہ جو خود بھی فرماتا ہے کہ تم لوگ اگر ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اللہ کے سامنے اپنا ماتھا ٹیکے اور اپنی جبین کو خاکِ حجاز سے آلودہ کرے کہ یہی خاک پروانۂ حیاتِ دنیوی و اخروی ہے!

♦♦♦♦♦

جس وقت مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کا یہ شمارہ جاری کیا جا رہا ہے تو رمضان المبارک کی آخری آخری ساعتیں چل رہی ہیں اور عید الفطر آئی چاہتی ہے۔ نارِ جہنم سے آزادی کا عشرہ اختتام پذیر ہونے کو ہے۔ ایسے میں بارگاہِ ذوالجلال میں ہم اپنی یہ عرضی پیش کرتے ہیں کہ مولا! ہمیں روسیاہوں میں شامل نہ فرمائیو، ناکاموں، نامرادوں، بدبختوں کے ساتھ ہمارا معاملہ نہ فرمائیو...... ہم گنہگار ہیں لیکن ہیں تو تیرے ہی، باغی نہیں ہیں تیری ہی جانب لوٹتے ہیں، تیرا ہی دیا کھاتے ہیں تو مولا جنہیں تو بن مانگے کھلاتا ہے انہیں بن مانگے بھی اور مانگنے پر بھی نارِ جہنم سے آزادی کا پروانہ دے دے اور اپنی رضا، اپنا دیدار، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور اپنی وسعتوں والی جنت کا فیصلہ ہمارے حق میں فرمادے......

أللهم إنک عفوٌ کریمٌ تحب العفو فاعف عنا یا کریم! آمین یا ربّ العالمین!

♦♦♦♦♦

عیسوی شمسی اعتبار سے ماہِ مئی چل رہا ہے۔ انسان کی طبیعت ایسی ہے کہ کہتے ہیں کہ ماضی اور مستقبل میں جیتا رہتا ہے۔ ماضی کے بہت سے واقعات ہمارے بھی سامنے ہیں۔ ماہِ مئی کے دوران برِّ صغیر میں کئی ابطالِ امت، خلعتِ شہادت سے سرفراز ہو کر عرش تلے لٹکتی ذہبی قندیلوں میں پہنچے ہیں۔ واقعاتی اعتبار سے چند ناموں میں تصویرِ جرأت و حریتِ اسلام، شیرِ میسور؛ سلطان فتح علی ٹیپو ہیں۔ مجددِ فریضۂ اقامتِ شریعت، قاطعِ شرک و بدعت، امیر المومنین؛ سیّد احمد شہید۔ سیف التوحید، حق گو عالمِ ربّانی؛ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید۔ مجددِ جہاد، محسنِ امت؛ شیخ اسامہ بن لادن شہید۔ مسلمانانِ کشمیر کے نوجوان مجاہد قائد، بطلِ اسلام؛ ذاکر موسیٰ شہید...... ان میں ہر کسی کا مقام جدا ہے، ہر ایک کی عظمت و عزیمت کا پیمانہ الگ ہے لیکن ہیں یہ سب ایک اللہ کے دین کی خاطر کھپنے اور کٹنے والے۔

انہی مذکورہ اصحابِ دعوت و عزیمت میں سے یہاں امیر المومنین سیّد احمد شہیدؒ کا ذکرِ خاص کرتے ہیں۔ سیّد بادشاہ کا ذکرِ خاص اس لیے بھی کہ جس مقصد کو لے کر آپ برِّ صغیر میں اٹھے تھے، آج بھی آپ کے نام لیوا اور دراصل آپ ہی کی تحریک کا تسلسل؛ غزوۂ ہند میں کھپتے اور کٹتے داعیان و مجاہدین اسی مقصد کے ساتھ راہئ

راہِ دعوت و جہاد بنے ہوئے ہیں۔ سیّد بادشاہ نے اپنے فرامین اور مکاتیب میں اپنے جہاد اور جد وجہد کو جس طرح بیان فرمایا ہے، کچھ ایسا ہی مطمح ومقصود ہمارا بھی ہے اور اپنا مقصود واضح کرنے کے لیے ہم حضرت سیّد احمد شہیدؒ ہی کے چند فرامین[1] ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

''اگر اسلامی ملک آزاد ہو جائے اور ریاست وسیاست اور قضا وعدالت میں شرعی قوانین کو مدارِ عمل بنالیا جائے تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ خود مالکِ سلطنت بننے کے بجائے مجھے یہ پسند ہے کہ تمام اقطاع میں عادل فرماں رواؤں کی حکمرانی کا سکہ جاری ہو جائے۔''

''میں ہفت اقلیم کی سلطانی کو پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ جب نصرتِ دین کا دور شروع ہو جائے اور سرکشوں کے اقتدار کی جڑ کٹ جائے گی تو میری سعی کا تیر خود بخود نشانۂ مراد پر جا بیٹھے گا۔''

''ہمارا جھگڑا امرا ورؤسا سے نہیں بلکہ ہم کو لمبے بال والوں (سکھ) بلکہ تمام فتنہ انگیز کافروں سے جنگ کرنا ہے، نہ کہ اپنے کلمہ گو بھائیوں سے اور ہم مذہب مسلمانوں سے۔''

''اس ملک (یعنی مغربی ہند) کو مشرکین کی نجاستوں سے پاک اور منافقین کی گندگی سے صاف کرنے کے بعد حکومت وسلطنت کا استحقاق، ریاست اور انتظامِ سلطنت کی استعداد رکھنے والوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ احسانِ خداوندی کا شکر بجالائیں گے اور ہر حال میں جہاد کو قائم رکھیں گے اور کبھی اس کو موقوف نہیں کریں گے اور انصاف ومقدمات کے فیصلے میں شرع شریف کے قوانین سے بال بھر بھی تجاوز اور انحراف نہیں کریں گے اور ظلم وفسق سے کلیتاً اجتناب کریں گے۔ اس کے بعد میں اپنے مجاہدین کے ساتھ ہندوستان کا رخ کروں گا تاکہ اس کو شرک اور کفر سے پاک کیا جائے۔ اس لیے کہ میرا مقصود اصلی ہندوستان پر جہاد ہے، نہ کہ ملکِ خراسان میں سکونت اختیار کرنا۔''

سیّد بادشاہ کے یہ مختصر الفاظ ایک کامل دعوت بھی ہیں، لائحۂ فکر وعمل بھی اور جہادی سٹریٹیجی کا منہج بھی۔ داعیانِ دین ومجاہدینِ فی سبیل اللّٰہ؛ جو در بدریاں سہتے ہیں، قتل ہوتے ہیں، جیلوں میں جاتے ہیں، تعذیب خانوں میں استریوں سے داغے جاتے ہیں اور ڈرل مشینوں سے چھلنی کیے جاتے ہیں، ان کے جو بچے بلکتے ہیں اور بیویاں وبیوائیں تڑپتی ہیں...... تو ان کا مقصد اس شریعت کا احیاء ہے جس کے لیے کوشش اور جس کے نفاذ سے خوشنودئ ربّ العالمین ملتی ہے۔ سلطانی کو یہ پرِ کاہ سے زیادہ نہیں جانتے۔ کوئی اور آج اس نفاذِ شریعت اور اقامتِ دین کی داغ بیل ڈال دے تو یہی داعیان ومجاہدین ان اصحابِ عزیمت کی جوتیاں سیدھی کرنے والے ہوں گے، بس شرط وہی جو سیّد احمد شہیدؒ نے بھی بیان کی کہ شریعت کو ہر معاملے میں نافذ رکھیں گے اور جہاد کو قائم رکھیں گے۔ اسی دعوت کی صدا لگانے والا اور جہاد کو قائم کرنے والا آج ایک قافلہ، قافلۂ اسامہ بن لادنؒ بھی ہے اور یہ قافلہ اعلان کر رہا ہے:

ہمیں وہ ہیں کہ ہم نے کی ہے یہ بیعت محمدؐ سے
جہاد اب عمر بھر ہر حال میں کرتے رہیں گے ہم

ان شاء اللّٰہ!

◆◆◆◆◆

---

[1] بحوالہ: کتبِ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی وکتبِ مولانا غلام رسول مہر۔

امارتِ اسلامیہ افغانستان کی اطاعت، نصرت اور اس عظیم قافلے سے اٹھتا نفاذِ شریعت کا مبارک پیغام عام کرنا ہم اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ اس ذمہ داری کی ادائیگی ہم پر لازم ہے اور چونکہ ہمارے مخاطبین برِّصغیر کے اہلِ ایمان ہیں، نیز برِّصغیر وہ سرزمین ہے جہاں وہ معرکہ بپا ہونا ہے، جس کی پیشین گوئی 'غزوۂ ہند' کی صورت میں احادیثِ مبارکہ میں موجود ہے...... پھر پورے برِّصغیر میں اللہ کے دین کو غالب کرنے اور مظلوم مسلمانوں کی نصرت کے لیے یہاں دعوت و جہاد کی تحریک بپا کرنا شرعی فریضہ بھی ہے۔

لہٰذا، مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' کا نام مارچ ۲۰۲۰ء کے 'فتحِ مبین نمبر' کے بعد تبدیل کر کے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک الہامی پیشین گوئی ہی کے پیشِ نظر 'نوائے غزوۂ ہند' رکھ دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ امارتِ اسلامیہ افغانستان کی مدد و نصرت فرمائیں اور ہمیں اس کے لشکر کا سپاہی و پاسبان بنائے رکھیں۔ اللہ پاک برِّصغیر میں دعوت و جہاد کی مبارک محنت میں ہمیں قبول کر لیں اور اس مبارک جدوجہد کے ذریعے اسلام کی وہ بہاریں لائیں، جس کی خاطر سیّد احمد شہیدؒ نے برِّصغیر میں دعوت و جہاد کا عظمت و عزیمت والا معرکہ بپا کیا تھا۔

مخبرِ صادق محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت میں دو گروہ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔
ایک گروہ ہند پر چڑھائی کرے گا اور دوسرا گروہ جو عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔'' (صحیح حدیث بحوالہ مسندِ احمدؒ)

اور آپؐ نے فرمایا:

''میری امت کے کچھ لوگ ہند کے خلاف جنگ کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کو فتح عطا فرمائے گا،
حتیٰ کہ وہ ہند کے بادشاہوں (حاکموں) کو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پائیں گے، اللہ ان مجاہدین کی مغفرت فرمائے گا۔
(اور) جب وہ شام کی طرف پلٹیں گے تو عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کو وہاں پائیں گے۔'' (الفتن از امام نعیم بن حمادؒ)

شوقِ وطن

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ

ذیل میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تالیف 'شوقِ وطن' نذرِ قارئین ہے۔ اس تحریر میں حضرت تھانویؒ نے انسان کو اس کے اصلی وطن یعنی آخرت کا شوق دلایا ہے۔ جیسا کہ اس تالیف کے شروع میں حضرت تھانویؒ نے خود فرمایا ہے کہ یہ انہوں نے ایک ایسے وقت میں تحریر فرمائی جب بعض علاقوں میں طاعون تیزی سے پھیل رہا تھا اور مسلمانوں میں بھی موت کا خوف عام تھا۔ اس وقت (۲۰۲۰ء میں) جب اس تالیف کو قسط وار مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع کیا جا رہا ہے تو پوری دنیا کو طاعون ہی کی مثل ایک نئی وبا 'کورونا وائرس' نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ایسے میں اس تالیف کو دوبارہ شائع کرنا اور عوام و خواص میں اس کی ترویج ایک صائب اقدام معلوم ہوتا ہے۔ حضرت تھانوی کے خلیفۂ خاص حضرت حکیم مصطفیٰ بجنوری رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تسہیل فرمائی تھی اور ذیل میں تسہیل ہی پیشِ خدمت ہے۔ اللہ جلّ جلالہ سے دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس تحریر کو پڑھنے سمجھنے اور اس کے ذریعے اپنے اصلی وطن یعنی آخرت کی تیاری کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین! (ادارہ)

آٹھواں باب: آسمان میں مسلمان مومن کا درجہ

مومن کی موت پر رزق اور عمل کے دروازے روتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں: ایک دروازہ جس سے اس کے اعمال چڑھتے ہیں اور ایک دروازہ جس سے اس کا رزق اترتا ہے۔ سو جب بندۂ مومن مر جاتا ہے، وہ دونوں دروازے اس پر روتے ہیں۔ (بحوالہ ابن ابی الدنیا)

نواں باب: زمین کے نزدیک مومن کے محبوب ہونے کا بیان

نماز والی جگہ بروز قیامت مسلمان کے لیے گواہی دے گی:

عطا خراسانی سے روایت ہے کہ جو شخص زمین کے کسی ٹکڑے پر سجدہ کرتا ہے وہ ٹکڑا قیامت میں اس کے لیے گواہی دے گا اور اس کے مرنے کے دن اس پر روتا ہے۔ (بحوالہ ابو نعیم)

نماز والی جگہ مومن کی موت پر روتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمین مومن (کے مرنے) پر چالیس دن تک روتی ہے۔ (بحوالہ شرح الصدور)

مومن کی موت پر قبر اس کے لیے آرائش کرتی ہے:

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مومن جب مر جاتا ہے تمام مواقع قبر کے اس کے مرنے پر اپنی آرائش کرتے ہیں سو کوئی حصہ ان میں ایسا نہیں جو اس کی تمنا نہ کرتا ہو کہ وہ اس میں مدفون ہو۔ (بحوالہ ابن عساکر)

دسواں باب: جنازے کے ساتھ فرشتوں کے چلنے کے بیان میں

مسلمان کے جنازے کے ساتھ جانے والے کے لیے انعام:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! اس شخص کا کیا صلہ ہے جو کسی میت کے ساتھ اس کی قبر تک تیری رضا جوئی کے واسطے جاوے؟ ارشاد ہوا کہ صلہ اس کا یہ ہے کہ میرے فرشتے اس (کے جنازے) کے ساتھ جاویں گے اور اس کی روح پر اور (نیک) روحوں کے ساتھ دعا کریں گے۔ (شرح الصدور)

تشریح:

اس روایت میں جو آیا ہے کہ جو شخص میت کے دفن میں اور قبر تک لے جانے میں شریک ہوتا ہے اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کے جنازے کے ساتھ فرشتے ہوں گے، اس سے مراد یہ ہے کہ اور زیادہ فرشتے ہوں گے ورنہ فرشتے تو ہر مومن میت کے ساتھ ہوتے ہیں (جیسا کہ ساتویں باب میں گزرا) دلیل اس کی یہی ہے کہ اس کو بدلہ فرمایا تشییع یعنی جنازہ میں شرکت کا غرض آٹھویں، نویں، دسویں باب کی حدیثوں سے بھی مسلمان میت کا معزز و مکرم ہونا صاف ظاہر ہے کہ آسمان کے نزدیک اس کی کیسی عزت ہے کہ اس کا کام یعنی عمل کے چڑھنے اور رزق کے اترنے کے ختم ہو جانے سے روتا ہے) اور زمین کے نزدیک اس کی کیسی وقعت ہے کہ اس کے مرنے سے عمل ختم ہو جانے پر بلکہ خود اس شخص کے نہ رہنے پر روتی ہے پھر یہ کہ زمین کا ہر ہر حصہ اس کی نعش کو اپنی آغوش میں رکھنے کی تمنا کرتا ہے اور فرشتوں کے نزدیک اس کی کیسی عظمت ہے کہ فوج و لشکر کی طرح اس کے جنازے کے ساتھ چلیں۔ فرشتوں جیسی عظیم الشان اور جلیل القدر مخلوق کے نزدیک کسی کی ایسی عزت ہونا کچھ معمولی بات نہیں دنیا میں یہ بات کسی بڑے سے بڑے ساتوں ولایت کے بادشاہ کو بھی میسر نہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب مردے کو معلوم ہوتا ہو گا کہ میرا اس قدر اعزاز کیا گیا خواہ اس کو خود دیکھتا ہو گا جیسا کہ اوپر کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے یا بعد میں سنتا ہو گا تو اس کے نزدیک عالمِ آخرت کی کیسی کچھ قدر ہوتی ہو گی اور دنیا اس کی نظروں میں کس قدر ذلیل ہوتی ہو گی اور یہاں سے وہاں چلے جانے کو کیسا غنیمت سمجھتا ہو گا۔ ایسی ہی چیزوں کے بارے میں کہا جاتا ہے وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ[1]، یعنی اس میں حوصلہ آزمائی کریں حوصلہ کرنے والے۔ اور لِمِثْلِ هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ[2] یعنی ان باتوں کے لیے کام کریں کام کرنے والے۔ اللہ توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

---

[1] سورۃ المطففین: ۲۶

[2] سورۃ الصافات: ۶۱

یہاں تک وہ باتیں بیان ہوئیں جو دفن سے پہلے ہی حاصل ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض باتیں آئندہ کے لیے بھی باقی رہتی ہیں جیسے روحوں کا آپس میں ملنا اور زمین کے نزدیک پیارا ہونا وغیرہ۔ فقط۔

گیارھواں باب: قبر یعنی عالم برزخ کی حسی و معنوی نعمتوں کا بیان

قبر کا مومن اور کافر کے ساتھ سلوک:

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ نے جب سے منکر و نکیر کی آواز اور قبر کے دبانے کا مجھ سے ذکر فرمایا ہے کوئی چیز مجھ کو (تسلی میں) نافع نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! منکر و نکیر کی آواز اہل ایمان کے کانوں میں ایسی ہو گی جیسے سرمہ آنکھ میں (لذت بخش ہوتا ہے) اور قبر کا دبانا مومن کے حق میں ایسا راحت بخش ہو گا جیسے مادر مشفقہ سے اس کا بیٹا دردِ سر کی شکایت کرے اور وہ اس کے سر کو نرم نرم دبائے۔ لیکن اے عائشہ! خرابی تو ان لوگوں کی ہے جو خدا کے وجود یا احکام کے بارے میں شک رکھتے ہیں وہ اس طرح سے قبروں میں دبائے جاویں گے جیسے انڈے پر پتھر رکھ کر دبایا جاوے۔ (بحوالہ بیہقی)

قبر مومن میت کا استقبال کرتی ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندۂ مومن دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے

ع بیا بیا و فرو وا گہ خانۂ تست

تو ان سب میں میرے نزدیک زیادہ محبوب تھا جو میری سطح پر (یعنی میرے اوپر) چلتے تھے۔ سو جب آج میں تیری کارپرداز بنائی گئی ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے تو میرا معاملہ اپنے ساتھ دیکھے گا۔ پس حد نظر تک وہ اس پر فراخ ہو جاتی ہے اور بہشت کی طرف اس پر دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور رسول ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (یعنی صالح کے لیے) یا دوزخ کی خندقوں میں سے ایک خندق (یعنی طالح کے لیے)۔ (بحوالہ ترمذی)

مومن کی قبر میں وسعت پیدا کر دی جاتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مردہ دفن ہوتا ہے تو دو فرشتے سیاہ رنگ نیلگوں چشم اس کے پاس آتے ہیں ان میں ایک منکر دوسرا نکیر کہلاتا ہے وہ دونوں اس سے پوچھتے ہیں: تو ان شخص (یعنی محمد ﷺ) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی (آثار دیکھ کر) جانتے تھے کہ تو یوں کہے گا۔ پھر ہفتیا در ہفتیا دہاتھ[1] اس کی قبر میں وسعت کر دی جاتی ہے پھر وہ قبر منور کر دی جاتی ہے پھر وہ شخص کہتا ہے کہ مجھ کو چھوڑ دو اپنے گھر والوں کے پاس جا کر ان کو سب خبر کر دوں، وہ کہتے ہیں کہ دولہے کی طرح سو رہ جس کو وہی شخص جگاتا ہے جو اس کے متعلقین میں سب سے زیادہ محبوب ہے (یعنی دلہن)۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز اس خواب گاہ سے محشور فرمادے گا۔ (ترمذی)

تشریح:

ان فرشتوں کے سیاہ رنگ اور نیلی آنکھیں ہونے سے مومن بندہ خوف زدہ نہ ہو گا چنانچہ ابن ماجہ کی حدیث میں لفظ غیر فزع ولا مشغوف موجود ہے یعنی بندہ پریشان و بدحواس نہیں ہوتا۔

نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ قبر میں مسلمان کی عذاب سے حفاظت کرتی ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ مردہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے وہ لوگوں کی واپسی کے وقت ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے، پس اگر وہ مومن ہوا تو نماز اس کے سرہانے آ جاتی ہے اور زکوٰۃ اس کے داہنی طرف اور روزہ اس کے بائیں طرف اور جو خیر اور نیکی اور احسان لوگوں کے ساتھ کیا تھا وہ پیروں کی جانب آ جاتا ہے، سو اگر سرہانے کی جانب سے عذاب آتا ہے تو نماز کہتی ہے کہ میری طرف سے جگہ نہیں ملے گی پھر داہنی طرف سے آتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے جگہ نہ ملے گی پھر بائیں جانب سے آتا ہے تو روزہ کہتا ہے کہ میری طرف سے جگہ نہیں ملے گی پیروں کی طرف سے آتا ہے تو امور خیر اور جو نیکی اور احسان کے کام لوگوں سے کیے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے جگہ نہ ملے گی اور اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ پھر جسد تو اپنی اصل یعنی خاک میں مل جاتا ہے یعنی اکثر ورنہ بعض کے اجساد بحالہ (رہتے ہیں)[2] اور روح اس کی ہوائے لطیف یا ارواح طیبہ میں رہتی ہے اور وہ سبز پرندے کے قالب میں ہو کر درخت جنت میں جاگزین ہوتی ہے۔ (بحوالہ حاکم، بیہقی)

تشریح: کتاب شرح الصدور کی بعض ایسی حدیثوں سے جو زبان فیض ترجمان حضور ﷺ کی ارشاد شدہ نہیں ہیں، روح کا جسم کے ساتھ قبر میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روح سبز پرندے کے قالب میں جنت میں چلی جاتی ہے۔ دونوں کی توجیہ یہ ہے کہ روح شروع دفن میں قبر میں جاتی ہے پھر اس کو جنت میں لے جاتے ہیں جیسا کہ یہی بات شرح الصدور کی ان حدیثوں سے بھی معلوم ہوتی ہے اور یا قبر میں داخل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس وقت اس کو جسم کے ساتھ بہت تعلق ہوتا ہے گویا کہ وہ جسم کے ساتھ قبر کے اندر بھی چلی گئی۔ (جیسا کہتے ہیں میں بیٹھا تو یہاں ہوں مگر دل دوسری جگہ پڑا ہے) پھر چند روز میں جب جسم گل سڑ جاتا ہے تو یہ تعلق بھی کم ہو جاتا ہے۔

شب جمعہ یا یوم جمعہ میں مرنے والے کے لیے فضیلت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت شب جمعہ یا روزِ جمعہ کو وفات پاتا ہے وہ عذابِ قبر اور امتحانِ قبر سے محفوظ رہتا ہے

---

[1] یعنی ستر در ستر ہاتھ

[2] جیسے اجسادِ انبیائے علیہم السلام

اور اللہ تعالیٰ سے بلا حساب ملے گا اور قیامت میں وہ اس طرح آوے گا کہ اس کے ساتھ یا تو گواہ ہوں گے جو اس کی بھلائی کی گواہی دیں گے یا کوئی مہری سند ہو گی۔ (ترمذی)

سفر میں مرنے والے کی فضیلت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی اپنے غیر مولد (یعنی غیر وطن) میں مر جاتا ہے تو اس کے مولد سے لے کر جہاں اس کا چلنا پھرنا ختم ہو گیا ہے (یعنی جہاں مرا ہے) وہاں تک اس کے لیے (قبر میں) کشادگی کر دی جاتی ہے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: اس سے پردیس میں مرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جس سے اکثر محبان دنیا گھبراتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ رحم مسلمان پر قبر میں فرماتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ سب احوال میں سے زیادہ رحم کرنے والا بندے پر اس حالت میں ہوتا ہے جب وہ اپنی قبر کے گڑھے میں رکھا جاتا ہے۔ (ابن منذہ)

قبر میں عالم کے علم کا فائدہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب عالم مر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے علم کی ایک صورت بنا دیتا ہے، وہ قیامت تک اس کا انیس رہتا ہے اور حشرات الارض کو اس سے ہٹا دیتا ہے۔ (دیلمی)

فائدہ: اگر اس سے دنیا کے کیڑے مکوڑے مراد ہیں تب یہ حکم غالباً کسی خاص خاص عالم کے لیے ہے اور اگر عالم برزخ کے وہ کیڑے مکوڑے مراد ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے تو ہر عالم کے لیے ہو سکتا ہے۔

علم کے ذریعہ قبر روشن رہتی ہے:

امام احمد رحمہ اللہ نے زہد میں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ خیر یعنی علم دین سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میں معلم اور طالب علم کے لیے ان کی قبروں کو منور رکھتا ہوں تاکہ وہ اس مکان میں گھبرائیں نہیں۔ (بحوالہ کتاب الزہد، امام احمد بن حنبل)

مجاہد کا قبر میں مقام:

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دشمن سے مقابل ہوا اور ثابت قدم رہا حتیٰ کہ مقتول ہوا یا غالب آیا تو قبر میں اس کا امتحان (یعنی سوال و جواب نہ ہو گا)۔

سرحد کی حفاظت کرنے والے کا قبر میں مقام:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جہاد میں سرحد کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو امتحان قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔ (بحوالہ، طبرانی، نسائی)

پیٹ کی بیماری میں مرنے والے کو عذاب قبر نہیں ہوتا:

حضرت سلمان بن صرد اور خالد بن عرفطہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص پیٹ کی بیماری میں ہلاک ہو جاوے اس کو قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔ (بحوالہ ابن ماجہ)

سورۃ الملک پڑھنے سے عذاب قبر سے حفاظت:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص ہر شب کو سورۃ الملک پڑھ لیا کرے اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھتا ہے اور ہم اس کا نام عہد نبوی ﷺ میں مانعہ (یعنی بچانے والی عذاب سے) رکھتے ہیں۔ (بحوالہ نسائی)

رمضان المبارک میں مرنے والوں کا مقام:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سند ضعیف[1] مروی ہے کہ ماہ رمضان میں مردوں سے یا رمضان کے مردوں سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔ (شرح الصدور)

فائدہ: حدیث کے ترجمہ میں یہ جو کہا گیا کہ (ماہ رمضان میں مُردوں سے) یا ماہ رمضان کے مُردوں سے حدیث میں دونوں احتمال ہیں۔ اول کے معنی یہ ہیں کہ جب رمضان آتا ہے تو تمام مردوں سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے اور دوسرے کے معنی یہ ہوئے کہ جو مُردے رمضان میں مرتے ہیں اُن سے عذاب اٹھا لیا جاتا ہے اور سند کا ضعیف ہونا ایسی باتوں میں مضر نہیں ہاں احکام میں مضر ہے[2]۔

ایک صحابی کا قبر میں نماز پڑھنا:

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ قسم اللہ وحدہ لا شریک کی کھا کر کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی لحد میں رکھا اور میرے ساتھ حمید طویل بھی تھے جب ہم نے ان پر کچی اینٹیں چنیں تو ایک اینٹ گر پڑی میں دیکھتا کیا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر کسی کو آپ نے قبر میں نماز پڑھنا عطا فرمایا ہے تو مجھ کو بھی عطا کیجیے سو خدا تعالیٰ نے ان کی دعا رد نہیں فرمائی بلکہ جیسا موسیٰ علیہ السلام کو یہ دولت عطا ہوئی ہے (اخرجہ مسلم) اسی طرح ان کو عطا ہوئی۔ (بحوالہ ابو نعیم)

سورۂ ملک عذاب سے بچانے والی سورت ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے کوئی صحابی کسی قبر پر بیٹھ گئے اور (بوجہ نشان نہ ہونے کے) ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے سو دیکھتے کیا ہیں کہ اس کے اندر

---

[1] اس حدیث کے راویوں میں کوئی راوی ضعیف ہے۔ لیکن فضائل کے باب میں ضعیف روایت بھی معتبر ہوتی ہے۔

[2] احکام میں مضر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی روایت سے کسی کام کا فرض یا واجب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

ایک آدمی ہے جو سورہ ملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس کو پورا ختم کیا انہوں نے نبی ﷺ کو آ کر خبر کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورت (عذاب سے بچانے والی ہے اور وہ نجات دینے والی ہے کہ مردے کو عذاب قبر سے نجات دیتی ہے)۔(ترمذی)

مومن کو قبر میں تلاوت کے لیے مصحف دیا جاتا ہے:

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مومن کو (قبر میں) مصحف دیا جاتا ہے جس میں وہ پڑھتا ہے۔

بعض صحابہ سے منقول ہے کہ کسی موقع پر انہوں نے قبر کھودی (اور اتفاق سے اس کے پاس پہلے سے قبر تھی) پس (اس کی طرف ایک طاق سا کھل گیا دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شخص تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے آگے ایک قرآن رکھا ہے جس میں پڑھ رہا ہے اور اس کے سامنے ایک باغ سبز ہے اور یہ قصہ جبل احد میں ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص شہدا میں سے ہیں کیونکہ ان کے چہرے پر زخم بھی دیکھا)۔(بحوالہ ابن حبان)

حفظ قرآن مکمل ہونے سے پہلے موت آنے والے کے ساتھ اللہ کا معاملہ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے پھر مر جاوے اور اس کو یاد نہیں کرنے پایا تھا تو ایک فرشتہ قبر میں آ کر اس کو تعلیم دیتا ہے سو اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس کو حفظ کر چکا ہو گا (تا کہ مراتب میں کمی نہ رہے)۔ جیسا ایک روایت میں عطیہ اوفی رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے۔(حتی علیہ)

فائدہ: یہ اعمال یعنی قرآن و نماز وغیرہ قبر میں بطور وجوب و تکلیف (فرض ہونے) کے نہیں بلکہ تلذذ و زیادتِ (مزہ لینے) درجات کے لیے ہیں۔(بحوالہ ابوالحسن شیر ان فی فوائدہ)

وصیت نہ کرنے والے کا معاملہ:

قیس بن قبیصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بلا وصیت کے مر جاتا ہے اس کو مردوں کے ساتھ کلام کرنے کی اجازت نہیں ملتی [1]۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا مردے بھی باہم کلام کرتے ہیں؟ فرمایا: ہاں! اور باہم ملتے جلتے بھی ہیں۔(بحوالہ ابن حبان)

مردہ قبر پر آنے والے کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے وہ اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے یہاں تک یہ جانے والا اٹھ کھڑا ہو۔(ابن عبد اللہ)

مردہ قبر پر آنے والے کو پہچانتا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی مسلمان کی قبر پر گزرتا ہے جس کو دنیا میں پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے وہ اس کو پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔(ابن عبد اللہ)

شہیدوں کی روحوں کا مقام:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ارواح شہدا کی سبز پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی پھرتی ہیں پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں آ کر قرار پکڑتی ہیں۔(مسلم)

مومن کی روح کا مقام:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کی روح ایک پرندے کے قالب میں جنت کے درخت میں جاگزین رہتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسد کی طرف واپس لے آوے۔(نسائی)

روحیں ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں:

ام بشر بن البراء سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا مردے آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اری خاک میں ملی (یہ بطور ترحم کے فرمایا جیسا محاورہ ہے) روحِ مطمئنہ جنت میں سبز پرندوں کے قالب میں ہوتی ہے، سو اگر پرندے درختوں کی ڈالیوں میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں (اور ظاہر ہے کہ پہچانتے ہیں) تو وہ ارواح بھی ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں۔(ابن سعد)

روحوں کا حال:

کسی صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے ارواح مومنین کا حال پوچھا، آپ نے فرمایا کہ سبز پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی پھرتی ہیں۔(طبرانی)

مومنین کی روحیں ساتویں آسمان میں ہوتی ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ارواح مومنین کی ساتویں آسمان میں ہیں (وہاں سے) اپنے منازل کو، جو ان کو جنت میں ملیں گے، دیکھتی ہیں۔(ابونعیم)

عالم برزخ میں مُردوں کے احوال:

برزخ سے متعلق روایتیں تو بے شمار ہیں مگر ان میں سے اس گیارہویں باب میں صرف ستائیس حدیثیں بطور نمونہ نقل کی ہیں۔ ان ستائیس حدیثوں میں مع کچھ اس سے پہلے بابوں کی حدیثوں کے برزخ کا عیش و آرام اور اعزاز و اکرام پوری طرح سے ذکر ہو گیا کیونکہ جسمانی اور روحانی نعمت اور خوشی کی قسمیں صرف یہ ہیں: تکلیفوں سے محفوظ رہنا۔ مکان کا کشادہ ہونا۔ حاکم کے

[1] مصطفیٰ (بجنوری) عرض کرتا ہے کہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی بات کے متعلق وصیت ضروری ہے مثلاً حج فرض تھا اور اس کی وصیت نہ کی تو اس کا یہ نتیجہ ہے کہ مُردوں سے بات کی اجازت نہ ملے گی۔

نزدیک مقبول ہونا۔ مددگاروں کی پناہ میں ہونا۔ حاکم کا مہربان ہونا۔ کسی ساتھی غمگسار کے پاس ہونا۔ اندھیرے میں روشنی ہونا۔ قرآن شریف کا پڑھنا۔ نماز پڑھنا۔ دوستوں اور عزیز و اقارب سے ملنا جلنا۔ پاس آنے والوں سے دل بستگی ہونا۔ کھانے پینے میں فراخی ہونا (خصوصاً جنت کی نعمتیں کھانا پینا)۔ عمدہ فرش ہونا۔ عمدہ لباس ہونا۔ ہوادار مکان ہونا (خصوصاً جنت کی ہوا آتی ہو)۔ تفریح کے لیے باغ ہونا۔ خوشی کی خبریں سننا اور آپس میں جان پہچان ہونا۔ قیام گاہ کا عالی شان ہونا (جنت سے اعلیٰ کون سی قیام گاہ ہو گی؟)۔ اپنا مقام جنت میں اپنی آنکھ سے دیکھنا۔ مذکورہ حدیثوں میں ان سب چیزوں کی خبر ہے اس میں عیش کا تمام سامان آگیا۔

ان سب سے صاف ثابت ہے کہ جو بات عوام کے خیال میں جمی ہوتی ہے کہ مردے یوں ہی بے کس بے بس تنہائی میں پڑے ہوئے گھٹا کریں گے یہ خیال غلط ہے بلکہ دنیا میں جس قدر سامان عیش کا کسی کے پاس ہو سکتا ہے وہ سب بلکہ اس سے زیادہ اور عمدہ عالم برزخ میں نصیب ہو گا ہاں بعض کے سامان عیش ایسے ہیں کہ وہ وہاں نہ ہوں گے جیسے نکاح وغیرہ، اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم برزخ میں غلبہ روحانی کیفیت کو ہوتا ہے، یہ جسمانی کیفیتیں اور جذبات کالعدم ہو جاتے ہیں اس واسطے نکاح وغیرہ کی ضرورت نہیں اور یہی وجہ ہے کہ قیامت میں جنت میں جائیں گے تو پھر وہی دنیا کا جسم مل جائے گا، لہٰذا وہ جذبات بھی پیدا ہو جائیں گے اور حوریں ملیں گی۔ رہا کھانا پینا سو اس کی خواہش رہ سکتی ہے کیونکہ کمزور جسم کو بھی اس کی خواہش ہوتی ہے جیسے بچہ کو یا بہت کمزور لب دم مریض کو، اس واسطے آیا ہے کہ مومنین کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں جنت میں چرتی پھرتی ہیں۔ فقط۔

اس باب کے متعلق ایک اور بات:

اس باب میں جو کچھ ذکر ہوا یہ سب وہ باتیں تھیں جو خود میت ہی کی حالتوں پر پیدا ہوتی ہیں اور یہ حالتیں بعضی اختیاری ہیں جیسے ایمان لانا یا نیک اعمال شریعت کے موافق ہونا اور بعضی غیر اختیاری ہیں جیسے پردیس میں مرنا یا جمعہ کے دن مرنا یا پیٹ وغیرہ کے امراض میں مرنا (یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ غیر اختیاری باتوں پر بھی اجر و ثواب رکھا ہے) مگر یہ سب حالتیں ایسی تھیں جو میت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہیں۔ جب یہ حالتیں ختم ہو گئیں تو اجر و ثواب ان پر رکھا گیا ہے وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مرنے سے ان کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے لیکن حق تعالیٰ کی ایک اور بھی رحمت ہے کہ دو طریقے اور ایسے بھی تجویز فرما دیے جن کے ذریعہ سے اجر و ثواب مرنے سے ختم نہ ہوا اور ان کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے جاری رہے اور دم بہ دم ثواب خوبی میں اور تعداد میں بڑھتا ہی رہے۔

ایک طریقہ ان میں سے یہ ہے کہ بعضے عمل ایسے تجویز فرما دیے جن کا ثواب آدمی کو مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہے۔ اور دوسرا طریقہ ایسا ہے کہ میت نے خود وہ عمل زندگی میں کیا بھی نہیں مگر دوسروں کے کرنے سے میت کو ثواب پہنچتا رہے۔ پہلی قسم کے عمل کو شرع کی اصطلاح میں باقیات صالحات کہتے ہیں (یعنی وہ نیکیاں جن کا ثواب باقی رہتا ہے) اور دوسرے قسم کے عمل کو ایصال ثواب کہتے ہیں۔

لہٰذا اس باب کے اخیر میں کچھ حدیثیں ان دونوں طریقوں کے متعلق لکھنا بھی مناسب معلوم ہوا۔ اور ان دونوں طریقوں کے علاوہ ایک اور طریق کا بھی پتہ چلتا ہے جس سے میت کو نفع پہنچتا ہے حالانکہ اس میں نہ میت کے عمل کو دخل ہے نہ کسی زندہ کے فعل کو وہ محض اس کا مصداق ہے کہ

؎ رحمت حق بہانہ ڈھونڈتی ہے

اس بیان کے اخیر میں اس تیسرے طریق کے متعلق بھی حدیثیں لکھی جائیں گی۔

مرنے کے بعد باقی رہنے والے اعمال:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال موقوف ہو جاتے ہیں بجز تین چیزوں کے (کہ مرنے پر بھی وہ باقی رہتی ہیں) یا تو صدقۂ جاریہ (مثل وقف وغیرہ) یا ایسا علم جس کا نفع پہنچ رہا ہو (مثل تصنیف و تدریس وحفظ) یا نیک فرزند جو اس کے لیے دعا کرتا ہو۔ (شرح الصدور)

چار قسم کے افراد کو مرنے کے بعد بھی ثواب ملتا رہتا ہے:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ چار شخص ایسے ہیں کہ ان کا ثواب بعد مرنے کے بھی جاری رہتا ہے: ایک وہ کہ جو جہاد میں سرحد کی حفاظت کرتا ہو اور ایک وہ شخص جو علم (دین) سکھلائے اور ایک وہ شخص جو کوئی صدقہ دے جاوے تو جب تک وہ جاری رہے گا اس کا ثواب اس کو ملے گا اور ایک وہ شخص جو فرزند صالح چھوڑ جاوے کہ وہ اس کے لیے دعا کرے۔ (شرح الصدور)

نیک طریقہ جاری کرنے والے کے لیے اجر:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی مروی ہے کہ جو شخص کوئی نیک طریقہ جاری کرے پس اس کو اس طریقۂ نیک کا ثواب بھی ملے گا اور ان شخصوں کے کرنے سے بھی ثواب ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے بدون اس کے کہ ان کو ثواب میں کچھ کم کیا جاوے۔ (شرح الصدور)

ایک آیت یا ایک مسئلہ سکھانے والے کے لیے ثواب:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی مروی ہے کہ جو شخص کتاب اللہ کی ایک آیت یا علم دین کا ایک باب یعنی ایک مسئلہ بھی سکھلاوے اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کا اجر و ثواب بڑھاتا رہتا ہے۔ (ابن عساکر و شرح الصدور)

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حقیقت

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

98۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَّالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا وَّلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا: اگر آدمی کے پاس مال سے بھرے ہوئے دو جنگل ہوں تب بھی وہ تیسرے جنگل کو تلاش کرے گا اور آدمی کے پیٹ کو کوئی چیز نہیں بھرتی مگر (قبر کی) مٹی (یعنی جب تک گور میں نہیں چلا جاتا حرص بھی نہیں جاتی اور یہ حکم بہ اعتبار اکثر کے ہے) اور اللہ تعالیٰ (حرصِ مذموم سے) جس بندے کی توبہ کو چاہے قبول کرلیتا ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب دنیا کی حرص قبر ہی میں جاکر ختم ہوگی تو عمل شروع کرنے کے لیے حرص کے ختم ہونے کا انتظار کرنا سخت نادانی ہوگی اور حق تعالیٰ کا فضلِ خاص جس بندے پر ہوجاوے تو وہ زندگی میں بھی حرص سے پاک ہوجاتا ہے۔

جوش میں آئے جو دریا رحم کا
گبر صد سالہ ہو فخر اولیا

99۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِيْ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِيْلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کے کسی حصے کو (یعنی میرے دونوں مونڈھوں کو پکڑا، جیسا کہ حسبِ عادتِ شریفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرتے وقت پکڑتے) اور فرمایا: تو دنیا میں اس طرح رہ گویا تو ایک مسافر ہے بلکہ تو راہ کا گزرنے والا ہے اور اپنے آپ کو ان مُردوں میں سے شمار کر جو قبروں کے اندر ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں اَوْ معنیٰ میں بَل کے ہے اور بَل ترقی کے لیے آتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مسافر تو کہیں کچھ دیر یا کچھ دن کے لیے ٹھہر بھی جاتا ہے لیکن راستہ عبور کرنے والا تو کسی چیز سے دل نہیں لگاتا۔ مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ جس طرح موت کے سبب تمام تعلقات دنیا سے علیحدگی ہوجاتی ہے اہل وعیال، اولاد، رشتہ دار، دوست، آشنا، مکان، کاروبار سے اسی طرح مومن زندگی ہی میں دل کو حق تعالیٰ کی محبت سے اس طرح معمور کرتا ہے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے الگ رہتا ہے۔

جہاں میں رہتے ہوئے ہیں جہاں سے بیگانے
بلاکشانِ محبت کو کوئی کیا جانے

دور باش افکارِ باطل دور باش اغیارِ دل
سج رہا ہے شاہِ خوباں کے لیے دربارِ دل

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

اور خود کو اور تمام اہل وعیال اور دولت ومکان وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت سمجھتا ہے۔ نہ تو اس کے ہونے سے اتنا خوش ہوتا ہے کہ خدا کو بھول جاوے اور ان کے لیے حرام اور مکروہ فعل کرنے لگے اور نہ ان کے جانے سے اتنا غم کرتا ہے کہ آخرت سے غافل ہوجاوے یا حق تعالیٰ کی طرف سے شکایت پیدا ہو۔ اسی طرح اپنی خواہشاتِ نفسانیہ سے منہ پھیرتا ہے اور دل میں اس کے کوئی مطلوب اور محبوب اور مقصود سوائے حق تعالیٰ شانہٗ کے نہ ہو اور موت کے سبب تو مجبوراً گناہ نہیں کرسکتا لیکن زندگی میں اختیار ہوتے ہوئے گناہ کو ترک کرتا ہے صبر اور مجاہدے سے، پس ایسا شخص گویا کہ مُردوں کے مشابہ ہے تارکِ دنیا ہونے میں۔ اور یہی شرح ہے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کی۔ ترجمہ: موت اختیار کرو قبل اس کے کہ موت آجاوے۔ پس اختیاری موت کا مفہوم یہی ہے جس کی تشریح اوپر ہوئی یعنی اپنے ارادے اور اختیار کو حق تعالیٰ کی مرضی کے تابع کردینا۔

فصل دوم

100۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا وَاُمِّيْ نُطَيِّنُ شَيْئًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَاعَبْدَ اللّٰهِ قُلْتُ شَيْءٌ نُّصْلِحُهٗ قَالَ الْاَمْرُ اَسْرَعُ مِنْ ذٰلِكَ

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابنِ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اس حال میں کہ میں اور میری ماں مٹی سے کچھ مرمت یا درستی کررہے تھے (یعنی دیوار یا چھت کی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے عبد اللہ! یہ کیا ہے؟ یعنی یہ کیا کررہے ہو؟ میں نے عرض کیا: ایک چیز ہے یعنی دیوار جس کو ہم درست کررہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت اس سے بھی جلد آنے والی ہے۔

تشریح: گھر کے خراب ہونے سے موت زیادہ قریب تر ہے، پس اصلاحِ عمل زیادہ ضروری ہے گھر کی اصلاح اور درستی سے۔ گھر سے دل لگانا بے کار ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ گھر کی یہ تعمیر

ضرورت کے لیے نہ رہی ہو گی بلکہ صرف زینت اور مضبوطی کے لیے ہو گی ورنہ ضرورت پر تعمیر مذموم نہیں۔

101۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُھْرِقُ الْمَاءَ فَیَتَیَمَّمُ بِالتُّرَابِ فَاَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الْمَاءَ مِنْکَ قَرِیْبٌ یَقُوْلُ مَایُدْرِیْنِیْ لَعَلِّیْ لَا اَبْلُغُہٗ

ترجمہ: حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی پیشاب کرتے اور مٹی سے تیمم فرمالیتے۔ میں عرض کرتا: یارسول اللہ! پانی قریب ہے۔ آپ فرماتے: کس چیز نے مجھ کو بتایا ہے (یعنی کیا خبر ہے) شاید اس پانی تک نہ پہنچ سکوں (یعنی پانی تک پہنچنے سے پہلے موت آجائے)۔

102۔ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ھٰذَا ابْنُ اٰدَمَ وَھٰذَا اَجَلُہٗ وَوَضَعَ یَدَہٗ عِنْدَ قَفَاہُ ثُمَّ بَسَطَ فَقَالَ وَثَمَّ اَمَلُہٗ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آدمی ہے اور یہ اس کی موت اور یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ گدّی کے قریب رکھا (یعنی موت اتنی قریب ہے) پھر ہاتھ کو پھیلایا (اور گدّی سے دور لے گئے) اور فرمایا: اس جگہ انسان کی آرزو ہے یعنی دور تر ہے (یعنی موت قریب ہے اور انسان کی آرزو دور دراز)۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ انسان کی موت قریب ہوتی ہے اور وہ دور دور کی اُمیدوں میں مشغول ہوتا ہے اور اس طرح عمل میں سستی اور تاخیر کرتا رہتا ہے کہ اچانک اسے موت آکر اعمال سے محروم کرکے دنیا سے لے جاتی ہے۔ پس اس نادانی سے ہوشیاری ضروری ہے۔

103۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَرَزَ عُوْدًا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاٰخَرَ اِلٰی جَنْبِہٖ واٰخَرَ اَبْعَدَ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَاھٰذَا قَالُوْا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ ھٰذَا الْاِنْسَانُ وَھٰذَا الْاَجَلُ اُرَاہُ قَالَ وَھٰذَا الْاَمَلُ فَیَتَعَاطَی الْاَمَلُ فَلَحِقَہُ الْاَجَلُ دُوْنَ الْاَمَلِ۔ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے ایک لکڑی زمین میں گاڑی پھر ایک لکڑی اس لکڑی کے پہلو میں اور ایک لکڑی ان سے بہت دور نصب کی اور پھر فرمایا: تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لکڑی (یعنی پہلی لکڑی) انسان ہے اور یہ لکڑی (دوسری جو اس کے پہلو میں ہے) موت ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ تیسری لکڑی کی نسبت میرا یہ خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اور یہ اُمید ہے، انسان اُمید اور آرزوؤں میں گرفتار رہتا ہے کہ موت آرزوؤں کے ختم ہونے سے پہلے آجاتی ہے۔

تشریح: پس اُمیدوں کے ساتھ پوری طرح عمل کی فکر و محنت بھی کرتا رہے تاکہ موت جب آوے تو عمل کی حسرت نہ رہے اور آخرت کا نقصان نہ ہو۔

104۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْمَارُ اُمَّتِیْ مَابَیْنَ السِّتِّیْنَ اِلٰی سَبْعِیْنَ وَاَقَلُّھُمْ مَنْ یَّجُوْزُ ذٰلِکَ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان میں ہیں اور بہت کم ہیں ایسے لوگ جن کی عمر اس سے زیادہ ہو۔ لہٰذا زیادہ زندگی کی اُمید سے عمل میں تاخیر نہ کرے۔

فصلِ سوم

105۔ وَعَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ صَلَاحِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الْیَقِیْنُ وَالزُّھْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِھَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ۔ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ

ترجمہ: حضرت عمرو ابن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اُمت کی پہلی نیکی یقین اور زہد ہے اور پہلا فساد بخل اور آرزو ہے۔

تشریح: یقین سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے رزاق ہونے پر یقین ہو جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا ترجمہ: اور نہیں ہے چلنے والا کوئی زمین پر مگر اس کی روزی حق تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اور یہ ذمہ بطور احسان و فضل کے ہے یعنی وجوبِ تفضّلی اور احسانی ہے نہ کہ وجوب قانونی اور ضابطہ۔ اور زہد کا مفہوم بے رغبت ہونا ہے دنیائے فانی سے، پس جب حق تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین ہو گا بخل نہ کرے گا اور جب دنیا سے بے رغبت ہو گا زیادہ آرزو میں مبتلا ہو کر اعمال سے غافل نہ ہو گا۔ اُصول کے لحاظ سے چار باتوں پر یقین پیدا ہو جاوے تو دین کامل عطا ہو:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی توحید پر یقین ہونا کہ بدون اس کے حکم کے کچھ نہیں ہوتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی رزق کی ضمانت پر یقین رکھنا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا اعمالِ نیک پر جزا اور اعمالِ بد پر سزا دینے کا یقین ہونا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کا تمام اعمال اور احوال پر مطلع ہونے کا یقین ہونا۔

اگر ان چاروں باتوں پر یقین ایسا حاصل ہو جو دل میں اتر جاوے تو انسان آخرت کے اعمال کے لیے فارغ ہو جاتا ہے اور غفلت اور سستی سے ہلاک نہیں ہوتا۔ یہ ارشاد شیخ عبد الوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس کو صاحب مظاہر حق نے نقل کیا ہے۔ اور شیخ امام ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے سالک کو دو باتیں حجاب میں رکھتی ہیں ایک رزق کی فکر، دوسرے خوف کرنا مخلوق سے۔

106۔ وَعَنْ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ قَالَ لَیْسَ الزُّھْدُ فِی الدُّنْیَا بِلُبْسِ الْغَلِیْظِ وَالْخَشِنِ وَاَکْلِ الْجَشَبِ اِنَّمَا الزُّھْدُ فِی الدُّنْیَاقَصْرُ الْاَمَلِ

ترجمہ: حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ دنیا میں زہد اس کا نام نہیں کہ موٹے اور سخت کپڑوں کو پہن لیا جائے اور بے مزہ کھانا کھالیا جائے بلکہ زہد حقیقت میں آرزوؤں کی کمی کا نام ہے۔

تشریح: پس زہد کا مفہوم قلب کا دنیا سے بے زار ہونا اور آخرت کی طرف راغب رہنا ہے یعنی دنیا اس کے پاس ہو لیکن دل میں نہ ہو وہ زاہد ہے، اور اگر دنیا پاس نہیں ہے مگر دل میں حرصِ دنیا گھسی ہوئی ہے تو یہ شخص زاہد نہیں۔ جس طرح کشتی کے نیچے پانی مضر نہیں بلکہ اس کی روانی کا ذریعہ ہے لیکن پانی کا کشتی کے اندر گھسنا اس کے ڈوبنے اور ہلاکت کا سبب ہے۔ اسی لیے فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ ترجمہ: مالِ صالح اچھا ہے مردِ صالح کے لیے۔ یعنی صالح آدمی کے پاس جو مال ہوتا ہے وہ صحیح مصرف میں استعمال ہونے سے وہ بھی صالح ہو جاتا ہے۔ پس بعض صوفیا نے اپنے نفس کو حقیر رکھنے کے لیے عوام جیسا لباس پہنا ہے اور بعض نے امیروں کا لباس پہنا ہے اپنا حال چھپانے کے لیے۔ لیکن اس لباس سے ان کو تفاخر نہیں ہوتا اور ضرورت پر وہ قیمتی کپڑے میں کمبل یا ٹاٹ کا پیوند بھی لگانے سے عار نہیں محسوس کرتے یعنی ان کی نظر میں کمخواب اور کمبل اور موٹے کپڑے برابر ہوتے ہیں۔

107۔وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ الْحُسَيْنِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ سَمِعْتُ مَالِكًا وَّسُئِلَ اَىُّ شَیْءٍ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا قَالَ طِيْبُ الْكَسْبِ وَقَصْرُ الْاَمَلِ

ترجمہ: حضرت زید بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: دنیا میں زہد کس چیز کا نام ہے؟ اس کے جواب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حلال کسب (روزی) اور اُمیدوں کی کمی۔

تشریح: کسب سے مراد کھانے پینے کی چیزیں، جو حلال ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو فرمایا كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا حلال طیب کھاؤ اور اچھا عمل کرو۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکیزہ اعمال کو پاکیزہ غذا سے خاص تعلق ہے اسی طرح حرام غذا سے حرام اعمال پیدا ہوتے ہیں۔ اور فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ

اے ایمان والو! حلال چیزیں ہم نے تم کو جو دی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔ اور آرزو کا مختصر ہونا اس وقت مفید ہے جب کہ موت کے خوف سے آخرت کی تیاری یعنی اعمالِ صالحہ میں لگا رہے، اسی طرح دنیا سے بے رغبتی (یعنی زہد) اس شرط سے مفید ہے کہ دنیا کی یہ بے رغبتی آخرت کی رغبت کا سبب بن جائے۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ کسبِ حلال کو زہد میں کیا دخل ہے جو روایتِ بالا میں مذکور ہے تو جواب یہ ہے کہ بہت سے نادان کم علم سمجھتے ہیں کہ ترکِ دنیا اور موٹے کپڑے پہننے اور سوکھی روٹی کھانے کا نام زہد ہے لہٰذا اس روایت سے اس عقیدے کی اصلاح مقصود ہے یعنی زہد کی حقیقت یہ ہے کہ حلال کھاوے اور بقدرِ ضرورت پر قناعت کرے اور آرزو کو مختصر رکھے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زہد اس کا نام نہیں کہ نعمتِ حلال کو اپنے اوپر حرام کرلے۔ یا اپنے مال کو ضائع کردے بلکہ زہد دنیا میں یہ ہے کہ جو کچھ اپنے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ اعتماد اس پر کرے جو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

باب اللہ کی اطاعت کے لیے مال اور عمر سے محبت رکھنے کا بیان

فصلِ اوّل

108۔ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ وَذُكِرَ حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ لَاحَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَيْنِ فِيْ بَابِ فَضَائِلِ الْقُرْاٰنِ

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ متقی غنی اور گوشہ نشین بندے کو پسند کرتا ہے۔

تشریح: متقی اس شخص کو کہتے ہیں جو ممنوع چیزوں سے بچے یا اپنا مال لہو ولعب میں نہ خرچ کرے، اور بعضوں نے کہا کہ متقی وہ جو حرام اور شبہات سے بچے اور پرہیز رکھے نفس کی بُری خواہشات سے اور مباحات سے۔ اور غنی سے مراد مال داری کے ساتھ تونگری ہے یا دل کا غنی ہونا ہے، اور دونوں باتوں کا جمع ہونا منافی نہیں کہ ظاہری مال داری کے ساتھ دل بھی غنی ہو اور حاصل یہ کہ مراد یہاں غنی شاکر ہے۔ بعضوں نے اس حدیث سے یہ دلیل پکڑی ہے کہ غنی شاکر افضل ہے فقیر صابر سے لیکن تحقیق یہی ہے کہ فقیر صابر افضل ہے غنی شاکر سے۔ اور خفی سے مراد یہ ہے کہ یا تو گوشہ نشین ہو، سب سے انقطاع ہو اور یکسو ہو کر اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہتا ہو، یا مراد یہ ہے کہ پوشیدہ طور پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔ اور اس حدیث سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ گوشہ نشینی افضل ہے اختلاط سے۔

فصلِ دوم

109۔ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ قَالَ فَاَيُّ النَّاسِ شَرٌّ قَالَ مَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَسَاءَ عَمَلُهٗ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارَمِيُّ

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! کون سا آدمی بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں، پھر پوچھا: اور کون سا آدمی بُرا ہے؟ فرمایا: جس کی عمر زیادہ ہو اور عمل بُرے ہوں۔

تشریح: اچھے عمل زیادہ ہونے سے زندگی اچھی اور بُرے عمل کے زیادہ ہونے سے زندگی بُری ہو جاتی ہے، اور اگر بھلائی اور بُرائی برابر برابر ہو تو ایک لحاظ سے وہ خیر ہے اور ایک لحاظ سے شر ہے اور یہ صورت نادر ہے۔

110۔وَعَن عُبَيْدِ ابْنِ خَالِدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰخٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقُتِلَ اَحَدُهُمَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتَ الْاٰخَرُ بَعْدَهٗ بِجُمُعَةٍ اَوْ نَحْوِهَا فَصَلَّوْا عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قُلْتُمْ قَالُوْا دَعَوْنَا اللّٰهَ اَنْ يَّغْفِرَلَهٗ وَيَرْحَمَهٗ وَيُلْحِقَهٗ

لِصَاحِبِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَيْنَ صَلٰوتُهٗ بَعْدَ صَلٰوتِهٖ وَعَمَلُهٗ بَعْدَ عَمَلِهٖ اَوْ قَالَ صِيَامُهٗ بَعْدَ صِيَامِهٖ لَمَا بَيْنَهُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

ترجمہ: حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان اُخوّت کرادی تھی (یعنی بھائی بھائی بنادیا تھا) ان میں سے ایک شخص اللہ کی راہ میں مارا گیا اس کے بعد دوسرا بھی ایک ہفتہ یا قریب ایک ہفتہ کے بعد (اپنے بستر پر) مر گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس شخص کے جنازے کی نماز پڑھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم نے نماز میں کیا پڑھا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم نے اس کے لیے دعا کی کہ اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرمائے اور اس کو اس کے ساتھی کے پاس پہنچادے (جو شہید ہوا ہے)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: اس کی وہ نماز کہاں گئی جو اس نے اپنے ساتھی کے شہید ہونے کے بعد پڑھی اور وہ عمل کہاں گیا جو اس نے اس کے بعد کیا، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے کہ اس کے وہ روزے کہاں گئے جو اس کے بعد اس نے رکھے ہیں۔ (یعنی جب تم نے شہید کے برابر مرتبے پر پہنچنے کی دعا اس کے لیے کی ہے تو اس کے ان اعمال کا ثواب کیا ہوا یعنی اس کا مرتبہ شہید سے زیادہ ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنّت کے اندر ان دو شخصوں کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ اس فاصلے سے زیادہ ہے جو زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔

تشریح: مراد یہ ہے کہ دوسرے شخص کا درجہ شہید سے زیادہ ہوا بوجہ اس کے اعمالِ صالحہ کے جو اس نے کیے اس کی شہادت کے بعد، لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ شہادت کا درجہ تو بہت زیادہ ہے اور اعمال سے خصوص جو جہاد کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ دوسرا شخص بھی مرابط تھا، یعنی جہاد کی سرحد پر نگہبانی کرتا تھا اور نیت شہادت کی رکھتا تھا پس اپنی نیت کے مطابق جزا دیا گیا۔

111۔وَعَنْ اَبِیْ كَبْشَةَ الْاَنْمَارِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ثَلٰثٌ اُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَاُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا فَاحْفَظُوْهُ فَاَمَّا الَّذِیْ اُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ فَاِنَّهٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِّنْ صَدَقَةٍ وَّلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَّظْلِمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا اِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا عِزًّا وَّلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ وَاَمَّا الَّذِیْ اُحَدِّثُكُمْ فَاحْفَظُوْهُ فَقَالَ اِنَّمَا الدُّنْيَا لِاَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَّعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِیْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَيَصِلُ رَحِمَهٗ وَيَعْمَلُ لِلّٰهِ فِيْهِ بِحَقِّهٖ فَهٰذَا بِاَفْضَلِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَّلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَاَجْرُهُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٍ رَّزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَّلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَتَخَبَّطُ فِیْ مَالِهٖ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَّا يَتَّقِیْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَلَا يَصِلُ رَحِمَهٗ وَلَا يَعْمَلُ فِيْهِ بِحَقٍّ فَهٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ لَّمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَّلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ نِيَّتُهٗ وَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ

ترجمہ: حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ حق ہیں اور تم سے میں ایک حدیث بیان کرتا ہوں تم اس کو محفوظ رکھو۔ وہ تین باتیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں یہ ہیں کہ بندے کا مال صدقہ اور خیرات کرنے سے کم نہیں ہوتا (یعنی صدقہ کرنا اگرچہ بظاہر صورت میں نقصان ہے لیکن چوں کہ دنیا میں موجبِ خیر و برکت اور آخرت میں حصولِ ثواب کا سبب ہے، اس لیے حکم میں زیادتی کے ہے نہ کہ نقصان کے) اور جس بندے پر ظلم وزیادتی کی جائے اور وہ اس پر صبر کرے اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو بڑھاتا ہے (یعنی اپنے نزدیک اس کو زیادہ معزز بنالیتا ہے جس طرح ظالم کو اپنے نزدیک ذلیل رکھتا ہے، یا مظلوم کی عزت انجام کار دنیا میں بڑھادیتا ہے جس طرح ظالم کو ظلم کے سبب ایک دن ذلت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور اکثر معاملہ برعکس کردیا جاتا ہے کہ ظالم کو مظلوم کے آگے ذلیل کردیا جاتا ہے) اور جس بندے نے سوال کا دروازہ کھولا (یعنی بغیر حاجت وضرورت محض زیادتیٔ مال کی غرض سے لوگوں سے مانگنا شروع کیا) اللہ تعالیٰ اس کے لیے فقر وافلاس کا دروازہ کھول دیتا ہے (کہ طرح طرح کی حاجتیں اس کو پیش آتی ہیں یا اس سے وہ نعمت چھین لیتا ہے جو اس کے پاس ہے جس سے وہ نہایت خرابی میں پڑ جاتا ہے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس حدیث کا میں نے ذکر کیا تھا اب اس کا بیان کرتا ہوں اس کو یاد رکھو۔ دنیا چار آدمیوں کے لیے ہے: ایک تو اس بندے کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال اور علم عطا فرمایا پس وہ مال کو خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے (اور حرام کاموں میں خرچ نہیں کرتا) اور رشتہ داروں سے سلوک کرتا ہے اور اس مال میں سے مال کے حق کے موافق اللہ کے لیے خرچ کرتا ہے (مثل زکوۃ اور کفارات اور ضیافت وصدقات)، اس شخص کا بڑا درجہ ہے اور دوسرا وہ بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا اور مال عطا نہیں فرمایا یہ بندہ علم کے سبب سچی نیت رکھتا ہے اور یہ آرزو کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں شخص کی طرح اس کو نیک کاموں میں خرچ کرتا اس کو بھی پہلے بندے کی مانند اجر ملے گا اور ثواب میں دونوں برابر ہوں گے۔ اور تیسرا بندہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور علم نہیں دیا پس علم نہ ہونے کے سبب وہ اپنے مال کو بُری طرح خرچ کرتا ہے، نہ تو خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، نہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرتا ہے، نہ اللہ تعالیٰ کا حق اپنے مال سے نکالتا ہے، نہ بندوں کا حق ادا کرتا ہے، یہ بندہ بدترین مرتبہ کا ہے۔ اور چوتھا بندہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی نہیں دیا اور علم بھی نہیں دیا وہ کہتا ہے اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں شخص کی طرح خرچ کرتا (یعنی بُرے کاموں میں) یہ بندہ اپنی نیت کے سبب مغلوب ہے اور اس کا گناہ تیسرے شخص کے گناہ کے مانند ہے۔

تشریح: یہاں نیت سے مراد عزمِ معصیت ہے۔ آدمی گناہ کے ارادے پر پکڑا جاتا ہے۔ اور عزم وارادہ سے یہاں مراد یہ ہے کہ اس کی طرف سے گناہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی مگر اس کو کوئی مجبوری پیش آئی جس سے گناہ پر قدرت نہ پاسکا اور اگر قدرت پاتا تو ضرور گناہ کرلیتا۔ پس زنا کا ارادہ کیا تو اس ارادے کا گناہ ملے گا البتہ زنا کے ارادے کا گناہ زنا کے برابر نہیں ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ گناہ کا اگر صرف وسوسہ شیطان ڈالے تو اس کو ہاجس کہتے ہیں اس درجہ میں عمل کا ارادہ نہیں ہوتا۔ اسی سبب سے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ اس کے بعد درجہ ہم کا ہے یعنی

قصد اور نیت کرنا کسی عمل کا پس خیر اور اچھے عمل کی نیت پر بھی کامل عمل کا ثواب ملتا ہے اور بُرے عمل کی نیت پر معین لکھا جاتا ہے اور اس کے بعد درجہ عزم کا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اس پر مواخذہ ہو گا۔

112۔ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اِذَا اَرَادَ بِعَبْدٍ خَیْرًا اِسْتَعْمَلَہٗ فَقِیْلَ وَکَیْفَ یَسْتَعْمِلُہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ یُوَفِّقُہٗ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے بھلائی کے کام کراتا ہے۔ پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ بھلائی کے کام کیوں کر کراتا ہے یارسول اللہ؟ فرمایا: موت سے پہلے اس کو عمل نیک کی توفیق مرحمت فرماتا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے زندگی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ اس میں زیادہ نیک کام کر سکتا ہے۔

113۔وَعَنْ شَدَّادِ ابْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوٰھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ

ترجمہ: حضرت شدّاد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عاقل ومحتاط شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو ذلیل اور فرماں بردار کرے اللہ تعالیٰ کے امر کا اور عمل کرے مابعد موت کے لیے، اور احمق ونادان وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کا غلام ہو اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کا آرزومند ہو۔

تشریح: یعنی بُرے اعمال کے ساتھ حق تعالیٰ سے یہ نیک اُمید رکھتا ہے کہ میرا رب کریم اور غفور ہے اور بُرائی کو ترک نہیں کرتا، یہ سخت دھوکا ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ تحقیق کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کاروں اور صالحین کے قریب ہے۔ اور ارشاد ہے: اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنَّ عَذَابِیْ ھُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ میں غفور ورحیم ہوں اور بلا شبہ میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے۔ حاصل یہ کہ نیک عمل کرکے اُمیدوار رہے اور قبولیت کی دعا کرتا رہے اور ڈرتا رہے اس کے عذاب سے۔ علما ومشائخ فرماتے ہیں کہ گناہ پر دلیر رہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سہارے پر، یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ صفتِ رزاقیت پر اعتماد کرکے کیا کوئی گھر بیٹھتا ہے کہ روزی اس کے منہ میں آوے گی؟ وہاں تو رات دن دوڑے دوڑے پھرتے ہیں اور صفتِ غفوریت پر اتنا یقین کہ اعمالِ صالحہ چھوڑ کر گناہوں پر دلیر ہیں! یہ محض حماقت اور دھوکا نہیں تو کیا ہے؟ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدون عمل کے جنّت کو طلب کرنا گناہوں میں سے ایک گناہ ہے اور اُمیدِ شفاعت رکھنا بے سبب وبے علاقہ ایک قسم ہے فریب کی اور رحمت کی اُمید رکھنا بغیر عمل واطاعت، جہالت وحماقت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدون نیک اعمال کے آرزو اور اُمیدیں رکھنا یہ احمقوں کی وادی ہے، ایسی باطل اُمیدوں سے شیطان نے ان لوگوں کو بے وقوف اور بے عمل بنا رکھا ہے۔ بعض نے کہا دَانَ نَفْسَہٗ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اعمال کا محاسبہ روز کرے۔ اگر اچھے اعمال ہوں تو شکر کرے، بُرے اعمال ہوں تو توبہ کرے اور تلافی کرے، قبل اس کے کہ قیامت کے دن حساب ہو۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: امیر المومنین کی ہدایات

تفسیر منیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں اللہ نے جنگ کی حکمت بیان کی ہے، دنیا میں جنگ اس وقت سے شروع ہوئی ہے، جب حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا، جنگ اگر ایک طرف انسانی زندگی کے لیے ضرر رساں اور خطرات سے پُر ہے، تو دوسری طرف پھر یہ جنگ خیر اور خیر خواہی سے بھی خالی نہیں، اگر مفسدین اور باغیوں سے دفاع مصلحین اور عادل لوگوں کے ذریعے نہ ہوتا اور بعض بعض پر لڑائی میں غالب نہ آجاتے، تو زمین فساد سے بھر جاتی، ہر طرف ظلم کا بازار گرم ہوتا، عبادت گاہیں مسمار ہوتیں، لیکن اللہ تعالیٰ تمام انسانیت پر مہربان ہے، ظالم پر اس لیے کسی کو مسلط کیا، تاکہ اس ظالم کو ہلاک کردے اور اہل باطل کو حق کے لشکروں کے ذریعے شکست دے، جب بھی کوئی ظالم سر اُٹھائے، تو اللہ تعالیٰ مناسب وقت میں اس کی سرکوبی کے لیے کسی کو بھیج دیتا ہے، تاکہ لوگوں کو اس کے ظلم سے نجات دے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی غیبی نصرت کرتا ہے اور مشکل کی گھڑی میں اپنے پیروکاروں کی تائید کرتا ہے۔

و ما علینا الا البلاغ!

جہاد فی سبیل اللہ کے اہداف

اپنے عقیدے کی حفاظت:

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہادی مقاصد میں سے ایک حقیقی عقیدے کی حفاظت ہے جو انسان کو دنیاو آخرت کی ذلت سے آزادی دلائے اور دوسرا اس زمین پر اللہ کے دین کا نفاذ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ○(سورۃ البقرہ:۱۹۳)

اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں، کہ ابن عباس، قتادہ، سدی، الربیع اور باقی علما کے نزدیک فتنے سے مراد شرک وبت پرستی یا مسلمانوں کو ایذا دینا۔

المراغی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس سے مراد یہ کہ ان کے ساتھ اس وقت تک لڑو یہاں تک کہ ان کا زور و قوت باقی نہ رہے جس کے ذریعے وہ تمہیں فتنے میں ڈالیں اور تمہیں دین کے راستے میں اذیتیں دیں اور اپنے دین کی طرف دعوت دینے سے تمہیں روکیں۔ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ یعنی ہر کسی کا دین صرف اور صرف اللہ کے لیے ہو جائے، نہ کسی کا ڈر اور نہ خوف ہو، نہ ہی کوئی تمہیں اپنے دین سے ہٹائے، اور نہ ہی دین کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہو اور نہ ہی اپنے دین کو چھپانا پڑے۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو کہ) تشدد سوائے ظالموں کے کسی پر نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی جب یہ لوگ ایمان لے آئے اور ان افعال سے اپنے آپ کو بچائیں جو ماضی میں کر رہے تھے تو اس کے بعد ان پر تجاوز نہ کرو کیونکہ عقوبت و عذاب ظالموں کے لیے ہے، تاکہ ان کو ان کے کیے ہوئے افعال سے باز رکھا جائے۔

اسی طرح سورۃ انفال میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ○(سورۃ الانفال:۳۹)

اور (مسلمانو) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔ پھر اگر یہ باز آجائیں تو ان کے اعمال کو اللہ کو خوب دیکھ رہا ہے۔

المنیر میں آتا ہے کہ اسلام میں جنگ لڑنا، لوگوں کے ساتھ عداوت، ان کو جان سے مارنے اور خون بہانے کے لیے نہیں، بلکہ اپنے جان، مال، زمین اور دین کے دفاع کی خاطر جائز قرار دیا گیا ہے اور ان میں بھی سب سے بڑا ہدف لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی آزادی، اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی، غلبۂ دین، شریعت اور اہل دین اور داعیوں کا دفاع ہے۔

شعائرِ اسلام اور عبادات کی حفاظت:

دوسرا مقصدِ جہاد شعائرِ اسلام اور عبادات کی حفاظت ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ○(سورۃ الحج:۴۰)

اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جاتیں اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔

نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر جہاد کے ذریعے مسلمان کفار پر غالب نہ آجاتے تو کفار مختلف ادوار میں باقی مذاہب کے پیروکاروں پر مسلط ہو جاتے اور ان کے عبادت خانوں کو مسمار کرتے، پھر نہ نصاریٰ کے کلیسا باقی رہتے اور نہ ہی مسلمانوں کی مساجد۔

زمین سے فساد کا خاتمہ:

تیسرا مقصدِ جہاد زمین سے فساد (فتنے) کا خاتمہ کرنا؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ○(سورۃ البقرہ:۲۵۱)

اگر اللہ لوگوں کا ایک دوسرے کے ذریعے دفاع نہ کرے تو زمین میں فساد پھیل جائے، لیکن اللہ تمام جہانوں پر بڑا افضل فرمانے والا ہے۔

المراغیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر اللہ اپنے نیک و صالح بندوں کے ذریعے دین سے باغی، ظالم، اہل شر اور گناہ گاروں کو نہ روکتے تو ظالم غالب آجاتے، زمین پر ان کی بادشاہت ہوتی اور اللہ کے نیک بندوں پر مسلط ہو جاتے، تو یہ اللہ کا اپنے نیک بندوں پر رحم ہے جس نے اپنے صالح اور مصلح بندوں کو ظالموں اور مفسدوں کے خلاف جہاد کرنے کی اجازت دی، اہل باطل کو اہل حق کے ذریعے شکست دی اور جب تک یہ اللہ کے دین کی نصرت کریں گے اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرے گا۔

(باقی صفحہ نمبر 16 پر)

باب ہفتم: جہادِ افغانستان کی مثالیں

آج افغانیوں کی بہادری، شجاعت اور ہمت کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جنہیں گزشتہ پانچ صدیوں کا گرد و غبار دھندلا نہیں سکا ہے۔ بہادری اور حوصلے کے میدان میں قربانیوں کی جو مثالیں پوری افغان قوم نے پیش کی ہیں، اُن کو پوری ملت اسلامیہ کی آخری زمانے تک کی قربانیاں کسی طور نہیں پہنچ سکتیں۔ میں نے اُن کے صبر جیسا صبر نہیں دیکھا۔ میں نے اُن سے زیادہ پر وقار اور خود دار نہیں دیکھا۔ میں نے ایسے مومن اور خود دار لوگ کبھی نہیں دیکھے جو اللہ رب السماوات والارض کے علاوہ کسی کے سامنے سر نہ جھکاتے ہوں۔ انہیں کھانے کی روٹی میسر نہیں لیکن اس کے باوجود وہ نکاح کے خواہش مند عرب مجاہدین کو، جو مالی لحاظ سے نسبتاً مستحکم ہوتے ہیں، اپنی بیٹیاں دینے سے عار کھاتے ہیں۔ انہیں یہ خوف ہے کہ کل اہل قبیلہ انہیں الزام دیں گے کہ انہوں نے عسرت کے ایام میں اپنی بیٹیاں عربوں کو دے دیں۔ اُن کے مکان ڈھے گئے اور اُن کی عورتیں بیوہ ہو گئیں لیکن ان کی خودداری نہ گئی۔ پچھلے ہفتے قندھار کی ایک بڑھیا کے بارے میں مجھے بتایا گیا کہ وہ مجاہدین کے پاس آئی اور کہا:

”میرا بیٹا حکومت کے ساتھ مل کر تم لوگوں کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ وہ تمہارے ٹھکانوں اور چھاؤنیوں کا پتہ حکومت کو بتانے کے لیے قندھار گیا ہے۔ دوڑو! اس کو رستے میں پکڑ لو!“

مجاہدین نے یہ خبر پا کر اس کا تعاقب کیا اور اسے رستے ہی میں جا لیا۔ پھر اسے پکڑ کر لائے اور اُس کی ماں کے سامنے پیش کیا۔

ماں کا دل اپنے جگر گوشے کو سامنے دیکھ کر جبلی طور پر بھر آیا۔ مجاہدین نے اس سے پوچھا:

”یہ تمہارا بیٹا ہے، اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟“

کہا: ”اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر میرے سامنے ڈال دو اور مجھے ایک تیز چھری دے دو!“

مجاہدین نے چھری پیش کر دی...... چھری!

چھری لے کر اس بڑھیا نے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا: ”تمہیں یاد ہے جس روز تم نے میرے سامنے رسول اللہ ﷺ کو بُرا بھلا کہا، دیکھو! آج میں تم سے رسول اللہ ﷺ کا انتقام لوں گی......“ اور اس کے ساتھ ہی اس ماں نے...... اپنے بیٹے کو...... اپنے سگے بیٹے کو...... ذبح کر دیا۔ میں نے پوری تاریخ میں کبھی نہیں سنا کہ کسی عورت نے اپنے نظریے کے لیے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا ہو۔

ہم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ تو سنا ہے کہ اُن میں سے بعض نے اپنے باپوں کو قتل کیا لیکن ایک عورت نے اپنے بیٹے کو قتل کیا بلکہ چھری سے باقاعدہ ذبح کیا...... یہ میں نے افغانستان کے علاوہ کہیں نہیں سنا۔

صوبہ میدان (وردک) میں عید الاضحیٰ کے دنوں میں روس نے ایک بڑا حملہ کیا۔ ان دنوں روس ہر طرف بڑے بڑے حملے کر کے اپنے نکلنے کا راستہ بنانے کے چکر میں تھا اور بچے کھچے افغانیوں کو انتقام کی آگ میں جھونکتے چلے جا رہا تھا۔ وہ کھیتوں اور کھلیانوں کو بے دریغ نذر آتش کیے چلے جا رہا تھا۔ روسی فوجی دستے جہاں سے گزرتے عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی لاشیں پیچھے چھوڑ جاتے۔ کچھ عرصہ قبل ایک تباہ شدہ افغانی گاؤں سے تیس عورتیں ہجرت کر کے یہاں پہنچیں یہ تیس عورتیں پورے گاؤں میں بچنے والی ”کل متاع“ تھیں۔

لوگر میں تینتالیس بوڑھوں، علما، عورتوں اور بچوں کو ذبح کر کے اُن پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔ آگ اور خون کا یہ کھیل عید سے چند روز قبل کھیلا گیا۔ اس خونی ڈرامے کا گواہ ایک بارہ سالہ بچہ ہے جو چارپائی کے نیچے چھپ گیا تھا، وہ کہتا ہے:

”روسی گاؤں میں داخل ہوئے اور گھر گھر کی تلاشی لینے لگے۔ تلاشی کے دوران انہیں ایک مصحف ہاتھ لگ گیا۔ روسی نے اہانت آمیز انداز میں اس کو اٹھا کر دور پھینک دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر میں تیر کی سی تیزی سے چارپائی کے نیچے سے نکلا اور مصحف کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور زور دار آواز میں بولا: 'یہ ہمارے رب کی کتاب ہے۔ یہ میری عزت ہے، یہ میرا وقار ہے۔ یہ میرا شعار ہے'۔“

روسی نے کہا: ”اسے پھینک دو!“

میں نے کہا: ”اگر تم میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دو تو بھی میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔“

اپنے دین کے لیے اتنی Commitment (وابستگی) دیکھ کر اس روسی نے اس بچے کی عظمت کو سلام کیا اور گھر کے ہر شخص کو قتل کرنے کے بعد اسے زندہ چھوڑ گئے۔

لیکن آج ہماری صورت حال کیا ہے؟ ہم محض ”سلبیات (منفی پہلوؤں)“ کو لے کر بیٹھے رہتے ہیں، برائیاں ہی گنواتے رہتے ہیں اور مکارم، عظمتیں اور کرامات جیسے موضوعات ہماری گفتگو سے نکل کر کسی طاق نسیاں میں جا سوئے ہیں۔

آج ہم صرف پشاور میں گروپوں کے اختلافات پر بات کرتے ہیں۔

ہم فلاں اور فلاں کی مخالفتوں کی بات کرتے ہیں۔

فلاں کو یہ مل گیا۔

فلاں نے یہ جھوٹ بول دیا۔

میں کہتا ہوں...... میدان میں آیئے۔

مجاہدین کے کارنامے ملاحظہ فرمایئے اور اس کے بعد فیصلہ کیجیے۔

کیا آپ اُن کی طرح کی زندگی ایک ماہ بھی گزار سکتے ہیں۔

کیا آپ اُن کا سازوبوجھ ہفتہ دس دن بھی سہار سکتے ہیں۔

نہیں... کبھی نہیں...... اور ہر گز نہیں۔

کتنے گھرانے ہیں جن میں محض ایک بچے کے علاوہ کوئی نہیں بچا۔

بچہ...... جس کی ماں ماری گئی ہو۔

باپ شہید ہو گیا ہو۔

بہن پکڑی گئی ہو...... یا ذبح کر دی گئی ہو......

اور باقی لوگ ملبے اور مٹی کے ڈھیر تلے دب گئے ہوں۔

یہ خبریں عالم اسلام میں کون پہنچا رہا ہے؟...... کوئی بھی نہیں۔

جو خبریں باہر نکل رہی ہیں، وہ پشاور میں دو تین افغانیوں کے ''اختلافات'' ہیں۔ بُری خبریں نکل رہی ہیں اور یہ روشن صفحات جن سے ''تاریخ جدید'' مرتب کی جاسکتی ہے، ایسے ہی ضائع ہو رہے ہیں۔

نکتۂ اتفاق

میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اگر آپ اس جہاد میں، جو ہم پر بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح ہر مسلمان پر فرض ہے، افغانیوں کا ساتھ دیں۔ بلکہ زمین پر موجود ہر مسلمان کے لیے فرض عین ہے کہ وہ بندوق کندھے پر ڈال کر میدان میں نکل آئے اور زمین کے اوپر فرعون اور قارون اور ہامانِ وقت کا مقابلہ کرے۔

اگر آپ یہاں جہاد نہ کر سکیں تو وہاں کریں۔

اس جنگ میں شریک نہ ہو سکیں تو اُس جنگ میں شریک ہوں۔

اس جنگ سے پہلو تہی کے لیے...... کسی کے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔

اور بقول ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ''...... اللہ کے ہاں کسی کا کوئی عذر قبول نہیں ہے۔''

اگر آپ جہاد کی خدمت کرنے کے خواہش مند ہیں تو میری یہ گزارش کان کھول کر سن لیں کہ اپنے عربی اور عجمی اختلافات کو میدان جہاد میں منتقل نہ کریں۔

میدان میں پہلے ہی بہت سی مشکلات، مصائب اور رکاوٹیں موجود ہیں۔

یہ زمین...... آپ کی زمین نہیں ہے۔

یہ معاشرہ...... آپ کا معاشرہ نہیں ہے۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ سب لوگ دلی طور پر جہاد افغانستان (اور جہاد جہاں کہیں بھی ہو) سے محبت کرتے ہیں۔

آیئے یہ نعرہ لگائیں اور اس پر جمع ہو جائیں کہ ''ہم سب مل کر جہاد کی خدمت کریں گے۔''

اور یہ ہمارے چھوٹے چھوٹے اختلافات، فقہی اور فروعی اختلافات یا اعمال اور طور طریقوں کا اختلاف!

اِن کو اِس میدان عمل میں بھلا دیں گے۔

نماز میں شہادت کی انگلی اٹھانی ہے یا نہیں اٹھانی، ہلانی ہے یا نہیں ہلانی۔

رفع یدین کرنا ہے یا نہیں کرنا۔

آمین زور سے کہنی ہے یا آہستہ کہنی ہے۔

مسلمانوں رہنماؤں میں سے فلاں لیڈر اچھا ہے یا نہیں اچھا۔

فلاں شخص عالم عرب میں کوئی اہمیت رکھتا ہے یا نہیں رکھتا۔

یہ سب کچھ اب چھوڑ دیجیے، ایک طرف ڈال دیجیے۔

میدان عمل کی مشکلات کی طرف دھیان دیجیے۔ آپ کی توجہ کے لیے یہ ہی بہت ہیں۔

آیئے مل جل کر باہم اتفاق سے ایک اجتماعی پروگرام پر عمل کریں۔

ہم میں سے کم از کم اس بات پر تو ہر ایک کا اتفاق ہے کہ وہ جہاد کی خدمت کے لیے یہاں آیا ہے۔

آیئے اپنے اختلافات کو بیچ میں لائے بغیر تعاون کی راہ چلیں۔

دوسروں کے بارے میں وسوسے نہ کیجیے۔

شک وشبہہ میں نہ پڑیے۔

اشارے نہ کیجیے۔

کھسر پھسر نہ کیجیے۔ اور سرگوشیاں ختم کر دیجیے۔

إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا (سورۃ المجادلہ: ۱۰)

''کیونکہ سرگوشیاں شیطانی عمل ہے مسلمانوں کو دکھ دینے کے لیے۔''

میدان جہاد میں پہنچنے والا ہر شخص...... اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر سو فیصد نہیں تو کم از کم ننانوے فیصد لوگ...... یہاں جہاد کے لیے آئے ہیں۔

وہ اچھی نیتیں لے کر...... جہاد کی غرض سے آئے ہیں اور ابھی بہت سے لوگ رستے کی مشکلات کی وجہ سے یہاں نہیں پہنچ سکے۔

اُن کے سامنے وسیع دنیا پڑی تھی۔

وہ اپنے شہر میں مزے سے، عزت اور احترام سے رہ رہے تھے۔ ہر شخص اپنے کام یا تعلیم میں مشغول تھا۔

اُس نے یہ سب کچھ چھوڑا اور جہاد کی خدمت کے لیے یہاں آگیا۔

ظاہر ہے...... اس شخص کو میں کیوں نہ سر آنکھوں پر بٹھاؤں! میں یقیناً اپنے اس بھائی کے بارے میں فضول بکواس کو نظر انداز کر دوں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے دین کی خاطر قربانیاں دینے والوں کا گروہ کس طرح تیار کیا تھا؟ اسی طرح نیکی اور بدی کے پیمانے کو بروئے کار لا کر...... جب ابن ابی بلتعہ کی غلطی پر عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وما يدريک يا عمر انه شهد بدرا ولعل الله قد اطلع على اهل بدر فقال: اصنعوا ما شئتم فانی قد غفرت لكم.

"اے عمرؓ! تمہیں کیا معلوم، یہ وہ ہے جس نے بدر میں شرکت کی۔ شاید اللہ اہل بدر کے حالوں کو جانتا ہو کہ اُس نے اُن کے بارے میں فرمایا: 'تم جو کچھ مرضی کرو، میں نے تم لوگوں کو بخش دیا'۔"

عمر رضی اللہ عنہ غصے میں اونچی آواز میں فرما رہے تھے: "مجھے اجازت دیجیے۔ میں اس منافق کی گردن مارتا ہوں۔"

فرمایا: "تمہیں علم نہیں...... یہ جنگ بدر میں حصہ لے چکے ہیں۔"

نبی رحمت ﷺ نے عمرؓ کے غصے کو کم کرنے کے لیے...... اس صحابی کا بہترین عمل بیان فرمایا جس کے نتیجہ میں عمرؓ اور باقی صحابہؓ کے دل میں اس صحابی کے لیے وہی احترام پھر لوٹ آیا۔

ابو داؤد کی روایت میں آپ نے فرمایا:

"میرے سامنے کسی صحابی کا برے انداز میں تذکرہ نہ کیا کرو اور میں چاہتا ہوں کہ جب میں اُن سے ملنے نکلوں تو ہر ایک کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو۔"

اختلاف تو صحابہ میں بھی پیدا ہوا...... اُن میں ہر ایک کوئی نہ کوئی مختلف سنت پکڑے ہوئے تھا، ہر ایک کے پاس قرآن کی کوئی نہ کوئی روایت موجود تھی۔ اُس کے کسی نہ کسی حرف کا مختلف معنی اور مراد تھی...... لیکن اس سب کچھ کے باوجود یہ سب لوگ "معرکۂ یرموک" میں باہم سیسہ پلائی دیوار تھے۔

وہ اِن میدانوں کو فتح کرتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے ساتھ تھے جن میں آج ہم بیٹھے ہوئے ہیں......

ان فتوحات میں اصحابِ حذیفہؓ بھی تھے، اہل شام اور اوزاعی بھی تھے۔ اہل کوفہ اور بصرہ بھی تھے۔ ان میں سے ہر گروہ قرآن کی مختلف قرأت کرتا تھا، اُن کے مختلف امام تھے، مختلف سنتیں تھیں...... لیکن اس سب کچھ کے باوجود...... "وہ ایک تھے۔"

ایک لشکر!

ایک قیادت!

وہ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر لڑنے کے لیے ایک ہو گئے۔

آیئے ہم بھی یہی نعرہ لگائیں کہ

ہم خدمت جہاد کی خاطر کھڑے ہوئے
ہم تیر کے تلوار کے نیچے بڑے ہوئے

یہ کیا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص ہفتہ دو ہفتہ پشاور میں رہ کر "سیاسی مبصر" بن جاتا ہے اور مختلف امور پر فتوے دینے والا عالم بن جاتا ہے۔

وہ اِس کے بارے میں یہ فتویٰ دیتا ہے اور اُس کے بارے میں اِس فتوے کو مسترد کر دیتا ہے۔ اس چیز سے بچنے لگتا ہے...... اور اُس چیز پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔

حالانکہ ابھی اُس نے اللہ کے راستے میں...... ایک تیر...... ایک تلوار...... ایک گولی تک تو چلائی نہیں۔ اُسے یہ نہیں پتہ کہ یہ جو صورت حال آج اُس کے سامنے ہے، یہ یونہی اچانک نہیں بن گئی۔ اس کے پیچھے ایک پوری دہائی...... آنسوؤں کے دریا اور خون کے سمندر لگے ہیں۔

آیئے نعرہ لگائیں: "ہم خدمت جہاد کریں گے شبانہ روز۔"

بلکہ آیئے ایک اور نعرہ لگائیں اور یہ نعرہ یہ ہو: "ہم اختلاف بھلا کر گھروں سے نکلے ہیں۔"

ہم نظریے کے سلسلے میں تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ فروعات اور فقہیّات کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص...... اور اگر ہر ہر شخص نہیں تو اکثر لوگ اس دین کی خدمت کے لیے آئے ہیں اور اللہ کے رستے میں مہاجر ہیں اور فرمایا جل شانہ نے:

وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ (سورۃ النساء:۱۰۰)

"جو اللہ اور رسول کی خاطر اپنے گھر سے ہجرت کرنے نکلے اور رستے میں اسے موت آلے تو اُس کا اجر اللہ جل شانہ پر ہے۔"

حتیٰ کہ اگر معرکہ ختم نہ ہوا ہو تب بھی...... بس آپ ایک دفعہ گھر سے ہجرت کر کے نکل پڑے اور پھر پشاور پہنچتے پہنچتے رستے کے مصائب کا شکار ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پس آپ کا اجر اللہ پر لازم ہو گیا۔

اب آپ کو "مردہ" ہونے کے باوجود جہاد کا اجر ملتا رہے گا۔

اب آپ خود بتایئے...... یہ صورت زیادہ بہتر ہے یا یہ کہ آپ لوگوں کی غیبتیں کرتے پھریں اور لوگوں کے زہریلے گوشت کھاتے پھریں!

ابن عساکر کہتے ہیں:

"ان لحوم العلماء والناس مسمومة وعادة الله فى هتك استار من اكلها معلومة ومن اطلق لسانه على المسلمين بالثلب اصابه الله قبل الموت بموت القلب."

"علما کے اور لوگوں کے گوشت زہریلے ہوتے ہیں اور اللہ کا قانون عیبوں پر پڑے ہوئے پردے کو اٹھانے والے کے بارے میں بڑا واضح ہے۔ جو مسلمانوں کے بارے میں دریدہ دہنی کرے گا اللہ اُسے مرنے سے پہلے 'موت قلب' کے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔"

اللہ سے اس حال میں نہ ملیے...... کہ آپ کی زبان لوگوں کا چوسا ہوا خون اگل رہی ہو۔ اللہ سے اِس حال میں نہ ملیے کہ اپنے ہی بھائیوں کا گوشت آپ کی داڑھوں میں دبا ہو۔ آثار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت آئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"واللہ انی لاری لحمه بين ثنايا كما ."

"قسم خدا کی...... میں اُس کا گوشت آپ لوگوں کی کنچلیوں کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔"

عرض کیا گیا: "جناب والا! یہ تو...... غلام تھا۔"

فرمایا: "تم لوگوں نے اپنے ساتھی کے گوشت کے ساتھ زیادتی کی اور میں اُس کا گوشت تمہاری کنچلیوں میں دبا دیکھ رہا ہوں۔"

یعنی پہلا نعرہ یہ طے ہوا کہ ہم اپنے اختلافات بھلا دیں گے۔ اپنی گروہ بندیوں کو پروان نہ چڑھائیں گے اور اس طرح افغانیوں کی مشکلات میں اضافہ نہ کریں گے۔

دوم یہ کہ ہم خدمتِ جہاد کے سلسلے میں تعاون کریں گے اور ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے میدان میں اپنا اپنا کام کرتا رہے گا۔ ہر شخص اپنی تیاری خود کرے گا۔

سوم کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی خواہش ہے اور ہم برائیوں کے کیچڑ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔

ہم جہاد کے "ایجابی (مثبت) پہلو" بیرونی دنیا کو منتقل کرنے کا عزم کرتے ہیں۔ ہم عالم اسلام کو جہاد کی خبریں دیں گے۔ جہاد کی خبریں جو سینہ کھولتی ہیں اور دلوں میں امید کے بیج بوتی ہیں اور یہ "ایجابیات" کتنی ہیں...... مثبت نکات کتنے زیادہ ہیں اور "سلبیات" کتنی کم ہیں۔

مسلمانوں کے عیوب گننے کی کوشش نہ کیجیے۔

فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے:

"يا معشر من آمن بلسانه ولم يفض الايمان الى قلبه لا تغتابوا المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم، فمن تتبع عورة اخيه المسلم تتبع الله عورته ومن تتبع الله عورته فضحه ولو فى جوف بيته ."

"اے لوگو! جو اپنی زبانوں سے ایمان لائے ہو، اور اے لوگو! جن کے دلوں میں ابھی ایمان کی حرارت نہیں پہنچی، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو، اُن کے عیب نہ تلاشو۔ جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی کے عیب کی جستجو کی اللہ اُس کے عیبوں کے پیچھے پڑ جائے گا۔ اور جس کے عیبوں کے پیچھے اللہ پڑ جائے وہ بدنام ہو جاتا ہے، خواہ وہ اپنے گھر میں ہی (منہ چھپا کر) کیوں نہ بیٹھا رہے۔"

خبردار! اللہ کو اپنے خلاف کارروائی پر مجبور نہ کیجیے۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ آپ کے عیبوں کے پیچھے پڑ جائے اور انہیں طشت از بام کر کے آپ کو گھر میں بیٹھے بیٹھے بدنام کر دے۔

گویا کہ اب ہم تین نکات پر متفق ہو گئے ہیں۔

پہلا: اپنے مسلکی اختلافات بھلانا اور میدان جہاد کی مشکلات میں اضافہ نہ کرنا۔

دوم: یہ عزم کہ ہم سب جہاد کے لیے آئے ہیں اور اس سلسلے میں بھرپور تعاون کریں گے۔

سوم: یہ عزم کہ جہاد کے مثبت نکات کو پھیلائیں گے اور عیوب اور برائیوں پر خاموش رہیں گے۔[1] اللہ کے راستے سے کسی کو نہ روکیے (اور نہ روکنے کا سبب بنیے) اکثر لوگ اپنی خواہشات کی وجہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔

فرمایا:

"وان الكلمة لتخرج من فم الرجل لا يلقى لها بالا فيهوى بها فى النار."

"انسان کے منہ سے (بعض اوقات) ایک ایسا جملہ نکل جاتا ہے جو منہ سے نکلتے ہی اپنے کہنے والے کو سیدھا جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔"

کتنے نوجوان ہیں جو جہاد کے لیے بہترین جذبات لے کر میدان میں آئے لیکن پھر آپ لوگوں کی باتیں سن سن کر اللہ کے رستے سے رک گئے۔ کتنے نوجوان ہیں جو جوش و جذبے کے ساتھ اِس زمین تک پہنچے اور آپ نے اُن کے دلوں میں برائیاں بو کر انہیں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ یہ بری باتیں ہیں جنہیں آپ نے جمع اور محفوظ کیے رکھا جنہیں آپ بھلا نہ سکے۔

وہ آپ کے اس عمل سے مایوس ہو کر چلے گئے۔

آپ کا خیال ہے، آپ بڑا نیک کام کر رہے ہیں؟

جی نہیں! آپ اللہ کے رستے سے روک رہے ہیں، گمراہ کر رہے ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے...... بغیر جانے بوجھے، کوئی مفید کام کیجیے:

واذا اراد الله بقول خيرا الهمهم العمل

"جب اللہ کسی قوم کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اُس میں "عمل" کا خیال ڈال دیتا ہے۔"

وما ضل قوم بعد هدى كانوا عليه الا اوتوا الجدل

"اور جب کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہی کے رستے پر لڑھکنے لگتی ہے تو اس میں "بحث و جدال" کی عادت پیدا کر دی جاتی ہے۔"

اللہ ہم سب کی مغفرت کرے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

---

[1] فضیلۃ الشیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ کا مطمح یہاں ہرگز یہ نہیں ہے کہ اگر خدانخواستہ صفوفِ جہاد کے اندر کوئی فساد یا ایسا منکر پھیل رہا ہو جو اسلام و جہاد کے لیے قاتل ہو تو اس پر بھی خاموش رہا جائے، بلکہ شیخ کا مقصود یہ ہے کہ ان خامیوں سے صرفِ نظر کیا جائے جو انفرادی سطح پر موجود ہوں یا یہ خفیہ ہوں۔ لیکن خدانخواستہ اگر صفوفِ جہاد میں ناحق قتل، فرقہ بندی، تعصبات وغیرہ جیسے امراض در آئیں تو ایسی صورتِ حال کے لیے 'نہی عن المنکر' بجائے خود فرضِ عین ہو جاتا ہے اور اس بات کا ذکر خود شیخ کے پہلے گزرے خطبات اور دیگر کئی تصنیفات میں موجود ہے۔

پھر 'نہی عن المنکر' بھی اس طریق پر جس کی نشاندہی فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے 'توجیهات للعمل الجهادی' میں بیان فرمائی ہیں کہ 'خفیہ برائی پر خفیہ نصیحت اور اعلانیہ خطا پر اعلانیہ نصیحت'، واللہ اعلم! (ادارہ)

علاماتِ قیامت 5

امام مہدی اور غلبۂ اسلام

مولانا مسعود کوثر

قیامت سے پہلے کچھ حالات و معاملات ایسے برپا ہونے ہیں جن سے اہلِ ایمان کی جنت و جہنم وابستہ ہے۔ مخبر صادق، نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کا مفہوم ہے کہ 'آخری زمانے میں دنیا دو خیموں میں بٹ جائے گی، ایک خیمہ اہلِ ایمان کا ہو گا جس میں نفاق نہ ہو گا اور ایک خیمہ اہلِ نفاق کا ہو گا جس میں ایمان نہ ہو گا'۔ مولانا مسعود کوثر صاحب مدّظلہٗ کے یہ دروس اسی کامیابی یا ناکامی سے متعلق ہیں اور ان میں اہلِ ایمان کو لائحۂ فکر و عمل فراہم کرنے کا سامان ہے۔ مولانا موصوف نے یہ دروس ایک عوامی مجلس میں ارشاد فرمائے تھے، جہاں برادرِ عزیز حافظ شہزاد (محب اللہ) شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، برادر حافظ شہزاد شہید نے ہی بڑے اہتمام سے ان دروس کو ریکارڈ کیا تھا۔ ان صوتی دروس کو تحریری شکل میں بھائی خیر الدین درانی نے ڈھالا ہے، باذن اللہ یہ دروس قسط وار، مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں نشر کیے جائیں گے۔ (ادارہ)

إنّ الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئاتِ اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و نشهد أنّ سيدنا و مولانا محمداً عبده و رسوله اما بعد.

پہلی جنگ حضرتِ مہدی رضی اللہ عنہ کی، رسولِ اقدس ﷺ نے فرمایا: تقاتلون من جزيرة العرب...... لہٰذا، پہلی جنگ جزیرۃ العرب میں ہو گی۔ جو نام نہاد مسلمانوں کے خلاف ہو گی، جو اسلام کے نام علاوہ کچھ نہیں (استعمال کرتے) اور جو حکومت کو حضرت مہدی کے سپرد نہیں کریں گے کیونکہ حضرت مہدی نے آکر شریعتِ اسلامی، آئینِ اسلامی کو نافذ کرنا ہے، حدود اللہ کو نافذ کرنا ہے۔

تو رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: فيفتحه الله. پہلی جنگ میں اللہ تبارک و تعالیٰ حضرتِ مہدیؑ کو فتح عطا کر دیں گے۔ اور اس جنگ کے ضمن میں، ان ایام میں حضرتِ مہدیؑ کے ہاتھ سے دو چیزیں واقع ہوں گی، ان کی برکت سے، جس کی وجہ سے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی، رجوع کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی، ماننے والوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی، لشکر بڑھ جائے گا۔ ایک چیز تو ظاہر ہے...... یہ کہ عرب میں، اس خطے میں ان کا فاتح ہونا۔

اس کے علاوہ دو چیزیں ہیں اور وہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور دونوں چیزیں جو ہیں وہ صحیح بخاری میں روایت ہیں۔ ان کے سچا ہونے کی پہلی دلیل یہ ہو گی، ایک تو وہ بنیادی دلیل ہے کہ علما اور اولیا کا ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا، پھر عرب میں ان کا فاتح ہو جانا، رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: شام سے ایک لشکر بارہ ہزار کی تعداد میں ان کے خلاف لڑنے کے لیے آئے گا، وہ کون ہیں؟ وہ الگ تفصیل ہے۔ یہ سمجھیے کہ بارہ ہزار کا لشکر شام سے حضرت مہدی کے خلاف جنگ کرنے کے لیے آئے گا۔ بخاری شریف میں موجود ہے اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب یہ مکہ کے البیضا جگہ کے قریب پہنچیں گے۔ تو یخسف باولہم و آخرھم زمین پھٹے گی اور ان سب کے سب کو اس میں دھنسا دیا جائے گا۔

''بیضا'' چٹیل اور کھلے علاقے کو کہتے ہیں۔ خیر، ایک شخص ان میں باقی بچے گا جو واپس جا کر اپنے دھنسنے کی خبر، ناکامی کی خبر جا کے اپنے لوگوں کو دینے والا ہو گا۔ تو سب کو پتا ہو گا کہ فلاں لشکر روانہ ہو رہا ہے اور فلاں جگہ تک پہنچ چکا ہے، اب مکہ کی سرزمین میں داخل ہونے والا ہے، حضرت مہدیؑ سے جنگ ہونے والی ہے۔ اور اس وقت ان کے ساتھی تیار ہوں گے کہ ان کا آمنا سامنا ہونے سے پہلے ہی مخالف سارے کے سارے زمین میں دھنسا دیے جائیں۔ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! كيف يخسف باولهم و آخرهم؟ کہ یہ لوگ سارے کے سارے کیسے دھنسا دیے جائیں گے؟ آپؐ کہتے ہیں باولہم و آخرھم جو ان کے ساتھ یہاں موجود ہیں یہ جہاں ہیں وہیں دھنسا دیے جائیں گے و آخرھم جو ان کے حامی پیچھے موجود ہیں کچھ لوگ وہاں دھنسا دیے جائیں گے۔ تو جو وہاں دھنسا دیے گئے ان کا قصور کیا وہ تو اس لشکر میں شامل نہیں ہیں؟

تو رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: يبعثون على نياتهم ہر ایک کو ان کی نیت کا اجر ملے گا اور نیت کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ یہ اگر لشکر کے ساتھ آئے ہیں ان کی یہاں نیت مخالفت کی ہے اور یہ دھنس گئے...... یہ اگر وہاں دھنسا دیے گئے تو ان کی نیت بھی حضرت مہدیؑ کی مخالفت کی ہے وہ وہاں دھنسا دیے جائیں گے۔ ایک رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: وفيهم اسواقهم کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو مجبوراً داخل کیے گئے تو اماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اقدس ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! جو مجبوراً شامل کیے گئے ہیں ان کا عالَم کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: يبعثون على نياتهم اگر ان کی نیت امام مہدی کی مخالفت کی ہو گی تو آخرت میں سزا ملے گی ورنہ وہ اس گناہ سے بری ہوں گے۔

تو پہلا بڑا واقعہ جس سے حضرتِ مہدیؒ کی تصدیق بھی ہو گی اور اس واقعے کی وجہ سے پوری دنیا میں ان کے سچا ہونے کی خبر پھیل جائے گی اور مسلمان جو اہلِ عقیدہ اور علما سے جڑے ہوئے لوگ ہیں وہ تو اول ایمان لے آئے کچھ فتح کے بعد ایمان لے آئیں گے، کچھ مسلمان جو شکوک و شبہات کا شکار اولاً ہوں گے تو وہ اس حدیث کے پورا ہونے کے بعد جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آئی ہے یہ ان کے سچا ہونے کی ایک بڑی خبر ہے......وہ ایمان لے آئیں گے۔

رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک واقعہ اس زمانے میں اور ہو گا جس سے پوری دنیا میں انقلاب آ جائے گا۔ پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچ جائے گا اور صرف ان کے حامیوں میں ان کے لشکر میں شامل ہونے والے صرف مسلمان ہی نہیں یہود، عیسائی اور بڑے بڑے افراد ان کے لشکر میں شامل ہو جائیں گے اس واقعے کی وجہ سے۔ وہ واقعہ بہت دلچسپ ہے اس واقعے کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے قرآن کی دوسرے پارے کی آیات کو سمجھنا ہو گا اور تقریباً تین ہزار سال پیچھے جانا ہو گا۔

سیدنا حضرتِ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے اور ان کا انتقال ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر جہاد فرض کیا گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی زندگی میں جہاد کیا۔ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل جہاد کو بھولے ہوئے تھے اور بھول چکے تھے، واقعتاً ایسا ہی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے وقت کے ایک نبی علیہ السلام اور بعض تفسیروں میں حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے خادم حضرتِ یوشع بن نون علیہ السلام جو حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے جب حضرت خضر سے ملاقات ہوئی سورۂ کہف میں جن کا واقعہ ہے: "وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِفَتٰىهُ" یہ نوجوان حضرت یوشع بن نون ہیں۔ اُن پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے وحی کی کہ ہم آپ پر جہاد کو پھر سے فرض کر رہے ہیں اور جہاد کو قائم کیجیے اور لوگوں کو جہاد کے لیے لے جائیے۔ کافروں کے خلاف جہاد کی ترتیب موسیٰ علیہ السلام کے بعد ختم ہو چکی تھی۔ از سرِ نو اس کی تجدید وقت کے نبی حضرت یوشع بن نون کے ذریعے کی گئی۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے حکم یہ تھا کہ نبی نے خود جہاد میں شریک نہیں ہونا یہ دعوت کا کام کریں گے، یہ اللہ کا کلمہ لوگوں تک پہنچائیں گے۔ ایک بادشاہ ان کے اندر سے مقرر کیا جائے گا جو امیر لشکر بھی ہو گا اور جہاں جہاں یہ فتح کریں گے اس فتح ہونے والے علاقوں کا بادشاہ اور حکمران بھی وہ ہو گا، وہ رہنمائی و ہدایات نبی سے لیتا رہے گا۔ جہاد کی بھی اور حکمرانی کی بھی۔ وہ ان کا مَلِک......ان کا بادشاہ مقرر ہو گا۔ اب کون بادشاہ مقرر ہو ہر ایک تیار ہو گیا۔ جہاد فرض ہے جی بالکل کرتے ہیں، بادشاہ کون ہو؟ تو بادشاہ اللہ تبارک و تعالیٰ مقرر کریں گے! کس کو؟ وحی آئی اور ایک شخص کو بادشاہ مقرر کیا گیا اور بنی اسرائیل نے اس کو بادشاہ ماننے سے انکار کر دیا۔ دوسرے پارے کی آیات ہیں۔ آیات میں پڑھ دیتا ہوں:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَآءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى موسیٰ علیہ السلام کے بعد إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا [1]

اگر جہاد فرض ہو گا تو تم جہاد نہیں کرو گے؟ انہوں نے کہا وَمَا لَنَا کیوں نہیں؟ ہم جہاد کریں گے! أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَآئِنَا ......ہمیں کافروں کی طرف سے ظلم سہنا پڑ رہا ہے ہم جہاد میں ضرور شریک ہوں گے۔

جہاد کا وعدہ کیا وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ ان سے اُن کے نبی نے کہا کہ ایک بادشاہ مقرر ہونے والا ہے اب نبی اللہ سے دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ بادشاہ مقرر کیجیے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُن سے کہا کہ ہم......إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا اللہ تمہارے اوپر طالوت کو بادشاہ مقرر کر رہے ہیں۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کا واقعہ ہے یوشع بن نون علیہ السلام کے دور کا واقعہ، طالوت مقرر ہوئے ہیں اور برابر میں جس کے خلاف جہاد ہے وہ قومِ اما لکا ہے اور جالوت ان کا سردار ہے اور ایک لشکر تیار ہو رہا ہے۔ اب جب بنی اسرائیل کو پتا چلا کہ طالوت ہم پر بادشاہ مقرر ہو رہا ہے تو کہا ہم نہیں اس کو مانتے۔ کیوں نہیں مانتے بھائی؟ ہم اس لیے اس کو نہیں مانتے کہ یہ سردار خاندان سے نہیں ہے۔ غریب آدمی ہے، محنت مزدوری کرتا ہے، بڑھئی ہے لکڑیاں کاٹتا ہے، لکڑیوں سے فرنیچر بناتا ہے، چیزیں بناتا ہے تو ایمان والا ہونا اپنی جگہ ہے لیکن یہ سردار خاندان سے نہیں۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے کہا کہ کسی کے بادشاہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کو اللہ نے مقرر کیا ہے اور وہ علم مکمل رکھتا ہے جو کسی بھی مجاہد فاتح میں ہونا چاہیے اور کسی حکمران کو جو علم ہونا چاہیے وہ پورا علم اس کے پاس ہے۔ ایمان بھی ہے، علم بھی ہے اور جہادی بدن اور جہادی طاقت بھی رکھتا ہے۔ انہوں نے اعتراض یہ کیا وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ وہ مال دار خاندان سے تعلق نہیں رکھتا تو اللہ نے ارشاد فرمایا إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ اس کے سچا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کو اللہ نے تم پر چنا ہے وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ اللہ نے اس کو علم میں اور جسم میں تم سے فوقیت دی ہے وہ علم میں بھی تم سے آگے ہے اور جہاد میں جس چیز کی ضرورت ہے بدن اور طاقت کی وہ جسم میں بھی تم سے قوی ہے اور باقی تم اللہ کے

[1] أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَآءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَآئِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظّٰلِمِينَ (سورۃ البقرۃ: ۲۴۶)

"کیا تمہیں موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے گروہ کے اس واقعے کا علم نہیں ہوا جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا تھا کہ ہمارا ایک بادشاہ مقرر کر دیجیے تاکہ (اس کے جھنڈے تلے) ہم اللہ کے راستے میں جنگ کر سکیں۔ نبی نے کہا: کیا تم لوگوں سے یہ بات کچھ بعید ہے کہ جب تم پر جنگ فرض کی جائے تو تم نہ لڑو؟ انہوں نے کہا: بھلا ہمیں کیا ہو جائے گا جو ہم اللہ کے راستے میں جنگ نہ کریں گے حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بچوں کے پاس سے نکال باہر کیا گیا ہے۔ پھر (ہوا یہی کہ) جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے تھوڑے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب پیٹھ پھیر گئے، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔"

انتخاب پر اعتراض نہیں کرسکتے وَاللّٰہُ یُؤْتِیْ مُلْکَہٗ مَنْ یَّشَآءُ اللہ جس کو چاہے یہ بادشاہت حکمرانی عطا کرتا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں ہم اس کو نہیں مانتے، کوئی اور مقرر کیا جائے تو نبی نے کہا کہ اللہ کا فرمان یہ ہے کہ تم میں بادشاہ وہ مقرر ہوگا جس کے پاس تابوتِ سکینہ ہوگا۔ اب قوم بنی اسرائیل نبی سے جھگڑ رہی ہے کہ آپ نے اس کو اللہ سے کہہ کے کیوں بادشاہ بنوایا؟ اللہ نے جس کو بادشاہ بنایا انہوں نے کہا اچھا اس کے سچا ہونے کی دلیل کیا ہے کہ یہی سچا بادشاہ ہے اور اسی کو ہمارا امیر مقرر کیا گیا ہے؟ تو نبی کہہ رہے ہیں اِنَّ اٰیَۃَ مُلْکِہٖ اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْہِ سَکِیْنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ کہ اس کے پاس تابوتِ سکینہ ہے، تابوتِ سکینہ کیا؟ تابوت تو آپ جانتے ہیں بڑے ڈبے کو کہتے ہیں لکڑی یا لوہے کے۔ وہ بنی اسرائیل کے پاس تھا جس میں پہلے کے دیگر انبیا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی استعمال شدہ اشیا، موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جو سانپ بن جایا کرتی تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے اور ان کی کچھ مستعمل اشیا تھیں، ان کی یادگاریں وہ اس تابوت میں ہوا کرتی تھی۔ اب بنی اسرائیل کیا کرتے کہ جب کہیں مشکل پیش آتی، بارش نہیں ہو رہی، اس تابوت کو اُٹھا کے لے آتے، اللہ سے دعا کرتے اور بارش آجاتی، دشمن کے خلاف فتح نہیں ہو رہی اس کو لے جاتے دعا کرتے فتح ہو جاتی اس کی برکت سے۔ تو یہ تابوت جو تھا یہ نہ بنی اسرائیل کی ملکیت میں تھا اور نہ ان کی دسترس میں تھا کہ جب چاہتے اس کو سامنے لے آتے ایسا نہیں تھا۔ اللہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت میں محفوظ تھا اور یہ فرشتوں کی نگرانی میں تھا۔ جب اللہ چاہتے فرشتے اس قوم میں لا کے رکھ دیتے اور جب اللہ چاہتے فرشتے اس تابوت کو اٹھا کر لے جاتے۔ قرآن کی آیات بتا رہی ہے:

وَقَالَ لَھُمْ نَبِیُّھُمْ اِنَّ اٰیَۃَ مُلْکِہٖٓ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْہِ سَکِیْنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ [2] ایک تو سکون ہے اللہ کی طرف سے رحمت ہے وَبَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ ھٰرُوْنَ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی بقیہ چیزیں ہیں اس میں اور یہ تمہاری دسترس میں نہیں تَحْمِلُہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اس کو فرشتے اٹھا کے لے جاتے ہیں اور فرشتے ہی اٹھا کے لے آتے ہیں۔

اب قوم نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے، اگر طالوت اپنے گھر سے صبح نکلے اور اس کے ہاتھ میں تابوتِ سکینہ ہو تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس کو فرشتے دے کر گئے ہیں اور اگر اس کو فرشتے اس کی بادشاہی کی نشانی دے کر گئے ہیں تو پھر ہم اس مان لیں گے اس کو۔ خیر اگلے دن طالوت نکلے ان کے ہاتھ میں تابوتِ سکینہ تھا۔ نہ ماننے والی قوم نے بھی ان کو مانا۔ بادشاہ مقرر کیا اور ان کی امارت میں انہوں نے جیسا تیسا جہاد کیا وہ ایک لمبی تفصیل ہے وہ ہمارا موضوع نہیں۔

اب تابوتِ سکینہ دنیا میں کسی انسان کی دسترس میں نہیں۔ کسی قوم کی دسترس میں نہیں، بلکہ تَحْمِلُہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اس کو فرشتے اٹھا کے لے آتے ہیں لے جاتے ہیں۔ یہ بات یہیں پوری ہو گئی۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مہدیؒ کے سچا ہونے کی ایک نشانی یہ ہو گی کہ دنیا تین ہزار سال کے بعد اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْہِ سَکِیْنَۃٌ دیکھے گی اور فرشتے تابوتِ سکینہ اُٹھا کے لے آئیں گے اور حضرت مہدیؒ اس کو دنیا میں ظاہر کر دیں گے۔ یہ تابوتِ سکینہ ہے اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے رحمت کی نشانی ہے۔ اس میں انبیا کی یادگاریں موجود ہیں اور یہ ان کے سچا ہونے کی نشانی ہے۔ جس طرح طالوت کی بادشاہت کی تصدیق کے لیے اللہ نے تابوتِ سکینہ بھیجا، حدیث شریف میں آتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تابوتِ سکینہ کو ان کی تصدیق کے لیے فرشتے دوبارہ اس دنیا میں لے کے آئیں گے اور دنیا میں جہاں ہے اللہ کے علم میں ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ظاہر کر کے فرشتوں کے ذریعے اس کو حضرت مہدی تک پہنچائیں گے۔

مسلمان تو پہلے ہی حضرت مہدی کے حامی ہیں اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہوں گے۔ اس تابوت کو دیکھ کر بہت سے عیسائی، بہت سے یہودی اور رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا بہت سی دیگر اقوام ایسی ہیں جو ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گی اور مسلمانوں کے اس لشکر کی تعداد، جو حضرت مہدی کا حامی اور ان کی بیعت کرنے والا ہو گا، وہ لاکھوں کروڑوں تک پہنچ جائے گی۔ یہ ان کے سچا ہونے کی ایک نشانی ہے۔ ان دو واقعات، غالب لشکر کا دھنس جانا اور دوسرا تابوتِ سکینہ کا ان کے ہاتھ سے ظاہر ہونا، یہ ان کی تعداد کو اور ان کی حمایت کو بڑھا دے گی اور دنیا میں ایک تہلکہ مچ جائے گا۔

اس ضمن میں رسولِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صرف یہ سرزمین نہیں، جزیرۃ العرب، عرب کی پوری ریاستوں پر جہاں جہاں عرب امارات قائم ہے، عرب حکمرانیاں قائم ہیں، حضرت مہدیؒ اپنی پہلی جنگ کے نتیجے میں اس سارے علاقے کو فتح کر کے یہاں اسلام کو نافذ کر دیں گے۔

دوسری جنگ حضرت مہدیؒ کی، رسولِ اقدس ﷺ نے فرمایا: تمہاری دوسری جنگ فارس سے ہو گی۔ ”فارس“ ایران کا قدیم نام۔ تو فارس سے جنگ کی صورت یہ ہے کہ آپ سب جانتے ہیں کہ اہلِ فارس......ایرانیوں کا جو نظریۂ مہدی ہے وہ اس نظریۂ مہدی سے بالکل مختلف ہے۔ وہ تو ایسے مہدی کو مانیں گے نہیں جو آکر شریعت کے نفاذ کی بات کرے یا جو آکے اہلِ سنت کے طریقے کے مطابق شریعت کو نافذ کرے۔ جہاد کے ذریعے نافذ کرے اور مسلمانوں

---

[2] وَقَالَ لَھُمْ نَبِیُّھُمْ اِنَّ اٰیَۃَ مُلْکِہٖٓ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْہِ سَکِیْنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَبَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ ھٰرُوْنَ تَحْمِلُہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ (سورۃ البقرۃ: ۲۴۸)

”اور ان سے ان کے نبی نے یہ بھی کہا کہ: طالوت کی بادشاہت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (واپس) آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکینت کا سامان ہے، اور موسیٰ اور ہارون نے جو اشیا چھوڑی تھیں ان میں سے کچھ باقی ماندہ چیزیں ہیں۔ اسے فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے اگر تم مومن ہو تو تمہارے لیے اس میں بڑی نشانی ہے۔“

کے متفقہ عقیدے کے مطابق وہ بیعت لے اور جہاد کے طریقے کو چلائے۔ اُن کا تصورِ مہدی جو ہے وہ اس تصورِ مہدی سے بالکل مختلف ہے۔ وہ ان کا انکار کر دیں گے اور اپنی طاقت اور اپنی فوج کے زعم میں حضرت مہدی کو للکاریں گے کہ آپ کی ہماری کھلی جنگ ہے ہم آپ کو نہیں مانتے۔ تو رسولِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: تمہاری دوسری جنگ جو ہے وہ فارس سے ہو گی اور اللہ ان کو ذلیل و رسوا کریں گے اور مسلمانوں کو ایک زبردست فتح عطا فرمائیں گے اور فارس اور اس کے قریب قریب کے سارے علاقے دوسری جنگ میں فتح ہو جائیں گے۔

حضرت مہدیؒ کی تیسری جنگ، اس علاقے میں ان دو بڑی طویل، دو بڑی فتوحات کے بعد تاریخ انسانیت کی سب سے بڑی جنگ جو کفر اور اسلام کے مابین ہو گی وہ لڑی جائے گی۔ جس کو احادیث میں الملحمة العظمیٰ یا الملحمة الکبریٰ کہا گیا ہے۔ یہ حضرت مہدیؒ کی قیادت میں لڑی جانے والی تیسری جنگ ہے اور اس کا مخالف کون ہے؟ رسول اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس کے مخالف کا نام لیا ہے: "الروم"، ثم تقاتلون الروم پھر تم لشکر کی شکل میں رومیوں سے جنگ کرو گے۔ محدثین یہ کہتے ہیں کہ جب لفظِ الروم بولا جاتا ہے تو اس کے کئی مطلب ہوتے ہیں۔ ایک تو مطلب ہے خود الروم (روم کی سرزمین)، روم بدلتا بدلتا اب اٹلی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اٹلی کا علاقہ یہ قدیم روم ہے اطالوی اٹلی کا علاقہ۔ دوسرا جو لفظ الروم بولا جاتا ہے تو اس سے مراد جو ہے وہ اہلِ کتاب (عیسائی) بھی ہوتے ہیں۔ تو محدثین یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں جہاں جہاں ثم تقاتلون الروم کی بات ہے اس سے علاقہ مراد نہیں، مذہب مراد ہے۔ بعض اوقات روم کہہ کے قوم مراد ہوتی ہے، علاقہ مراد ہوتا ہے، بعض اوقات الروم بول کر مذہب مراد ہوتا ہے۔ یہاں الروم کا لفظ بول کر مذہب مراد ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مہدیؒ کی تیسری جنگ، عیسائیوں اور عیسائیوں کے ہم نوا، جو ان کے ساتھ ہوں گے...... وہ نیٹو کی شکل میں ہو یا اس زمانے میں جو بھی شکل ہو، الغرض مدِ مخالف دنیائے عیسائیت ہو گی۔

تیسری بڑی جنگ لڑی کہاں جائے گی؟ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ شام کے علاقے دابق کے مقام پر لڑی جائی گی اور اس علاقے کو اعماق بھی کہتے ہیں۔ اعماق اور دابق دو نام ہیں اس علاقے کے۔ یہ شام کا ایک میدانی علاقہ ہے جس میں یہ بڑی جنگ لڑی جائے گی؛ الملحمة الکبریٰ۔

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ کافروں کی طرف سے اسّی (۸۰) ڈویژنیں آئیں گی ثمانینة رایتاً، یہ حدیث ابوداؤد شریف میں موجود ہے، صحیح مسلم میں موجود ہے اور سنن ابنِ ماجہ میں موجود ہے، مشکوٰۃ المصابیح میں موجود ہے۔ ثمانینة رایتاً، اسّی ڈویژنیں، جیسے فوجوں میں فوجیوں کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم ہوتی ہے تو اس کو عربی میں رایۃ کہتے ہیں، جن کے پاس ایک الگ نشان یا ایک جھنڈا ہوا کرتا ہے۔ جس طرح فوج کی مختلف فلاں رجمنٹ ہے یا فلاں رجمنٹ ہے یا فلاں ایک پوری ڈویژن ہے، ایک پوری رجمنٹ ہے تو اس کو "رایۃ" کہتے ہیں۔ اسّی ڈویژنیں کافروں کی منظم ہو کر آئیں گی۔ تحت کل رایة اثنا عشره الفاً ہر ڈویژن بارہ ہزار پر مبنی ہو گی۔ ہر ڈویژن کے نیچے بارہ ہزار افراد ہوں گے۔ بارہ ہزار کو اسّی سے ضرب دیں تو نو لاکھ ساٹھ ہزار فوج بنتی ہے جو کافروں کی طرف سے میدان میں اترے گی اور مقابلہ کرے گی۔ مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی مدد میں، ان کی طرف سے اسّی ڈویژنیں اور ہر ڈویژن کے نیچے بارہ ہزار کا لشکر یعنی کل نو لاکھ ساٹھ ہزار فوج کا مقابلہ مسلمانوں سے ہو گا...... حضرت مہدیؒ سے ہو گا اور رسولِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: یہ جنگ جو ہے وہ تین روز تک جاری رہے گی اور تیسرے روز اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائیں گے۔

یہ ہولناک جنگ ہے اور اس میں شامل ہونے والوں کی تعداد چونکہ زیادہ ہے اور اس جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے حصہ لینے والے چونکہ زیادہ ہیں، تو رسولِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ اس جنگ میں مسلمان تین فرقوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک فرقہ وہ ہے جو جنگ سے بھاگ جائے گا جو کہے گا ہم جنگ نہیں چاہتے...... منافقین۔ رسولِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: لا یتوب الله علیهم أبداً اللہ ان کی توبہ کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔ اُن کو توبہ کی توفیق ہی نہیں ہو گی، اسی نفاق پر اور اسی کفر پر مریں گے۔ اور دوسرا ایک گروہ ایسا ہو گا مسلمانوں کی ایک تعداد ایسی ہو گی کہ یقتلون وہ شہید کر دیے جائیں گے۔ مسلمانوں کی ایک تہائی تعداد ان جنگوں میں شہید ہو جائے گی۔ رسولِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا هم افضل الشهداء عندالله اللہ کے ہاں وہ افضل شہدا میں شامل کر دیے جائیں گے۔ شہادت کا اعلیٰ مقام اُن کو عطا کیا جائے گا۔ اور ایک تہائی تعداد ایسی ہو گی فیفتحون جو فتح کریں گی۔ جس کو اللہ فتح عطا فرمائیں گے۔ وهم لایفتنون ابداً اللہ تبارک و تعالیٰ اس عظیم جنگ کے بعد ان کو کسی بڑے فتنے میں مبتلا نہیں کریں گے۔ یہ ملحمة الکبریٰ میں ایک بہت بڑی جنگ ہے۔ اسلام کی بہت بڑی فتح ہے۔

رسولِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ اس جنگ کے ضمن میں، اس جنگ کے تحت چھوٹی چھوٹی جنگیں مختلف علاقوں میں حضرت مہدیؒ اپنے کمانڈروں کے، اپنے ماتحت افراد کی شکل میں یہ جنگیں لڑیں گے۔ خود جن جنگوں میں حصہ لیں گے وہ یہ بڑی جنگ ہے اور اس جنگ کے ضمن میں ایک جنگ کا تذکرہ آتا ہے جو ہندوستان میں ہو گی۔ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ہندوستان کو اللہ فتح عطا فرمائیں گے اور ہندوستان کے جو حکمران ہیں وہ زنجیروں میں جکڑ کر حضرت مہدیؒ کے ہاں پیش کیے جائیں گے اور سارے علاقے میں اسلام غالب آجائے گا اور اسلام کو اللہ فتح عطا فرمائیں گے اسلام غالب آئے گا۔

تو اس ملحمة الکبریٰ عیسائیوں سے بڑی جنگ میں مسلمانوں کی فتح اب مسلمانوں کی پوری دنیا میں فتح کا راستہ ہموار کر دے گی اور چھوٹے چھوٹے وہ ملک جو عیسائیت کی وجہ سے قائم ہیں یا ان کی مدد سے قائم تھے وہ خود بخود ختم ہوتے جائیں گے۔ ہندوستان فتح ہے، قریب کے علاقے فتح ہیں، ساری فتوحات نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا اللہ ذوالجلال ان کو عطا فرمائیں گے۔

حضرت مہدیؒ کی چوتھی جنگ جو حدیث شریف میں آئی ہے ثم تغزون القسطنطنیة پھر تم قسطنطنیہ کے خلاف جنگ کروگے۔ اور یہ انسانی تاریخ کی واحد عجیب و غریب جنگ ہے اس جیسی جنگ نہ اس سے پہلے ہوئی اور نہ اس جیسی جنگ اس کے بعد ہوگی۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عیسائیوں کی فتح کے بعد اسلام غالب آتا چلا جائے گا۔ ایک ہر قل کا شہر قسطنطنیہ، آج کے ترکی کے استنبول کا پرانا نام ہے، تو یہ شہر باقی رہ جائے گا۔ اس کے جو حکمران ہیں یہ کفر کے اتحادی ہوں گے۔ یہ اپنا شہر حضرت مہدی کے حوالے نہیں کریں گے، اس کو خلافت کا حصہ نہیں بننے دیں گے۔ تو حضرت مہدی ان کے پاس آئیں گے اپنا لشکر لے کر اور ان پر حملہ آور ہوں گے اور یہ دنیا کی ایسی جنگ ہے جو بغیر اسلحے کے لڑی جائے گی۔ جس میں کوئی تلوار کوئی تیر کوئی گولی کوئی چیز استعمال نہیں ہوگی، بغیر اسلحے کے یہ جنگ لڑی جائے گی۔ قسطنطنیہ جنہوں نے دیکھا ہے یا اس کی تصویر دیکھی ہے وہ سمندر کے کنارے واقع شہر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کا لشکر قسطنطنیہ کو (استنبول) کو گھیر لے گا اور مشرق کی جانب والی جو مسلمانوں کی فوج کھڑی ہوگی وہ مل کر زور سے پڑھیں گے 'لا الٰہ الا اللہ' تو استنبول کا یہ حصہ...... تو مسلمان قسطنطنیہ کے مشرق کی طرف جدھر کھڑے ہوں گے انہوں نے لاالہ الا اللہ پڑھا ہوگا اس کے دروازے کھل جائیں گے اور وہاں ایک فصیل ہے جو اب بھی قائم ہے اس کی دیوار گر جائے گی اور مسلمان ان دروازوں سے مشرق کی طرف سے استنبول میں داخل ہو جائیں گے۔ کسی کا قتل نہیں کریں گے۔ داخل ہوتے چلے جائیں گے۔ اور مغربی سائیڈ پہ جو کھڑے ہیں وہ ادھر کھڑے ہو کے پڑھیں گے لا الہ الا اللہ اور دیوار گر جائے گی اور دروازے کھل جائیں گے وہ ادھر سے شہر میں داخل ہو جائیں گے اور یہ استنبول کے لوگ جو ہیں ہیبت اور رعب کی وجہ سے اپنی حکومت ان کے حوالے کر دیں گے اور نہ تلوار چلی، نہ تیر چلا، نہ کوئی زخمی ہوا نہ قتل ہوا، پورا کا پورا قسطنطنیہ کا شہر جو ہے وہ فتح ہو گیا۔ یہ وہ لا الہ الا اللہ ہے۔ یہ وہ ذکرِ الٰہی ہے جس کی برکت سے اللہ نے فتح عطا کی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ، اللہ کا ذکر جو ہے وہ بہت بڑی چیز ہے۔ ذکر آج بھی ہوتا ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ ذاکرین کی تعداد آج سے پہلے بھی دنیا میں رہی، اب بھی ہے۔ دنیا میں ذکر کرنے والے اللہ کے بندے بہت سے موجود ہیں۔ لیکن ایسے ذکر کرنے والے کون ہیں جن کے ذکر سے فتح ہوتی ہے۔ ذکر سے فتح کب ہوتی ہے؟ علمانے لکھا ہے ذکر سے فتح اس وقت ہوتی ہے جب اللہ کا خوف تو ہے، اللہ کی محبت میں ذکر ہو رہا ہے۔ اس ذکر کے ساتھ حرکت ہو۔ ایک ذکر کرنے والا خانقاہی نظام جو ہے وہ جہاد کے سلسلے میں چلے۔ ذکر کرنے والے ذاکرین کی زبانیں جو اللہ کے ذکر سے تر ہیں اور جن کے قدم گناہ کی طرف نہیں اٹھے، جن کی زبانیں اللہ کے ذکر سے رطب اللسان ہیں، وہ مقدس زبانیں اور وہ گناہوں سے پاک ہاتھ اور قدم جب اللہ کے رستے میں جہاد کے لیے اترتے ہیں تو اُن کا ذکر ان کا اسلحہ بن جاتا ہے اللہ ان کو فتوحات عطا کر دیتے ہیں۔ اور دوسرا وہ ذکر جو خلافت کے تحت ہے، اس ذکر سے فتح اس لیے ہوئی ہے کہ یہ ذکر ایک خلیفہ کے ماتحت ہے۔ یہ عبادت وہ کامل عبادت ہے کہ دین اپنی شکل پوری کر چکا ہے۔ جہاں نماز ہے تو خلافت کے تحت ہے۔ جہاں منڈی ہے تو خلافت کے تحت ہے۔ جہاں دکانداری اور تجارت ہے تو خلافت کے اصول کے مطابق ہے۔ اُن کے زمانے میں سود نہیں ہے۔ خلافت کے تحت ملاوٹ نہیں ہے۔ خلافت کے تحت جھوٹ نہیں ہے۔ خلافت کے تحت منافقت نہیں ہے۔ لہٰذا ذکر کرنے والے کے ذکر کا معیار بلند ہو چکا ہے۔ جس زمانے میں وہ جی رہا ہے اس میں سود کی ہوا نہیں ہے۔ اس کی منڈی میں سود نہیں ہے۔ خلافت کے تحت ہونے والی تجارت میں سود نہیں ہے۔ جو لباس وہ استعمال کر رہا ہے اس میں شک و شبہ اور سود نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت کا معیار، اس کے ذکر کا معیار بڑھ گیا ہے اور وہ اس معیار تک پہنچ چکا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے ذریعے فتح عطا کر دی ہے۔ اور یہی صحابہ کے دور میں بھی ایسے ہوا۔ بہت سی جنگیں ایسی ہیں، صحابہ پہنچے، ان کی صورت کو ان کے لباس کو ان کے اطوار کو دیکھ کر کافروں نے کہا ہم آپ سے جنگ نہیں کر سکتے، جزیہ لو صلح کرو، ہم آپ سے صلح کرتے ہیں ہم آپ سے جنگ نہیں کرتے۔ اور بعض اوقات مسلمان گئے بھی نہیں ہیں۔ ایک پرچی لکھ رہے ہیں تو عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے رقعے سے فتح ہو رہی ہے، ان کے پیغام سے اور ان کے لکھے ہوئے خط سے اللہ فتوحات عطا کر دیتا ہے۔ یہ حضرت مہدیؒ کی چار بڑی جنگیں ہیں اس کے ضمن میں چھوٹی چھوٹی جنگیں ہیں جو دنیا بھر کے علاقے کو فتح کر دیں گی۔

ان جنگوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک حامی ہوتا ہے اور ایک مخالف ہوتا ہے۔ رسولِ اقدس ﷺ کی مبارک احادیث کے ضمن میں سمجھانے کے لیے بطورِ خلاصہ کے یہ عرض کرتے ہیں کہ امام مہدیؒ کے تین حامی ہیں اور تین بڑے مخالف۔ حضرت مہدیؒ کے تین بڑے حامی کون ہیں؟ پہلے آپ جو سن چکے ہیں کہ علما اور اولیا کی جماعت جو اُن کے ہاتھ پر بیعت کرے گی، وہ ان کے پہلے حامی وہ تو لازماً ان کی تلاش میں ہیں۔ ان کے ہاتھ پر اول بیعت کرنے والے اور عرب میں ان کی مدد کرنے والے احادیث کی تصریح کے مطابق وہ عرب میں رہنے والے وہ لوگ ہیں جو جہاد کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور شریعتِ اسلامی کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو خاندانِ بنو ہاشم سے تعلق رکھتے ہیں جو خود حضرت مہدیؒ کے خاندان سے ہیں۔ اور بڑی عجیب بات ہے کہ آج کی جو حکومت ہے، عرب حکومت جو ہے وہ بنو ہاشم کے افراد کو بِنا کسی غلطی کے بغیر کسی قصور کے جو شخص تھوڑا پڑھ لکھ گیا ہے اور تھوڑا سا دین کی طرف راغب ہے اس کو اُٹھا کر جلاوطن کر دیتے ہیں یا اس کو نظر بند کر دیتے ہیں۔ ''بنو ہاشم'' میں مَیں خود ذاتی طور پر شیخ ابراہیم فائز الہاشمی کو جانتا ہوں، جو مکہ میں خاندانی نظام چلا رہا ہے وہ قبائل کا سسٹم عبد المطلب جو تھے وہ سردار ہوئے تو آج بھی وہ خاندانی سسٹم بنو ہاشم اور قریش کا موجود ہے اور اُن کو اتھارٹی حاصل ہے۔ جس طرح پاکستان میں قانون چلتا ہے پنچائیت کا یا جرگے کا پنچائیت کے فیصلے کو مانا جاتا ہے یا جرگے کے فیصلے کو آئینی طور پر مانا جاتا ہے عرب میں قبائل اگر سردار کچھ فیصلہ کر لے تو اس کو چیلنج نہیں کیا جاتا وہ آئین کا حصہ ہے اس کو مانا جاتا ہے وہ قابلِ عمل ہوتا ہے۔ تو میں نے اُن سے پوچھا کہ بنو ہاشم کے نوجوانوں کا کیا سلسلہ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس ہزاروں نوجوانوں کی فہرست موجود ہے جن کا کیس چل رہا ہے بغیر کسی

قصور کے اُن کو جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ صرف اس جرم پر کہ یہ بنوہاشم سے تعلق رکھتے ہیں، دین دار ہیں کہ یہ نوجوان مل کے کوئی ایسی جماعت نہ تیار کرلیں جس سے حکومت کو نقصان پہنچے یا وہ انقلاب لے آئیں۔ بالخصوص عرب میں آنے والے تیونس اور مصر کے انقلاب کے بعد یہاں کے بنوہاشم پر بہت زیادہ سختی ہے اور ہزاروں کی تعداد میں بنوہاشم جو ہیں وہ جیلوں میں بغیر کسی غلطی کے بغیر کسی قصور کے قید ہیں۔ اور البرهان في علاماتِ مهدي آخرالزمان حدیث کی کتاب ہے جس میں حضرت مہدیؑ کے متعلق احادیث کو جمع کیا گیا ہے الفتن حدیث کی کتاب میں، حدیث موجود ہے آپ سن کر حیران ہوں گے کہ حضرت مہدی اپنے اعلانِ مہدویت اور بیعت کرلینے کے بعد پہلا کام جہاد میں جانے سے یہ کریں گے کہ يستخرج من كان في السجن من بني ہاشم نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جیل میں بنوہاشم کے جو نوجوان اور وہ لوگ جو بغیر کسی قصور کے قیدی ہیں اُن کو رہا کریں گے۔ حدیث شریف میں موجود ہے اور اس کی امکانی صورت ہمیں نظر آرہی ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں قیدی اس وقت بھی موجود ہیں۔

حضرت مہدی کے حامیوں میں ایک ہمارے علاقہ کی بھی خوش قسمتی ہے، خراسان کی۔ رسولِ اقدس ﷺ نے فرمایا جب حضرت مہدیؑ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کریں گے تو اُن کے حامیوں میں بڑے حامی قد جاءت من قبلِ خراسان خراسان کی طرف سے آئیں گے۔ خراسان افغانستان کا قدیم نام ہے۔ پرانا نام ہے خراسان جس میں افغانستان، پاکستان کے قبائلی علاقے اور ایران کا کچھ حصہ جو ہے وہ اس خراسان میں شامل ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تم دیکھو کہ یہاں سے سیاہ جھنڈوں والے آرہے ہیں تم ان میں شامل ہو جاؤ فأن فيها خليفة الله المهدي کیونکہ یہ حضرت مہدی کے سب سے بڑے مددگار و حامی ہیں۔ تو یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس علاقے کو اور اس قوم کو یہ فضیلت عطا کی ہے کہ حضرت مہدی کے حامیوں میں سے بڑی تعداد ان کی ہے اور ان کے مخالف گروہ کا آپ نے دیکھا سب سے پہلا خود عرب کے حکمران، نمبر دو وہ لشکر جو شام سے آئے گا بارہ ہزار کا جو ان کے خلاف لڑے گا اور تیسرا عالمِ کفر جو ہے جن کے خلاف جنگیں ہیں فارسی ہے اور روم (عیسائی) جو ہے ان کے خلاف جنگیں ہوں گی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو حضرت مہدیؑ کے حامیوں میں شامل فرمائے۔ حضرت مہدیؑ کے موضوع پر دو تین باتیں جو ہیں ان کے موضوع پر باقی ہیں کہ حضرت مہدیؑ آکر کریں گے کیا خلافت کے قائم کرلینے کے بعد، اُن کی خصوصیات کیا ہیں اور صفات کیا ہیں اور کتنا عرصہ یہ دنیا میں رہیں گے اور کب وفات ہو گی اور ان کی نمازِ جنازہ کون پڑھے گا، ان کی تدفین کہاں ہو گی، تو یہ بات اگلی نشست میں ہو گی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: خطوط از ارضِ رباط

حالت یہ ہے کہ خود ڈاکوؤں کا ہم نوا بن کر اپنے پیٹ کی آگ بھی بجھا نہیں پاتا۔ یہ تو اکثر لوگوں کا حال ہے۔ رہا لاکھوں میں کوئی ایک...... اس کی کیفیت تو میں نے چند سطور پہلے ہی بیان کر دی۔ آج امتِ مسلمہ کے ہر فرد کا یہی کم و بیش حال ہے، اِلاَّ مَارَحِمِ رَبِّیْ!

جبکہ آج ہمارے گھروں میں ڈاکو گھس آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں پکار رہا ہے کہ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا، "ہلکے ہو یا بوجھل نکلو" یعنی جس کے پاس جو کچھ ہے اُسی سے گھر میں لگی ہوئی آگ بجھاؤ یا اُسی کو لے کر گھر میں گھسے ہوئے ڈاکوؤں کو پکڑو یا انہیں مار بھگاؤ۔ مگر آج اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہنے والا کہاں ہے؟ امت کے کتنے ہی افراد ڈاکوؤں کو پکڑنے یا گھر میں لگی ہوئی آگ بجھانے کے بہانے محض تعلیم اور تعلّم اور پروفیشنل لائف کے لیے اپنا قیمتی وقت اور توانائیاں ضائع کر رہے ہیں اور اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔

مجھے آپ سے محبت ہے۔ میری ان باتوں کا مدعا یہ ہے کہ ایک باشعور اہلِ ایمان سے اولاد کی محبت کی خاطر اور ان کے فقط دنیوی مستقبل سنوارنے کے لیے اسی طرح کا لاشعوری عمل سرزد نہ ہونے پائے جو میں نے چند سطور میں بیان کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا، "تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ"...... یہ کہہ کر اپنے آپ کو اور اپنی اولادوں کو آتشِ دوزخ سے بچنے اور بچانے کا حکم دیا۔ کیا یہ تعلیم جس کی آج دنیا میں دھوم مچی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم و احکام کے تقاضے پورا کرواسکتی ہے؟ اس لیے ایک باشعور مومن کو اپنی اولاد کے سلسلے میں بہت زیادہ چوکس و چوکنا اور ہوشیار ہونا چاہیے کہ اپنی ذرا سی غفلت کی وجہ سے اولاد تعلیم اور پروفیشن (پیشے) کے بہانے ڈاکوؤں ہی کی صف میں نہ چلی جائے۔

محترم بھائی! آپ یقیناً اپنے اہل و عیال کے لیے کما بھی رہے ہیں اور ان پر خرچ بھی کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں بھی خرچ کر رہے ہیں۔ یہ کام یقیناً اجر و ثواب کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ شیاطین کی نظرِ بد سے ہمیں محفوظ فرمائے آمین! ثم آمین!! لیکن صاحبِ حیثیت لوگوں سے اللہ تعالیٰ کا دین اس سے بڑھ کر تقاضا کرتا ہے۔ اس لئے آپ سے استدعا ہے کہ اپنے ایمان کی مزید آبیاری کے لیے سال میں کم از کم ایک مرتبہ جہاد میں سہ روزہ کے لیے وقت لگائیں وہ بھی امرائے جہاد کی اجازت کے ساتھ۔

آپ کے ننھے منے کیسے ہیں؟ آپ کی سب سے پیاری ننھی منی اب بڑی ہو گئی ہو گی، ان سب کو میری طرف سے بہت بہت پیار و دعا اور آپ کے سسر صاحب اور بھائی صاحب سب کو میرا سلام عرض ہو۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعاؤں کا طلب گار، آپ کا بھائی

۲۱ شوال ۱۴۳۰ھ

روزہ اور اس کے روحانی ثمرات

امام ابن قیم رحمہ اللہ

روزے سے مقصود یہ ہے کہ نفس کو اس حد تک قابو کیا جائے کہ خواہشات کی تکمیل سے رکنے کی تربیت پائے اور یہ کہ لذت کی وہ بہت سی صورتیں جو اس کے منہ کو لگ چکی ہوں، ایک اعلیٰ مقصد کی لگن میں اس سے چھڑوا دی جائیں۔ اس کے حیوانی قویٰ کو قابو میں لایا جائے اور اس کی شہوانی توانائی کو اعتدال سکھایا جائے۔ نفس کی چاہت کو مادی مطالب سے پھیر کر ایک اعلیٰ و پاکیزہ رخ دیا جائے۔ اس میں وہ سلیقہ پیدا کیا جائے کہ یہ کسی اور جہان کی جستجو کر سکے جہاں لطف کی کوئی انتہا نہیں اور جہاں نعمتوں اور آسائشوں کا کوئی اندازہ نہیں اور جہاں عیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تاکہ یہ ان خوبیوں سے آراستہ ہو سکے جو دائمی زندگی پانے کا ایک مناسب ترین مقدمہ بن سکیں......

چونکہ روزے سے مقصود یہ ہے کہ نہ تو دنیا کی بھوک پیاس کی اس نفس میں کچھ خاص وقعت رہے اور نہ یہاں کا کھانا پینا ہی کچھ اس کا منتہائے سعی رہے...... تاکہ یہ احساس کی وہ صلاحیت بھی پالے جس کی بدولت اس کو اندازہ رہنے لگے کہ ایک بھوکے مفلس کے کلیجے پر کیا گزرتی ہے اور مسکین کے دل کی کیا حالت ہوا کرتی ہے۔

روزہ سے مقصود یہ ہے کہ جسم میں شیطان کی بھاگ دوڑ کے لیے راستے تنگ کر دیے جائیں اور کھانے پینے کی راہ سے شیطان کو یہاں جو گزرگاہیں میسر آتی ہیں وہاں اس کا گزر دشوار کر دیا جائے...... قوائے جسم کی آزادی ذرا محدود کر کے، اور بدن کا جوش ذرا کم کر کے، روح کو معبود کے راستے میں تحریک دی جائے......

پس یہ متقیوں کے لیے ایک زور آور مہار ہے اور مجاہدوں کے لیے ایک زبردست ڈھال۔ یہ نیکوکاروں کی ریاضت ہے اور خدا کا قرب پانے والوں کے لیے محنت کا ایک بڑا میدان۔

اور دیکھو سارے اعمال میں سے اس کو 'خدا کی خاطر' ہونے کی ایک خاص نسبت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ روزہ دار کچھ بھی نہیں کرتا بس اپنی خواہش اور اپنی شہوت کو اور اپنے کھانے اور پینے کو معبود کی خاطر چھوڑ لیتا ہے۔ پس یہ محبوباتِ نفس کو خدا کی محبت میں بھلا دینا ہے اور نفس کی لذتوں کو خدا کی خوشنودی پر وار دینا۔ گویا یہ نفس کا ایک محبوب سے پھر کر ایک دوسرے محبوب کو اختیار کر لینا ہے۔ پس یہ روزہ محبوب کا ایک شعوری اور ہمہ وقتی تعین ہے۔ بندے اور خدا کے مابین ایک 'سِر' ہے۔ یہ ایک ایسا 'راز' ہے جو بندے کو معلوم ہے یا پھر خدا کو! لوگ زیادہ سے زیادہ دیکھ سکتے ہیں تو یہ کہ یہ بندہ اپنا کھانا پینا اور دیگر مفطرات کو چھوڑ کر بیٹھا ہے۔ مگر دل کی وہ حالت جو اس سے اس کا یہ کھانا پینا اور اس کی یہ شہوت و خواہش چھڑوائے بیٹھی ہے اور معبود کی طلب میں جائز خواہشِ نفس کو قربان کروا رہی ہے، صرف خدا کو معلوم ہے۔ اس کی کوئی اور کیوں کر خبر پا سکتا ہے...... روزے کی اصل حقیقت سمجھو بس یہی ہے!

انسان کے ظاہر و باطن کو بدل کر رکھ دینے میں روزے کی عجیب تاثیر دیکھی گئی۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ جسم کے فاسد مادے اس ریاضت سے ڈھل جاتے ہیں بلکہ روح کے ناگوار جو انب بھی اس عبادت سے خوب صاف ہوتے ہیں۔ قلب اور جوارح کے صحت پانے میں روزے کی تاثیر دیدنی ہے۔ نفس کے وہ حصے جو خواہشات و شہوات کے زیر آب آ چکے ہوتے ہیں، وہ اس عمل کے نتیجے میں بخوبی واگزار کرا لیے جاتے ہیں اور بندگی کو اس سرزمین پر پیر جما کر چلنے میں خوب مدد ملتی ہے۔ دل میں تقویٰ کی راہ ہموار کرنے میں 'روزے' کو عبادات کے مابین ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ فرمایا:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَى الَّذِینَ مِن قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ۝ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۳)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کیے جاتے ہیں جیسا کہ تم سے پہلوں پر فرض کیے گئے، شاید کہ تم تقویٰ پاؤ"۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الصوم جُنّة "روزہ ڈھال ہے"۔

علاوہ ازیں جنسی خواہش کو قابو میں لانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ تجویز فرمایا۔ غرض عقل اور فطرت کو نفس کی اصلاح میں روزہ کی اس غیر معمولی تاثیر کا جو مشاہدہ کرنے کو ملتا ہے اس کے پیش نظر ہم دیکھتے ہیں کہ خدا نے اس عبادت کو انسانوں کے لیے مشروع ٹھہرا دیا...... پس یہ اس کی رحمت ہے اور ان پر اس کا ایک احسان اور برائی سے ان کا ایک زبردست تحفظ۔

'روزہ' پس یہ ہوا کہ وہ حلال لذتیں بھی جو نفس کے منہ کو لگ چکی ہوں اور وہ جائز آسائشیں بھی جن کا یہ نفس عادی ہو چکا ہو...... اس سے پرے کر دی جائیں اور کچھ عرصہ اس پر یہ حالت گزرے اور اس کیفیت میں اس کو خدا کی جانب متوجہ کرایا جائے تاکہ یہ بندگی کے کچھ خاص پاکیزہ معانی ازبر کرے اور پورا ایک ماہ یہ اسی حالت میں صبح سے شام کر دیا کرے......

منہ کو لگ چکی یہ لذتیں اور آسائشیں چھڑا دینا چونکہ آسان کام نہ تھا لہٰذا اس کی فرضیت نازل ہونے سے خاصی دیر تک رکی رہی۔ یہ فرض ہجرت کے بھی کچھ دیر بعد نازل ہوا۔ نفوس کے اندر جب توحید گہری اتر چکی اور پھر 'نماز' نے ان موحد نفوس کو ایک بندگانہ صورت دے دی اور قرآن سے حکم لینے پر کچھ تربیت پالی تب بتدریج ان کو بندگی کی اس صورت کی جانب لایا گیا۔

☆☆☆☆☆

ترکِ گناہ کے بغیر روزے کا فائدہ نہیں!

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

روزہ حصولِ تقویٰ کا قدیم ترین نسخہ:

روزہ اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا کرنے، اس کی نافرمانیاں چھڑانے اور اس کے عذاب سے بچنے کا بہت قدیم اور مؤثر ترین نسخہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○(سورۃ البقرۃ:۱۸۳)

"یعنی روزے تم پر فرض کیے گئے ہیں جیسے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ نافرمانی سے باز آجاؤ۔"

گناہوں کے چھڑانے کا نسخہ کوئی نیا نسخہ نہیں بلکہ بہت پرانا ہے، صدیوں کا آزمودہ! دراصل نئی تحقیق سے لوگ ذرا ڈرتے ہیں۔ یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ پہلے "پنسلین" بازار میں نئی نئی آئی تو ڈاکٹروں نے اس کی بہت تعریفیں کیں کہ یہ دوا بالکل بے ضرر ہے اور اس میں اتنے منافع ہیں، اتنے فوائد ہیں مگر الٹا نقصان سامنے آیا کہ اس سے کئی لوگوں کی موت واقع ہوگئی، بجائے شفا دینے کے لوگوں کے لیے پیغامِ موت بن کر آئی۔ اب وہی ڈاکٹر صاحبان ہیں، گلا پھاڑ پھاڑ کر لوگوں کو روک رہے ہیں "ارے یہ دوا خطرناک ہے، بڑی مہلک ہے، بچو اس سے، دور بھاگو اس سے"۔ سو یہ ہیں آج کل کی جدید تحقیقات!

لوگوں کو کسی چیز کی اہمیت جتانے اور اس پر مطمئن کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں، قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے۔ پرانی چیز سے کسی کو خطرہ محسوس نہیں ہوتا، قدیم سے آنے والی اشیا دنیا کی مسلمات میں شمار ہوتی ہیں۔

اس لیے فرمایا روزے میں گناہ چھڑانے کی تاثیر، گناہوں سے بچنے کا تیر بہدف علاج بہت قدیم ہے۔ کوئی نیا علاج نہیں جو ابھی کسی نے دریافت کیا ہو۔

عشرۂ اخیرہ کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں گناہ بخشوانے کے یہ چند دن ہیں گنتی کے، ان کی قدر کرو! ان گنتی کے دنوں میں بھی آخری عشرے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسے النجاۃ من النار فرمایا گیا ہے۔ اس میں اعتکاف کی مشروعیت بھی اسی النجاۃ من النار کی ایک دلیل ہے۔ پہلے دونوں عشروں میں جس نے گناہ چھوڑنے کی نیت سے روزے رکھے، گناہ چھوٹ گئے کہ شکر ادا کرے کہ اس نے اپنی نجات کا سامان کر لیا۔ اب اس قابل ہے کہ ان کے دربار یعنی مسجد میں آکر مستقل ڈیرہ لگالے، گناہوں کی نجاست دھل گئی، پاک صاف ہوگئے، اب آؤ ہمارے دربار میں۔ اُن کی رحمت دیکھیے، عمر بھر کے گناہوں کی آلودگی، ۲۰ دن میں معمولی سی مشقت اور رگڑائی سے زائل کر دی۔ سالہا سال کی گندگی ۲۰ روز میں دُھل گئی، پاک صاف ہوگئے، صرف پاک ہی نہیں دربار کے قابل بھی بن گئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

عام خیال یہ ہے کہ جس نے روزے رکھ لیے اس کی مغفرت ہوگئی۔ یہ خیال صحیح نہیں بلکہ رمضان میں بعض لوگوں کی مغفرت ہو جاتی ہے، بعض کی نہیں ہوتی۔ مغفرت حاصل کرنے کے کچھ نسخے ہیں، اگر انسان وہ نسخے استعمال کرے تو مغفرت ہو جاتی ہے اور نسخے استعمال نہ کرے تو مغفرت نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ جس شخص نے لیلۃ القدر کو پالیا اس کی بھی مغفرت ہوگئی۔ اس لیے ۲۷ کی صبح کو لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے رہتے ہیں کہ آپ کو کچھ پتہ چلا، لیلۃ القدر آج تھی یا نہیں؟ پوچھتے ایسے ہیں جیسے سارے ہی جنید بغدادی بیٹھے ہوئے ہوں۔ مجھے بھی ایک بار کسی عورت نے ٹیلی فون پر بتایا کہ اُس نے آج رات لیلۃ القدر دیکھی ہے۔ اپنے خیال میں بہت بڑی ولیۃ اللہ گویا رابعہ بصریہ بنی بیٹھی تھیں۔ لیلۃ القدر کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، ایک دوسرے سے پوچھتے بھی رہتے ہیں۔ پھر اگر اپنے خیال میں لیلۃ القدر پا بھی لی تو اس کی قدر نہیں کرتے۔ گناہوں میں ویسے ہی گھرے رہتے ہیں، سچے دل سے توبہ نہیں کرتے، معلوم ہو جانے کے بعد بھی اپنی بے ڈھنگی چال نہ چھوڑنے اور گناہوں پر اصرار جاری رکھنا بڑی محرومی کی بات ہے۔ ذرا سوچیں جو رات ہے ہی مغفرت اور نجات کی رات، اسے ضائع کر دینا اور اس میں اپنی نجات کا سامان نہ کرنا کیسی بد بختی ہے؟

اب ایک نکتے کی بات بھی سمجھ لیں، کہ عام طور سے لیلۃ القدر کو ڈھونڈنے، پانے کا شوق کثرت سے حج و عمرہ کرنے کا شوق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ منورہ کی زیارت کا شوق، خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق...... یہ چاروں شوق دین داروں کی بہ نسبت بے دینوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ تجربہ کر لیجیے جو جتنا بے دین ہو گا اُس میں یہ چاروں شوق اُسی قدر زیادہ ہوں گے۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آپ سے ذکر پوچھے گا۔ کتابوں میں لکھے ہوئے وظیفے تلاش کرے گا، انہیں پورے اہتمام سے پڑھے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عشق میں مرا ہی جا رہا ہے۔ لیلۃ القدر کی تلاش میں تو مست اور سرشار بس ایک ہی وظیفہ جپ رہا ہے...... لیلۃ القدر لیلۃ القدر لیلۃ القدر!

آپ لوگ بھی تجربہ کر کے دیکھ لیں یا کسی سے پوچھ کر تحقیق کر لیں۔ حرمین شریفین میں جو لوگ بہت شوق سے جاتے ہیں ان میں بہت بڑی تعداد بے دین لوگوں کی ہوتی ہے۔ بعض عورتیں تو بالکل بے پردہ بلکہ برہنہ وہاں پہنچ جاتی ہیں۔ دین دار لوگ وہاں اتنے نہیں جاتے جتنے

بے دین جاتے ہیں۔ فکر آخرت میں ڈوبے ہوئے دین دار لوگوں کی حالت ان سے مختلف ہوتی ہے، وہ اس قسم کے شوق اور آرزوئیں باندھنے کی بجائے، اپنی ساری آرزوئیں، اپنی تمام تر قوتیں اس پر صرف کر دیتے ہیں کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں۔ لیلۃ القدر ملے نہ ملے، فرض حج ایک بار ادا کر لیا اب اس کے بعد جانا ہو یا نہ ہو، اسی طرح خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو یا نہ ہو۔ اس قسم کی غیر اختیاری باتوں میں پڑنے کی بجائے ان کی پوری توجہ اس پر مرکوز رہتی ہے کہ ہم سے کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی صادر نہ ہو۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں۔ ان کا مطمحِ نظر ہر قیمت پر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا حاصل کرنا ہے۔ دین دار لوگوں کا یہی شوق ہوتا ہے، انہیں یہی ایک دُھن ہوتی ہے کہ ہمارا محبوب راضی ہو جائے۔ اس غلط فہمی کا سبب ایک حدیث کا صحیح مطلب نہ سمجھنا ہے، وہ حدیث یہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"رمضان کے پہلے دس دن رحمت کے ہیں، بیچ کے دس دن مغفرت کے ہیں
اور آخری دس دن جہنم سے نجات کے ہیں۔" (ابن خزیمہ، بیہقی)

یہاں شاید کسی کو اشکال ہو اور نہ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور انعام کی باتیں سن کر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ یہ جو فرمایا کہ "آخری دس دن جہنم سے نجات کے ہیں" وہ تو ضروری نہیں کہ دس ہی دن ہوں، کبھی نو ہوتے ہیں کبھی دس۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ رمضان کا آخری عشرہ خواہ نو دن کا ہو یا دس دن کا...یعنی رمضان کا مہینہ خواہ تیس دن کا ہو یا انتیس دن کا.....اُن کی بارگاہ میں، اُن کے دفتر میں پورے تیس دن ہی لکھے جاتے ہیں۔ کیا کہنے ان کی رحمت کے۔ رکھیں آپ انتیس روزے، وہاں لکھ دیے جاتے ہیں پورے تیس۔ ثواب آپ کو پورے تیس کا ہی ملتا ہے۔ اس آخری عشرے کے بارے میں فرمایا کہ یہ عشرہ جہنم سے نجات کا عشرہ ہے۔

ایک تو لوگ اس حدیث کا مطلب غلط سمجھ بیٹھے ہیں کہ گناہ چھوڑنے چھڑانے کی کوئی ضرورت نہیں، بس جس نے روزے رکھ لیے اُس کے سارے گناہ دُھل گئے، جہنم سے نجات ہو گئی، اُسے گناہ چھوڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

دوسرے عید کے دن ہمارے مولوی صاحبان جو بیان فرماتے ہیں تو سبحان اللہ کیا کہنا! بیان فضائل کا اور انداز بیان ان حضرات کا، یہ تو سونے پر سہاگہ ہو گیا۔ وہ حضرات عوام میں بیان فرماتے ہیں کہ عید کی رات جس نے عبادت میں گزار دی اس کے سارے گناہ معاف کر دیے گئے اور جو مسلمان عید کے اجتماع میں آ گئے تو وہ سارے ہی بخش دیے گئے، کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کی بخشش نہ کر دی گئی ہو۔ بڑے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ حضرات بشارت والی حدیثیں تو عوام میں بیان کرتے ہیں مگر قرآن و حدیث میں گناہوں پر جو سخت وعیدیں آئی ہیں، وہ بیان نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ سامنے آ رہا ہے کہ عوام گناہوں پر دلیر ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ایسی بشارتیں سن لینے کے بعد ان کے دل سے رہا سہا خوف بھی نکل جاتا ہے کہ جی بھر کے گناہ کرتے رہو، سال بعد عید کے اجتماع میں سب کچھ معاف ہو جائے گا۔

یاد رکھیے! کسی آیت یا حدیث کو سمجھنے کے لیے پورے قرآن اور ذخیرۂ حدیث پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سارے کے سارے ہی واجب العمل ہیں۔ اس میں کسی کی مرضی نہیں چل سکتی کہ قرآن و حدیث میں سے جو بظاہر میٹھا میٹھا لگے وہ تو لے لے اور باقی سارے احکام نظر انداز کر دے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے ارشادات سامنے رکھے جائیں تو سمجھ میں آئے کہ اس حدیث کا صحیح مطلب کیا ہے۔ ایک ارشاد سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پورا قرآن اور پورا ذخیرۂ حدیث سامنے رکھا جائے۔ ورنہ اپنی مرضی کا مطلب لے لیا جائے تو قرآن اور حدیث کی نصوص ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گی مگر آج کے مسلمان کو یہ موٹی سی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات کو چھوڑ کر چند باتوں پر قانع ہو گیا ہے کہ جس نے روزے رکھ لیے اس کی مغفرت ہو گئی اور عید کی رات جو تھوڑا سا جاگ لے اُس کی بھی مغفرت ہو گئی۔ پھر عید کی نماز کے لیے جو چلا گیا وہ تو بالکل بخشا بخشایا ہے، جنت اُس پر واجب ہو گئی، سبحان اللہ! مغفرت بڑی سستی ہو گئی ہے!

گناہ کا حملہ:

میں ایک بات ہمیشہ کہتا ہوں کہ گناہ کا پہلا حملہ اور اس کا پہلا وبال عقل پر پڑتا ہے۔ یہ بات یاد کر لیں اور ہر روز اسے ایک بار سوچ لیا کریں، سب لوگ دعا کریں کہ یا اللہ! روزانہ کسی وقت بیٹھ کر ہمیں یہ حقیقت سوچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرما دے کہ گناہ کا سب سے پہلا وار انسان کی عقل پر پڑتا ہے۔ آپ دیکھ لیں کہ جو گناہ کرتا ہے اس میں عقل نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نَسُوا اللّٰہَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ (سورۃ الحشر: ۱۹)

"اُنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عقل کو مسخ کر دیا۔"

وہ اپنے نفع و نقصان میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اب دیکھیے! اگر ان لوگوں میں ذرا سی بھی عقل ہوتی تو سوچتے کہ اگر عید کے دن سب کی مغفرت ہو گئی تو جہنم میں کون جائے گا؟ پھر وہ کس کے لیے ہے؟ شاید آپ یہ کہہ دیں کہ یہ یہودی، عیسائی اور ہندو سکھ جائیں گے اور دل میں خوش ہو رہے ہوں گے کہ چلیے اشکال کا جواب ہو گیا۔ یہ خیال سراسر غلط ہے، اس لیے کہ قرآن و حدیث کے ذخیروں میں جہنم سے نجات کے لیے ایمان کے ساتھ تقویٰ یعنی گناہوں سے بچنے کی شرط بھی لگائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں حدیث میں ہے کہ بعض مومن بھی جہنم میں جائیں گے اور غوطے لگوا لگوا کر جہنم سے نکالے جائیں گے اور بعض تو ایسے نکالے جائیں گے کہ جہنم میں

جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے،(متفق علیہ)۔اگر روزے رکھ لینے اور عید پڑھ لینے سے سب مسلمانوں کی مغفرت ہو جائے تو پھر قرآن وحدیث کے ان ارشادات کا کیا مطلب ہے؟

احادیث متعلقہ ترک گناہ:

اگر میری بات کا اعتبار نہیں آرہا تو چند حدیثیں مزید سن لیجیے:

1. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے بد دعا کی کہ یا اللہ!جس قوم پر پورا رمضان گزر گیا اور اس نے اپنی مغفرت نہیں کروائی وہ تباہ ہو۔جبرئیل علیہ السلام نے بد دعا کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آمین کہی۔(حاکم،ابن حبان)

اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ پورا رمضان گزر جانے کے باوجود ان کی مغفرت نہیں ہوتی۔

2. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ جہنم سے بچنے کے لیے ڈھال ہے۔ہاں!اگر کسی نے ڈھال کو پھاڑ ڈالا تو جہنم سے نہیں بچے گا۔صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ!یہ ڈھال کیسے پھٹتی ہے؟فرمایا جھوٹ یا غیبت سے۔(طبرانی)

حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جو لوگ رمضان میں گناہ نہیں چھوڑتے،روزہ انہیں جہنم سے نہیں بچائے گا نہ ہی ان کی مغفرت ہو گی۔

3. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ اور جہالت کے کاموں سے باز نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔(بخاری،ابوداود،ترمذی)

وہ دن بھر بھوکا پیاسا مرتا رہے،روزہ سے جو مقصد تھا یعنی مغفرت و نجات وہ مقصد حاصل نہیں ہو گا۔

4. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی دو عورتوں نے روزہ رکھا،انہیں سخت تکلیف شروع ہو گئی اور پیاس سے مرنے لگیں،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض فرمایا اور کچھ توجہ نہ دی۔اس شخص نے دوبارہ حاضر ہو کر کہا کہ یارسول اللہ!اللہ کی قسم وہ تو بالکل مررہی ہیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلوایا،جب آئیں تو پیالے میں انہیں قے کرنے کا حکم فرمایا،جب دونوں نے قے کی تو پیالہ خون،پیپ اور گوشت سے بھر گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں سے تو روزہ رکھا مگر حرام چیز(غیبت)سے افطار کیا،دونوں بیٹھ کر گوشت کھاتی رہیں(غیبت میں مشغول رہیں)۔(مسند احمد)

دیکھیے غیبت پر دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آفت آئی تو آخرت میں اس گناہ پر کیا عذاب ہو گا،خود سوچ لیجیے۔معلوم ہوا صرف روزے رکھنے سے اور عید کی نماز پڑھنے سے نجات نہیں ہو گی بلکہ نیکیوں کے ساتھ ساتھ گناہوں سے بچنے کا بھی اہتمام ضروری ہے ورنہ نیکیوں کا انجام وہی ہو گا جو ابھی سن چکے۔

یہ جو حدیثیں میں نے سنائی ہیں یہ تو اس بارے میں حدیثوں کے بہت بڑے ذخیرے میں سے بہت تھوڑی سی ہیں۔ان کے علاوہ قرآن مجید کی آیات بھی بہت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑے بغیر دنیا کی جہنم سے نجات مل سکتی ہے نہ آخرت کی جہنم سے۔یہ فیصلہ قرآن مجید میں بار بار کئی بار دہرایا گیا ہے،مضمون بہت لمبا ہو رہا ہے اس لیے صرف ایک جگہ سے پڑھتا ہوں،ارشاد ہے:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ○الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ○لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ○(سورۃ یونس:۶۲ تا ۶۴)

”یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کوئی خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں ہوں۔یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے،اور تقوی اختیار کیے رہے۔ان کے لیے خوش خبری ہے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی،اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی،یہی زبردست کامیابی ہے۔“

یہ سورۂ یونس کی آیات ہیں،سورہ اس لیے بتارہا ہوں کہ شاید کسی کو شبہہ ہو رہا ہو کہ یہ معلوم نہیں کہاں سے قرآن لے آتا ہے،یہ کوئی شیعہ تو نہیں کہ غار میں چھپے ہوئے قرآن سے بتاتا ہو؟یہ جو قرآن میں آپ لوگوں کے سامنے پڑھتا ہوں یہ غار والا قرآن نہیں،یہ وہی قرآن ہے جس کو پڑھ پڑھ کر آپ لڈو کھاتے ہیں۔سنیے!فرمایا:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ○الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ○

خبردار!کان کھول کر یہ بات سن لو،اس میں کوئی شک نہیں،یہ بات یقینی ہے کہ اللہ کے دوستوں کو دنیا و آخرت میں نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔اللہ کے دوست کون ہوتے ہیں؟جن میں ایمان ہو اور ساتھ ساتھ گناہوں سے بھی بچتے ہوں،جو گناہوں سے نہیں بچتا اس کا ایمان اس کو جہنم سے نہیں بچا سکتا،اس کو رمضان بھی جہنم سے نہیں بچا سکتا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے شروع ہی میں قرآن کے بارے میں یہ فیصلہ سنا دیا:هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

قرآن مجید سے ہدایت اُن لوگوں کو ہوتی ہے جو گناہ چھوڑنا چاہتے ہیں اور جو گناہ نہیں چھوڑنا چاہتے ان کو قرآن سے کوئی ہدایت نہیں ہوتی۔یااللہ!ہم سب کو متقین کی فہرست میں داخل فرما،تقویٰ عطا فرما،گناہوں سے بچنے کی توفیق اور ہمت عطا فرما،اپنا ایسا خوف عطا فرما جو گناہوں سے بچا دے،اپنی ایسی محبت عطا فرما جو گناہوں سے بچا دے،اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی محبت عطا فرما کہ چھوٹے سے چھوٹے گناہ بلکہ گناہ کے تصور سے بھی شرم آنے لگے،آمین۔

روزوں کی حکمت

مجاہد عالم ربّانی شیخ خالد الحسینان شہید رحمہ اللہ

الحمد لله رب العالمين حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه ، واشهد ان لااله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله اما بعد !

میرے عزیز دوستو! رمضان ایک موقع یا ایک بھرپور تربیتی کورس ہے۔ میں رمضان کو بھرپور تربیتی کورس شمار کرتا ہوں روزوں کی حکمت تقویٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ○(سورۃ البقرۃ:۱۸۳)

”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔“

چنانچہ روزوں کی حکمت یہ ہے کہ وہ انسان میں تقویٰ اجاگر کرتا ہے یعنی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ڈر۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ان عبادات میں ہماری تربیت کرتا ہے۔ یہ عبادات جو ہمارے رب نے ہم پر فرض کی ہیں ان کا مقصد نفوس کا تزکیہ اور دلوں کی تربیت کرنا ہے یہاں تک کہ انسان اپنے اخلاق و کردار کے ذریعے اخلاقی سطح کی بلندیوں پر فائز ہو جائے۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ہم پر زکوٰۃ فرض قرار دی ہے تاکہ انسان بخل و لالچ سے پاک ہو جائے اور خرچ کرنے کا عادی ہو جائے۔ سخی، کشادہ دل ہو جائے اور اسے اپنے کمزور اور فقیر مسلمان بھائیوں کی فکر لاحق ہو۔

روزوں کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے۔ اللہ عزّوجلّ روزوں میں ہماری تربیت تقویٰ پر کرتا ہے تاکہ انسان صرف اپنے رب سے ڈرے اور ہر چھوٹے بڑے کام میں اس کا تقویٰ اختیار کرے۔ چنانچہ رمضان بھرپور تربیتی کورس شمار ہو گا۔ اس طرح کہ بہت سے لوگ رمضان سے قبل آپ سے کہیں گے میں نماز فجر مسجد میں نہیں پڑھ سکتا وہ نماز فجر میں سستی کرتا ہے لیکن رمضان کی آمد ہوتے ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس انسان کے پاس ہمت و حوصلہ ہے آپ اسے رمضان میں نماز فجر باجماعت ادا کرتے ہوئے پائیں گے؛ وہ نماز جس میں وہ سستی کرتا تھا۔

سگریٹ پینے والے بہت سے افراد ایسے ہیں کہ جن سے اگر آپ کہیں تم سگریٹ نوشی کیوں نہیں چھوڑتے تو وہ آپ سے کہیں گے کہ میں سگریٹ نوشی نہیں چھوڑ سکتا میں اس کا عادی ہو چکا ہوں لیکن رمضان کی آمد ہوتے ہی وہ اسے (روزے کی حالت میں) چھوڑ دیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ رمضان بہت سے لوگوں کو بے نقاب کر دیتا ہے۔ اس طرح کہ کئی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ فلاں کام نہیں کر سکتے لیکن رمضان میں آپ اسے دیکھتے ہیں کہ سگریٹ نوشی نہ کرنے پر وہ تقریباً دس گھنٹے سے زائد صبر کرتا ہے اور ایسا وہ مجبور ہو کر نہیں بلکہ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ وہ چاہے تو کسی دور جنگل کی طرف یا تہہ خانے وغیرہ میں جا کر سگریٹ نوشی کر سکتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے لہٰذا وہ سگریٹ نوشی چھوڑ دیتا ہے۔

اس کا مطلب وہ اپنے نفس پر قابو رکھ سکتا ہے اور اپنے نفس کو بہت سی فرماں برداریوں اور ان عبادات پر مجبور کر سکتا ہے جن میں رمضان سے قبل سستی کرتا تھا۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ رمضان میں اپنی آنکھیں نیچی رکھتا ہے، گالی نہیں دیتا، اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے (سبحان اللہ)۔ بہت سے حرام کام ترک کر دیتا ہے وہ آپ سے پوچھے گا کہ ایسا کیوں ہے؟ پھر خود ہی کہے گا کہ ’اللہ کی قسم ہم ابھی رمضان کے مہینے میں ہیں‘۔

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ رمضان انسان کی عبادت و اطاعت پر تربیت کرتا ہے وہ اس بات پر آپ کی تربیت کرتا ہے کہ آپ کے پاس قوت و طاقت اور حوصلہ ہو۔

اس لیے ہمیں ان ایمانی فضاؤں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یہ تربیتی فضائیں ہیں جن میں انسان اطاعت کرنا سیکھتا ہے اور عبادات پر اپنے نفس کی تربیت کرتا ہے تاکہ رمضان کے بعد اس پر عمل کرنا آسان ہو۔

حقیقت یہ ہے عزیز دوستو! جیسا کہ میں نے آپ سے کہا کہ ماہ رمضان مسلمان کو بہت سے ایسے کاموں کی عادت ڈالتا ہے جن کا وہ عادی نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب رمضان آتا ہے تو آپ اسے قیام اللیل کرتا ہوا دیکھیں گے۔ آپ اسے دیکھیں گے کہ اس نے روزانہ تلاوت قرآن کے لیے ایک وقت مخصوص کیا ہوا ہے۔ آپ اسے بہت سے حرام کاموں سے بچتا ہوا پائیں گے۔ اس کی حالت، اس کے اخلاق اور اس کے رویے تک کو بدلا ہوا پائیں گے۔

یہ ایک موقع ہے جس میں آپ یہ نیک اعمال جاری رکھیں اور حرام کاموں سے پرہیز کریں کیونکہ آپ نے اس ماہِ رمضان کے بھرپور تربیتی کورس میں اس چیز کی تیاری کی ہے جس کے آپ عادی نہیں تھے۔ میں اللہ رب العرش العظیم سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں ان کاموں کی توفیق دے جس سے وہ راضی و خوش ہوتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

میدانِ بدر میں الولاء والبراء کی عملی تصویر کشی

حافظ طیب نواز شہید رحمہ اللہ

موالات ومعادات اسلامی عقیدے کی اساس اور ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے لوازمات اور شرائط میں سے ہے، حتیٰ کہ بعض علما کا کہنا ہے کہ اثباتِ توحید اور ردِّ شرک کے بعد قرآنِ مجید میں جتنا زور ولاء وبراء پر دیا گیا ہے اتنا زور کسی دوسرے مسئلے پر نہیں ہے۔ اگر غور وفکر سے کام لیا جائے تو قرآنِ مجید کا ایک بہت بڑا حصہ احکامِ ولاء وبراء پر مشتمل ہے۔ حتیٰ کہ بعض مستقل سورتیں ہی اس مسئلے کے اثبات کے لیے نازل ہوئی ہیں؛ جیسے سورۃ التوبۃ، الممتحنۃ اور الکافرون وغیرہ۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ......(سورۃ الممتحنۃ:۴)

''تم لوگوں کے لیے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو، قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَوْثَقُ عُرَی الْاِیْمَانِ الْمُوَالَاۃُ فِی اللّٰہِ وَالْمُعَادَاۃُ فِی اللّٰہِ وَالْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ.

''ایمان کا سب سے مضبوط کڑا اللہ کی رضا کی خاطر موالات ومعادات (وفاداری وبے زاری) اور اللہ ہی کی رضا کی خاطر محبت ودشمنی رکھنا۔''

(الطبرانی الکبیر: ۱۱۵۳۷، ۱۱/ ۱۷۲)

یہ عقیدہ الولاء والبراء، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے رگ وریشے میں رچ بس گیا تھا۔ اُنہوں نے اپنی زندگی کو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف کر دیا تھا۔ روزمرہ کے تعلقات ومعاملات ہوں یا دلی ہمدردیاں، خویش واقارب کی محبتیں ہوں یا کسی سے دشمنی اور عداوت کا معاملہ، اُن کی سیرت کو جس پہلو سے بھی دیکھیں، عقیدۂ الولاء البراء ہی کو بنیاد بنا کر وہ ان مراحلِ زندگی سے سرخروئی کے ساتھ گزرے۔

اللہ کے لیے محبت اور دوستی اور اللہ ہی کے لیے عداوت اور دشمنی کی واضح ترین مثالیں رمضان المبارک میں بپا ہونے والے غزوۂ بدر کے موقع پر سامنے آئیں۔ جب حضرت ابوعبیدہؓ ابن الجراح نے اپنے باپ عبد اللہ ابن الجراح کو تہہ تیغ کر دیا تھا۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ والد کفر کا جھنڈا اٹھا کر آیا تھا اور ابوعبیدہؓ نے اپنی باگ ڈور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دی تھی۔

اسی طرح حضرت مصعبؓ بن عمیر نے بدر کے دن اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کر دیا تھا۔ ان کا ایک دوسرا بھائی زرارہ بن عمیر المعروف ابوعزیز مکی بھی کافروں کی طرف سے شریکِ معرکہ تھا۔ اسے جب حضرت ابوایوب انصاریؓ جنگ کے بعد گرفتار کر کے باندھ رہے تھے تو حضرت مصعبؓ کی نظر بھی اس پر پڑی۔ انہوں نے اپنے انصاری بھائی سے کہا ''اے بھائی! اس جنگی قیدی کو مضبوطی سے باندھنا، اس کی ماں بڑی مال دار ہیں''۔ یہ سن کر زرارہ نے تعجب اور غصے سے کہا ''تمہارا خون کس قدر سفید ہو گیا ہے کہ تم ایک غیر کو اپنے بھائی کے خلاف اکسا رہے ہو''۔ تو حضرت مصعبؓ نے فرمایا کہ ''نہیں تم غلط کہہ رہے ہو، تم میرے بھائی نہیں ہو بلکہ میرا بھائی تو وہ ہے جو تمہیں باندھ رہا ہے''۔

اسی غزوہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبد الرحمن بھی غزوۂ بدر میں کفار کی جانب سے شریک تھے۔ بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تو ایک دن بیٹے نے باپ کو بتایا کہ آپ غزوۂ بدر میں میری تلوار کی زد میں آ گئے تھے لیکن میں نے حق پدری کا لحاظ کر کے چھوڑ دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ ''اگر تو میری زد میں آ جاتا تو میں تجھے قتل کر دیتا اور بیٹا ہونے کا بالکل لحاظ نہ کرتا کہ میری محبت کا مظہر تو نہیں بلکہ اسلام، اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ہیں''۔

اس معرکے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے نوازا اور کفار کو شرم ناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ کفار کے ستّر (۷۰) افراد قید ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحابؓ سے مشورہ کیا۔ صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کرے، علیؓ کو حکم دیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل کی گردن ماریں اور مجھ کو اجازت دیں کہ میں اپنے فلاں عزیز کی گردن ماروں اس لیے کہ یہ لوگ کفر کے پیشوا اور امام ہیں''۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اسی ایمانی غیرت اور دین ہی کی بنیاد پر سب کچھ لُٹا دینے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات اور جہادات اپنی ہی قوم اور اپنے ہی خویش واقارب اور اپنے ہی اعزا اور (باقی صفحہ نمبر 38 پر)

❶ [۱] حضرتِ عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے قبل غسل فرمایا کرتے تھے۔ (مؤطا امام مالک) [۲] اور آپؓ عیدین کے موقع پر اچھے سے اچھا لباس زیبِ تن کرتے تھے۔ (بیہقی)

❷ [۱] عیدین کے دن زیب و زینت اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ (فتح الباری از ابنِ رجب) [۲] عید کے دن زیب و زینت کرنا مستحب ہے مگر لباس مشروع (شریعت کے تابع) ہو۔ (مدارج النبوۃ) [۳] اسی طرح عورتوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی زیب و زینت اور خوشبو غیر محرم مردوں کے سامنے ظاہر کریں۔

❸ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین عید کے موقع پر جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو کہتے:

"تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَ مِنکُم"

(فتح الباری از ابنِ حجر)

❹ عید کے دنوں میں اہلِ خانہ کے لیے ہر قسم کی فراوانی کریں تا کہ ان کا دل خوشگوار ہو جائے۔ عید کے دنوں میں اظہارِ مسرت دینی شعائر میں سے ہے۔ (فتح الباری از ابنِ حجر)

❺ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ روزِ عید الفطر، عید گاہ جانے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرماتے تھے، ان کی تعداد طاق ہوتی یعنی تین، پانچ، سات وغیرہ۔ (بخاری و طبرانی)

❻ نبیٔ مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ نمازِ عید، عید گاہ (میدان) میں ادا فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم) عید گاہ میں نمازِ عید ادا کرنا افضل ہے لیکن اگر کوئی عذر لاحق ہو تو مسجد میں بھی جائز ہے۔ (ابو داؤد و مدارج النبوۃ)

❼ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ تک پا پیادہ (یعنی پیدل) تشریف لے جاتے۔ (سننِ ابنِ ماجہ) عید گاہ کے لیے پیدل جانا سنت ہے اور بعض علما نے اسے مستحب کہا ہے۔

❽ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس راہ سے عید گاہ تشریف لے جاتے اس راہ سے واپس تشریف نہ لاتے، بلکہ دوسرے راستے سے تشریف لاتے۔ (بخاری و ترمذی)

❾ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اتباعِ سنت کی شدت کے باعث طلوعِ شمس سے قبل گھر سے نہ نکلتے اور گھر سے نکلتے ہی عید گاہ تک تکبیر کہتے رہتے۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر، اللہ اکبر، وللہ الحمد!

(ابو داؤد و زاد المعاد)

❿ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ادا کرنا فرض فرمایا اور حکم فرمایا کہ اسے عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ (بخاری)

تحریکِ سیّد احمد شہیدؒ......ایک مختصر تعارف

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان شہید رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نظر تحریر نابغۂ روزگار مفکر و داعی الی اللہ، مجاہد فی سبیل اللہ ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جنہیں وابستگانِ جہاد 'ڈاکٹر ابو خالد' کے نام سے جانتے ہیں۔ تحقیق و تاریخ، علیمت و ادارت (مینجمنٹ) ڈاکٹر صاحب کا ذوق تھا، جبکہ بہ اعتبارِ فن آپ ایک میڈیکل ڈاکٹر تھے اور اسی فن میں تخصص کے لحاظ سے سرجن۔ مجاہدین اور مسلمان عوام نے آپ کی ان دونوں نمایاں خوبیوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ بلا مبالغہ سیکڑوں جراحی کے آپریشنز آپ نے ایسی جگھوں پر سرانجام دیے جہاں بنیادی طبی سہولیات بھی موجود نہ ہوتی تھیں۔ اپنی ساری زندگی اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت کی محنت میں کھپانے کے بعد بالآخر آپ ۲۰۱۴ء کے نصفِ آخر میں پاکستان اور افغانستان کے بارڈر کے علاقے میں امریکی و افغان فوج کے مشترکہ فوجی آپریشن میں اپنے بہنوئی اور دوست و ساتھی میجر عادل عبد القدوس اور اپنے دو قریب از سنِ بلوغ بیٹوں سمیت خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (ادارہ)

سید احمد شہید رحمہ اللہ کی تحریکِ مجاہدین اور شجرِ جہاد کا آغاز

تحریکِ مجاہدین دراصل علمائے حق اور مجاہدینِ اسلام کی وہ فوج ہے جو قرآن و سنت اور حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزند شاہ عبد العزیز رحمہما اللہ کے دیے ہوئے لائحۂ عمل کی روشنی میں ہندوستان کو دوبارہ دار الاسلام میں تبدیل کرنے کے لیے اٹھی۔ یہ تحریک برصغیر پاک و ہند سے انگریزوں کو نکالنے اور غلبۂ دین کی جدوجہد کا وہ مضبوط تنا ہے جس نے نہ صرف برصغیر پاک و ہند کے تمام راسخ العقیدہ مسلمانوں کی فکری راہنمائی کی بلکہ عالمی استعماری طاقتوں کے خلاف جہاد کو کھڑا کیا۔ قیامِ پاکستان سے پہلے اور قیامِ پاکستان کے بعد پاک و ہند کے راسخ العقیدہ مکاتبِ فکر اسی شجر کی شاخیں ہیں، چاہے وہ مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا دیوبندی مکتبۂ فکر ہو یا مولانا جعفر تھانیسری رحمہ اللہ کا اہلِ حدیث مکتبۂ فکر اور چاہے وہ قبائل کا انگریزوں کے خلاف جہاد ہو۔ ان تمام کی آبیاری قرآن و سنت سے کی گئی ہے اور ان تمام مکاتبِ فکر میں ایک اہم قدرِ مشترک شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کا مسلّم فتویٰ اور اس کے نتیجے میں دار الحرب کو دار الاسلام میں تبدیل کرنے کا لائحۂ عمل ہے۔

سید احمد شہید رحمہ اللہ رائے بریلی کے سید خاندان میں ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ شروع ہی سے اللہ نے انہیں غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ تعلیم کے لیے دہلی میں شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس شاگرد میں صلاحیتوں کو دیکھ کر خاص نظرِ عنایت فرمائی۔ آپ نے جلد ہی علم اور تزکیے کی منزلیں طے کر لیں۔ اپنے اس شاگردِ رشید میں تقویٰ، پرہیز گاری اور رجوع الی اللہ دیکھ کر شاہ صاحب نے اپنے بھتیجے شاہ اسماعیل شہید اور داماد مولانا عبد الحئی رحمہما اللہ کو اپنی زندگی میں ہی سید احمد شہید رحمہ اللہ سے بیعت کرنے کی ہدایت جاری فرمائی۔ یہ دونوں حضرات خود بھی وقت کے کبار علماء میں شمار ہوتے تھے۔ اس طرح اللہ نے ایک ایسا پاکیزہ گروہ پیدا کر دیا جسے مسلمانوں کی راہنمائی کرنا تھی۔ سید احمد شہید رحمہ اللہ نے اپنے کام کا آغاز دعوت اور تبلیغ سے کیا۔ پورے ہندوستان کے دورے کیے اور لوگوں کو قرآن و سنت، جہاد اور قتال کی دعوت دی۔ ہزاروں مسلمانانِ ہند نے ان کے ہاتھ پر شرک اور بدعت سے توبہ کی اور ہزاروں نے کفار کے ساتھ جہاد کا عہد کیا۔

شجرِ جہاد کے مراکز اور حلقے

رفتہ رفتہ یہ دعوت پورے ہندوستان میں پھیلنا شروع ہو گئی اور اس کے کئی مراکز قائم ہو گئے۔ ان میں سے تین مراکز سب سے بڑے تھے۔ پہلا مرکز دہلی میں شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کا مدرسہ رحیمیہ، دوسرا بہار میں صادق پور پٹنہ اور تیسرا مرکز قبائل اور صوبہ سرحد میں تھا۔ دہلی اور پٹنہ کے دونوں مراکز ہندوستان میں جہاد باللسان اور جہاد بالمال یعنی تحریض علی الجہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کے تحت اپنے فرائض انجام دے رہے تھے، جبکہ قبائل میں موجود مجاہدین کے مراکز جہاد بالسیف یعنی عملی جہاد اور قتال میں مصروف تھے۔

دہلی کا مرکز

دہلی کے اس مرکز کے دو ادوار ہیں۔ پہلا جہادی دور ہے جو ۱۸۳۱ء میں جنگِ بالاکوٹ سے ۱۸۵۷ء میں جنگِ آزادی تک جاری رہا۔ اس حلقے نے شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کے نواسے 'شاہ محمد اسحاق' کی قیادت میں اپنا کام پہلے کی طرح جاری رکھا۔ یہ مرکز دہلی کی وہی مسجد و مدرسہ تھا جس کے سرپرست شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز رحمہما اللہ ہوا کرتے تھے۔ اس حلقے نے مالی امداد بھی جاری رکھی اور مجاہدین کی نئی کھیپ بھی گاہے بگاہے بھیجتا رہا۔ دوسرا علمی دور ہے جو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد شروع ہوا۔ اس دور میں اس حلقے کی قیادت اکابرینِ دیوبند کے ہاتھ میں آ گئی جنہوں نے علم و عمل کے میدان کو سنبھالے رکھا اور اس کا خوب حق ادا کیا۔

صادق پور پٹنہ کا مرکز

صادق پور کے اس مرکز کی قیادت سید احمد شہید رحمہ اللہ کے بیعت یافتہ اور مولانا اسحاق رحمہ اللہ کے شاگرد مولانا عنایت علی اور مولانا ولایت علی رحمہما اللہ کر رہے تھے۔ ان دونوں بھائیوں کو سید صاحب نے صادق پور میں رہ کر جہاد کے دعوتی کام کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ دونوں حضرات معرکۂ بالاکوٹ کے وقت موجود نہ تھے، البتہ سید صاحب کی شہادت کے بعد ۱۸۴۱ء سے ۱۹۰۲ء تک ۶۹ سال کے لیے اسی مرکز نے تحریکِ مجاہدین کی عملی قیادت کی۔ ۱۸۶۳ء کی جنگِ امبیلہ میں شکست کے بعد انگریزوں نے صادق پور پٹنہ کے اس مرکز کے خلاف جھوٹے مقدمات کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ بہت سے علما کو 'کالا پانی' کی سزا کے طور پر 'جزائر انڈمان' (Andaman) بھیج دیا گیا۔

انھی مقدمات میں شامل مولانا جعفر تھانیسری رحمہ اللہ اور حضرت شاہ اسحاق رحمہ اللہ کے شاگرد مولانا نذیر حسین رحمہ اللہ نے جماعتِ اہل حدیث ہند کی بنیاد رکھی۔

قبائل کا جہادی مرکز

شجرِ جہاد کا تیسرا مرکز آج کے صوبہ سرحد اور قبائل میں پھیلا ہوا تھا۔ شروع شروع میں یہ صرف ضلع مردان، صوابی، نوشہرہ اور بونیر تک پھیلا ہوا تھا مگر رفتہ رفتہ دعوتِ جہاد کی برکت سے یہ حلقہ وسیع ہوتا چلا گیا اور مشرق میں پورے ہزارہ اور کشمیر تک پھیل گیا جبکہ مغرب میں سوات، باجوڑ، مہمند، خیبر اور وزیرستان تک پھیل گیا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں تقریباً ایک صدی تک مجاہدینِ اسلام نے جہاد کی برکت سے انگریزوں کے مقاصد کے آگے بند باندھے رکھا۔

مقاصد و منہجِ جہاد

شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کے اس فتویٰ کے نتیجے میں آپ کے شاگردِ رشید سید احمد شہید، داماد شیخ الاسلام مولانا عبد الحئ اور بھتیجے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہم اللہ نے عملی جہاد کی طرف قدم اٹھایا۔ ان کا منہج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سنت کے متبعین سلفِ صالحین رحمہم اللہ کا منہج تھا یعنی ہجرت، اعداد اور جہاد۔ ان کے مقاصد بھی وہی تھے جو اسلام نے جہاد کے لیے متعین کیے ہیں۔ مولانا غلام رسول مہرؒ نے اپنی کتاب سیرتِ سید احمد شہید کے ص ۲۵۲ پر سید احمد شہید رحمہ اللہ کے خطوط سے وہ جملے نقل کیے ہیں جن میں سید صاحب نے خود مقاصد بیان کیے ہیں۔ مثلاً سید احمد شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

- ''اگر اسلامی ملک آزاد ہو جائے اور ریاست وسیاست اور قضا وعدالت میں شرعی قوانین کو مدارِ عمل بنالیا جائے تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ خود مالکِ سلطنت بننے کے بجائے مجھے یہ پسند ہے کہ تمام اقطاع میں عادل فرماں رواؤں کی حکمرانی کا سکہ جاری ہو جائے۔''
- ''میں ہفت اقلیم کی سلطانی کو پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ جب نصرتِ دین کا دور شروع ہو جائے اور سرکشوں کے اقتدار کی جڑ کٹ جائے گی تو میری سعی کا تیر خود بخود نشانۂ مراد پر جا بیٹھے گا۔''

تاریخ دعوت وعزیمت از مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ حصہ ششم جلد اول ص ۴۰۸ میں سید احمد شہید رحمہ اللہ کی زبانی یہ مقاصد نقل کیے گئے ہیں:

- ''ہمارا جھگڑا امراء ورؤساء سے نہیں بلکہ ہم کو لمبے بال والوں (سکھ) بلکہ تمام فتنہ انگیز کافروں سے جنگ کرنا ہے، نہ کہ اپنے کلمہ گو بھائیوں سے اور ہم مذہب مسلمانوں سے۔''
- ''اس ملک (یعنی مغربی ہند) کو مشرکین کی نجاستوں سے پاک اور منافقین کی گندگی سے صاف کرنے کے بعد حکومت وسلطنت کا استحقاق، ریاست اور انتظامِ سلطنت کی استعداد رکھنے والوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ احسانِ خداوندی کا شکر بجالائیں گے اور ہر حال میں جہاد کو قائم رکھیں گے اور کبھی اس کو موقوف نہیں کریں گے اور انصاف ومقدمات کے فیصلے میں شرع شریف کے قوانین سے بال بھر بھی تجاوز اور انحراف نہیں کریں گے اور ظلم وفسق سے کلیتاً اجتناب کریں گے۔ اس کے بعد میں اپنے مجاہدین کے ساتھ ہندوستان کا رخ کروں گا تاکہ اس کو شرک اور کفر سے پاک کیا جائے۔ اس لیے کہ میرا مقصود اصلی ہندوستان پر جہاد ہے، نہ کہ ملک خراسان میں سکونت اختیار کرنا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ سید صاحب کے تصور میں ہندوستان دار الحرب تھا جہاں کافروں کا غلبہ تھا اور جسے دار الاسلام میں تبدیل کرنے کے لیے جہاد لازمی تھا۔ پھر یہ کہ دار الاسلام سے مراد یہ تھا کہ وہ اسلامی امارت کے قیام کے خواہاں تھے، جہاں شرعی قوانین نافذ ہوں۔

ہجرت، اعداد اور جہاد

جہاد کے لیے اعداد (یعنی تیاری) اور اعداد کے لیے ہجرت لازمی بھی تھی اور یہی صحابہؓ کا طریقہ ہے۔ خود سید صاحب نے یہ تصریح کی تھی کہ ہجرت سنت کے مطابق ہونی چاہیے۔ چنانچہ ہجرت واعداد کے لیے سب سے پہلے سرحد کے علاقے کو منتخب کیا گیا اور اس کی کئی وجوہات تھیں۔ اگرچہ سید صاحب کے ساتھیوں نے یہ تجویز دی تھی کہ ہندوستان میں ہی رہ کر جہاد کیا جائے جس کے لیے ان کے بقول وہ اسلحہ اور مال فراہم کرنے پر قادر تھے، تاہم سید صاحب نے سرحد کو کئی خصوصیات کی وجہ سے منتخب کیا، جو آپ کے فرمودات کے مطابق حسبِ ذیل ہیں:

- جہاد کی تیاری (اعداد) کے لیے سرحد جغرافیائی اور عسکری نقطۂ نگاہ سے موزوں اور مامون علاقہ تھا جبکہ ہندوستان میں بلوے اور فساد کا اندیشہ تھا۔
- سرحد میں مسلمانوں کی اکثریت تھی جو سکھوں کے مظالم سے تنگ آچکے تھے اور یہاں کے عوام فطرتاً جنگجو اور خلوص کے ساتھ آمادہ ہونے والے تھے۔
- سرحد کے شمال وجنوب میں بھی مسلمان اکثریت کے علاقے تھے اور جنوب میں واقع پنجاب میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی سکھوں کے مظالم سے تنگ آچکے تھے۔
- اگرچہ سرحد کے کئی علاقوں پر کافر قابض ہو چکے تھے مگر آزادی اور خود مختاری کی رمق اب بھی باقی تھی۔ بہت سے علاقے آزاد تھے اور جن علاقوں پر کافروں نے قبضہ کر رکھا تھا، وہاں بھی مکمل اقتدار ان کو حاصل نہ تھا۔ اس کے بالعکس ہندوستان کے بیشتر علاقوں کی آزادی اور خود مختاری مکمل طور پر چھن چکی تھی۔

اس ہجرت کے لیے سید صاحب کو طویل سفر اختیار کرنا پڑا۔ چونکہ ان کے اور سرحد کے درمیان سکھوں کی ریاست تھی لہٰذا انہیں گھوم کر دوسری طرف جانا تھا۔ وہ اپنے علاقے رائے بریلی سے نکلے جو وسطی ہند میں واقع ہے، وہاں سے گوالیار گئے، پھر اڑیسہ کے شہر ٹونک، راجھستان کے شہر اجمیر، سندھ کے شہر شکار پور، بلوچستان کے شہر کوئٹہ، افغانستان کے شہر قندھار اور کابل سے ہوتے ہوئے پشاور پہنچے۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس سفر کے دوران آپ کو کتنی دشواریاں پیش آئی ہوں گی مگر اس سب کے باوجود آپ کے عزم اور حوصلے

میں کمی نہ آئی۔ اڑھائی سے تین ہزار میل کی یہ مسافت آپ اور آپ کے قافلے نے تقریباً ۱۰ ماہ میں طے کی۔

سید احمد شہید رحمہ اللہ کی سرحد آمد

جب سید احمد شہید رحمہ اللہ سرحد پہنچے تو اس وقت سرحد چھوٹے چھوٹے خوانین[1] کے تحت مختلف ریاستوں میں بٹا ہوا تھا، جن میں امب، پنجتار، سمہ، زیدہ، ستھانہ اور پشاور وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ یہ سب آج کے اضلاع پشاور، مردان نوشہرہ، صوابی اور بونیر وغیرہ کے علاقے ہیں۔ ان خوانین کے حالات ہندوستان کی ریاستوں سے کچھ مختلف نہ تھے۔ ان میں سے کچھ تو رنجیت سنگھ کی سکھ ریاست میں بلاواسطہ شامل تھے اور کچھ اس کو ٹیکس ادا کرتے تھے۔ سید صاحب سب سے پہلے پنجتار کے امیر فتح خان کے یہاں مہمان ہوئے اور وہاں سے جہاد کا آغاز کیا۔ پنجتار دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع تھا اور سکھوں کی حکومت والے علاقے سے زیادہ قریب تھا۔ اس لیے ساتھیوں کے مشورے سے آپ نے اپنا مرکز پنجتار سے ستھانہ منتقل کرلیا۔ ستھانہ ضلع مردان اور ضلع بونیر کی سرحد کے کنارے پر واقع ہے اور پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے جہاد کے مرکز کے لیے زیادہ موزوں تھا۔

بیعتِ امامتِ جہاد

سرحد پہنچ کر جو عملی مشکلات مجاہدین کو پیش آئیں، ان میں قبائلیوں کا غیر منظم طریقہ، مقاصدِ جہاد سے لاعلمی، دنیوی مال وجاہ کو اہمیت دینا اور رؤسا کی باہمی رقابتیں شامل تھیں۔ اس لیے انہوں نے رؤسا سے گفت وشنید کی اور انہیں جہاد کے مقاصد اور شرعی منہج سے آگاہ کیا یہاں تک کہ وہ جہاد کو ایک امیر کے تحت منظم کرنے پر راضی ہو گئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہاں کے علما اور رؤسا نے شاہ صاحب ہی کو امامت کے لائق جانا اور سرحد کے بڑے سادات، علما، مشائخ، رؤسا اور خوانین نے انہیں جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ بمطابق جنوری ۱۸۲۷ء کو جہاد کی امامت کے لیے اپنا امیر منتخب کرنے کے ساتھ ساتھ جمعے کے خطبوں میں بھی ان کا نام جاری کیا۔ اس طرح شاہ صاحب کے اپنے لوگ آپ کو 'امیر المومنین' کہنے لگے، سرحد کے عوام میں آپ 'سید بادشاہ' جبکہ سکھوں کے یہاں وہ 'خلیفہ صاحب' کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس بیعت میں جہاد کا انتظام سید صاحب کے ذمہ تھا مگر دیگر سیاسی اور مقامی معاملات میں خوانین آزاد تھے۔ اس بیعت کے بعد جہاد کے لیے نفیر عام کی گئی اور بڑے پیمانے پر جہاد کے لیے بیعت لی گئی۔ جن سے بیعت لی گئی ان میں ایسے سردار بھی تھے جن کے بارے میں مخلص مقامیوں نے سید صاحب کو خبردار کیا، لیکن نفیرِ عام کے سبب تمام سے بیعت لینے اور ان پر اعتماد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ البتہ مقامیوں کا خدشہ بعد میں درست ثابت ہوا۔

تحریکِ مجاہدین کے جنگی معرکے

جہاد کا آغاز اکوڑہ میں سکھوں کے خلاف حملے سے ہوا اور چند حملوں کے بعد ہی الحمدللہ سرحد کے علاقوں سے سکھوں کا زور کم ہونے لگا۔ تحریکِ مجاہدین کی طرف سے دو طرح کے جنگی معرکے ہوئے؛ ایک سکھوں کے خلاف اور دوسرا غدار خوانین کے خلاف۔ ان معرکوں میں اللہ تعالیٰ نے سید صاحب کو کامیابی عطا فرمائی اور سرحد سکھوں سے آزاد ایک مسلمان مملکت میں تبدیل ہونا شروع ہو گیا۔ اب موقع آگیا تھا کہ سید صاحب لوگوں سے بیعتِ شریعت لے کر اسے باقاعدہ ایک امارتِ شرعیہ میں بدل دیں۔

سید احمد شہید رحمہ اللہ کی بیعتِ شریعت

بیعتِ امامتِ جہاد لینے سے اگرچہ جہادی عمل منظم ہوا، تاہم کئی مقاصدِ جہاد پورے ہوتے نظر نہ آئے کیونکہ اس بیعت میں سرداروں کو مقامی معاملات میں آزادی تھی۔ لہٰذا اب آپ نے بیعتِ شریعت بھی لینا شروع کی۔ سرحد کے عوام میں بقیہ علاقوں کی طرح اگرچہ اسلام سے محبت تھی مگر اس کے ساتھ شرعی امور سے لاعلمی تھی اور برصغیر میں مسلمانوں کے انحطاط کے سبب خامیاں بھی تھیں۔ ان میں سے نمایاں خامیاں جو مولانا غلام رسول مہر نے (ص ۴۵۸ پر) ذکر کیں؛ ان میں

- رؤسا کی احکامِ شریعت سے بے پرواہی اور مقامی علما کی رؤسا کے ساتھ مداہنت،
- معاشرے میں بہت سے بدعتی امور کا رواج جیسے اسقاط کا حیلہ، حقِ مہر میں زیادتی، عورتوں کو وراثت سے محروم کرنا وغیرہ، اور
- جہاد اور غیر جہاد کے لیے لڑنے میں فرق نہ کرنا شامل ہیں۔

مقاصدِ جہاد کی تکمیل کے لیے بیعتِ شریعت میں سید صاحب سرداروں سے وعدہ لیتے تھے کہ وہ اپنے معاملات کو شریعت کے موافق چلائیں گے اور رعایا پر بھی شریعت نافذ کریں گے۔
شعبان ۱۲۴۴ھ بمطابق فروری ۱۸۲۹ء کو سردار فتح خان کے قبیلے کا ایک اجتماعِ عام ہوا جس میں فتح خان نے تمام لوگوں کو بیعتِ شریعت کی ترغیب دی اور سب نے بطیبِ خاطر اسلامی نظام کی پابندی قبول کرلی۔ اس کے نتیجے میں ایک جید عالم کو قاضی القضاۃ اور ایک کو احتساب پر مامور کیا گیا۔ محتسب کے ماتحت تیس تفنگچی بھی مقرر کیے گئے۔
مؤرخین کے مطابق اس بیعت سے امکانات پیدا ہوئے کہ جن مقاصد کے لیے سید صاحب نے سفر ہجرت کیا تھا، وہ عملاً نافذ ہو جائیں گے اور اتنا لشکر دستیاب ہو سکے گا جو انگریزوں اور سکھوں کے خلاف منظم جنگ شروع کرے۔ دوسری جانب معاشرے سے شرکیہ اور بدعتی رسم ورواج کا قلع قمع ہو گا اور ان کی جگہ نظامِ صلوٰۃ وزکوٰۃ اور حسبہ قائم ہو جائے گا۔ لیکن اسی دوران ایک فتنے کا آغاز ہوا جس نے اس پوری عمارت کو ہلا دیا۔

خوانینِ پشاور کی بدعہدی اور سید احمد شہید رحمہ اللہ کی شہادت

[1] خوانین 'خان' کی جمع ہے۔ اس وقت مذکورہ علاقوں کے قبائلی سرداران کو 'خان' کہا جاتا تھا، اور انھی کے پاس اپنے علاقوں کے انتظامات ہوتے تھے۔

تحریکِ مجاہدین کی ان کامیابیوں سے رنجیت سنگھ گھبرا گیا۔ دوسری طرف پشاور میں 'خان یار محمد خان' جو صوبہ سرحد پر اپنی ملکیت کے خواب دیکھ رہا تھا، اسے بھی مجاہدین کی یہ کامیابی ایک آنکھ نہ بھائی۔ کہا جاتا ہے کہ رنجیت سنگھ نے پنجاب کے بدعتی علما کو اپنے ساتھ ملایا جنھوں نے ایک فتویٰ تیار کر کے پشاور کے خوانین کے پاس بھیجا۔ اس فتویٰ کا مضمون کچھ یوں تھا: "تمہاری طرف ایسے شر پسند لوگ آئے ہیں جنھوں نے نیا دین ایجاد کیا ہے۔ انہیں فوراً اپنے علاقے سے نکال دو"۔ خوانینِ پشاور جو پہلے ہی اپنی نیت میں خالص نہ تھے، انہیں اس فتوے کے سہارے اپنی سازش کو منظم کرنے کا موقع مل گیا۔ خوانینِ پشاور نے اندر ہی اندر عوام اور دیگر خوانین و علما میں مجاہدین کے خلاف ایک مہم چلائی۔ اس مہم سے بہت سے لوگ گمراہ ہو گئے جن میں سے اکثریت نے جہالت کی بنا پر ان کا ساتھ دیا۔ بہر حال ان سازشیوں نے خفیہ طور پر ایک دن مقرر کر کے اپنے اپنے علاقوں میں موجود مجاہدین کو انجانے میں حملہ کر کے شہید کر دیا۔ ان مجاہدین میں زیادہ تر وہ قاضی اور علما تھے جنہیں سید صاحب نے لوگوں کے فیصلوں اور دین کے مطابق تربیت کے لیے مقرر کیا تھا۔ یہ حضرات تحریکِ مجاہدین کی روح تھے اور اس سے تحریک کو بہت نقصان پہنچا۔ وفادار خوانین اور مجاہدین نے سید احمد شہید کو ان خوانین سے بدلہ لینے کا مشورہ دیا مگر سید صاحب نے اسے مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی قرار دے کر ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور پھر ستھانہ سے بالا کوٹ کی طرف ہجرتِ ثانیہ کا فیصلہ کر لیا۔ وہاں ہجرت کرنے کے بعد مئی ۱۸۳۱ء کو بالا کوٹ کا وہ مشہور معرکہ ہوا جس میں سید صاحب نے شاہ اسماعیل شہید اور دیگر ساتھیوں سمیت جامِ شہادت نوش کیا اور اس میں مجاہدین کو شکست ہوئی۔

سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہا اللہ کی شہادت کے بعد مجاہدین نے 'مولانا ولی محمد پھلتی' کو اپنا امیر مقرر کر لیا۔ مولانا ولی محمد پھلتی مجاہدین کو لے کر واپس ستھانہ آ گئے اور معاملاتِ جہاد کا آغاز کر دیا۔ مولانا کبار سن تھے اور ایک سال کے بعد ہی انتقال کر گئے۔ مولانا ولی محمد پھلتی کے بعد مجاہدین نے 'مولانا نصیر الدین منگلوری' کو امیر بنایا۔ آپ کی زندگی میں دوبارہ عملی معرکوں کا آغاز ہوا اور مولانا ایسے ہی ایک معرکے میں شہید ہو گئے۔ دہلی کے مرکز نے قیادت کی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے 'مولانا نصیر الدین دہلوی' کا انتخاب کیا۔ مولانا نصیر الدین دہلوی مجاہدین کی ایک پوری فوج لے کر سندھ اور افغانستان کے راستے ستھانہ کی طرف سفر ہجرت پر روانہ ہوئے۔ مولانا ابھی سندھ میں ہی پہنچے تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ انگریز اپنی کرائے کی ہندوستانی فوج کے ساتھ افغانستان پر حملہ کرنے کے لیے سندھ پہنچ چکا ہے۔ یہ اس کھیل کا آغاز تھا جس میں امتِ مسلمہ کے دو دشمن روس اور برطانیہ اپنے آپ کو دنیا کی سپر طاقت منوانے کی دوڑ میں شامل ہو چکے تھے۔

[ان موضوعات کو مزید جاننے اور سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو: 'عصر حاضر میں جہاد کی فکری بنیادیں، از ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان'۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

بقیہ: میدانِ بدر میں الولاء والبراء کی عملی تصویر کشی

احباب ہی سے تو تھے، کسی غیر ملکی اور اجنبی قوم سے تو نہ تھے۔ جنگِ بدر میں مہاجرین کے سامنے کسی کا باپ تھا اور کسی کا لختِ جگر اور کسی کا بھائی اور کسی کا چچا اور کسی کا ماموں اور عام رشتہ داری تو سبھی سے تھی۔ محض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین کے لیے صحابۂ کرامؓ کی تیغ بے دریغ بے نیام تھی رضی الله عنهم ورضوا عنه۔ واہ واہ ایمان ایسے ہی عشق کا نام ہے جس کے سامنے لیلیٰ اور مجنوں کی تمام داستانیں گرد ہیں اور قرآن و حدیث میں جو ہجرت کے فضائل سے بھرے پڑے ہیں، اس ہجرت کا مطلب یہی تو ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے ماں اور باپ اور بیوی اور بچوں اور خویش و اقارب سب کو چھوڑ دینا، قوم اور وطن کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب ہجرت کی تو جس کی رفیقۂ حیات اور محبوب بیوی نے کفر کو اسلام کے مقابلے میں ترجیح دی اور کفر کی حالت میں قوم اور وطن کی سکونت کو اختیار کیا تو اس صحابیؓ نے عمر بھر کی رفیقۂ حیات کو طلاق دے دی اور بیوی بچوں اور مال و دولت اور گھر اور بار چھوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوئے اور مدینے کا راستہ پکڑا رضی الله عنهم وحشرنا في زمرتهم واماتنا على حبهم وسيرتهم آمين يارب العالمين!

اے میرے عزیزو! اے میرے دوستو! قومیت اور وطنیت ایک فتنہ ہے، بت پرستی کے بعد قوم پرستی اور وطن پرستی کا درجہ ہے۔ اور کفر دون کفر اور شرک دون شرک اور ظلم دون ظلم کا مصداق ہے۔ انما المومنون اخوة اور ان الكفرين كانوا لكم عدوا مبينا کو پیشِ نظر رکھ کر مسلمانوں کو اپنا بھائی اور روئے زمین کے کل کافروں کو اپنا ایک دشمن سمجھو۔"

☆☆☆☆☆

سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک کیا تھی؟

مقاصدِ تحریکِ سیّد احمد شہید کا مختصر بیان

مولانا حسین حسنی عظیمی

سید شہیدؒ کی تحریک کا مقصد ہندوستان میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اشاعت اور احیائے دینِ متین تھا۔ عام دینی زندگی میں ہر طرح کی غیر دینی رسوم گمراہیاں اور بدعات شامل کر دی گئی تھیں اور دین کی اصل روح بالکل پسِ پشت ڈال دی گئی تھی۔ بعض احکام دین سخت معیوب سمجھے جانے لگے تھے۔

نکاحِ بیوگان اچھے اچھے شریف گھرانوں میں معیوب اور ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ اس ناپسندیدگی کو دور کرنے کے لیے اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو جاری کرنے کے لیے انہوں نے خود ابتدا کی۔ اپنے مرحوم بھائی سید اسحاق کی بیوہ سے خود نکاح کیا اور مثال قائم کی۔ اس طرح یہ متروک سنت پھر سے جاری ہو گئی۔ حج کے لیے عام خیال پیدا ہو گیا تھا کہ سفری صعوبتوں خصوصاً سمندری سفر کی ہلاکت خیزیوں کے سبب حج کی فرضیت ساقط ہو گئی ہے، تقریباً چار سو افراد کے ساتھ جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، حج بیت اللہ کی غرض سے نکلے۔ وطن سے کلکتہ تک دریائی سفر اور پھر کلکتہ سے سمندری سفر اختیار کیا۔ تقریباً ڈھائی سال بعد حج بیت اللہ سے مشرف ہو کر مع تمام افراد قافلہ بخیر وعافیت واپس ہوئے اور اس خیالِ خام کو باطل کر دکھایا کہ سمندری سفر ہلاکت خیز ہے۔

دین کی بقا اور قیام کے لیے جہاد لازمی اور اسلامی حکومت کا قیام لابدی ہے۔ اس کے بغیر امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل آسانی سے ممکن نہیں۔

سید شہیدؒ نے اپنی تمام زندگی اس مقصد کے حصول میں صرف کر دی۔ زر و مال، بیوی، بچے، خاندان واحباب کی بھی پروا نہ کی۔ یہاں تک کہ اپنی جان بھی حصولِ مقصد میں لگا دی۔ اسی بنیاد پر یہ عام خیال ہے کہ سید شہیدؒ کی تحریک ہندوستان میں حکومت الٰہیہ کے قیام کی اولین تحریک تھی۔

سید شہیدؒ کی دور رَس نگاہوں نے ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے بڑھتے ہوئے خطرے کو بھی اچھی طرح بھانپ لیا تھا۔ کیونکہ یکے بعد دیگرے بڑے بڑے علاقے انگریزوں کے زیرِ نگیں آتے جا رہے تھے۔

انہوں نے اس بات کو بھی اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ اگر تحریک کا مرکز ایسے علاقے میں رکھا جاتا ہے جو جلد یا بدیر انگریزوں کے زیرِ اقتدار آنے والا ہے تو انگریز کبھی بھی اس تحریک کو پنپنے نہ دیں گے۔

اسی لیے حالات کو دیکھتے ہوئے اور سنتِ رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے ہجرت کی اور تحریک کا مرکز علاقہ سرحد بنایا تاکہ پڑوسی اسلامی ممالک کی پشت پناہی بھی حاصل رہے۔

یہ ضرور ہے کہ سب سے پہلے ان کے سامنے سکھ آئے جن کا ظلم اور زیادتیاں مسلمانانِ پنجاب پر حد سے زیادہ بڑھ چکی تھیں۔ سکھوں کے بعد لازماً ان کے سامنے پھر انگریز ہی تھے جن کا اثر واقتدار بڑی سرعت کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔

انگریز بھی اس خطرے کو بھانپ چکے تھے۔ انہوں نے سکھوں کو زیر کرنے کے بعد اس پس ماندہ تحریک کو، جو سید شہیدؒ کی شہادت کے بعد پھر منظم ہو گئی تھی اور اپنا مرکز درہ ''امبیلا'' میں قائم کر لیا تھا، ہر ممکن طریقہ سے ختم کرنے کی کوشش کی۔

جنرل چمبرلین کی سرکردگی میں ایک فوج بھیجی گئی۔ کئی شدید جنگیں ہوئیں۔ مجاہدین کے عزم و ہمت، صبر واستقامت اور جذبۂ جہاد نے انگریز فوج کے دانت کھٹے کر دیے۔ خود جنرل چمبرلین زخمی ہوا۔ مہم ناکام ہوئی۔

بعد میں انگریزوں نے اپنی روایتی مکاری دغابازی اور عیاری سے کام لے کر مقامی مددگار باشندوں کو توڑ لیا اور اس طرح اس تحریک کو کمزور تر کر دیا۔ لہٰذا انگریزوں کو تحریک کے مرکز کی طرف سے پھر کوئی خطرہ نہیں رہا۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: اہلِ حق اور اہلِ باطل کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے!

یا اللہ! اپنے دین کی مدد کرنے والوں کو فتح مبین عطا فرما اور انہیں صبر، سیدھی راہ اور یقین عطا فرما۔

یا اللہ! اس امت کو ہدایت کا ایسا معاملہ عطا فرما جس میں تیرے فرماں بردار معزز اور نافرمان رسوا ہو جائیں، جس میں نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے منع کیا جائے۔

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں حسنات دے اور آخرت میں بھی حسنات دے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا لے۔

اے اللہ! ہماری کمزوری کو قوت سے بدل دے اور ہماری کوتاہی دور فرما اور ہمارے قدم جما دے۔

اے اللہ! مقامی اور عالمی ظالم حکمرانوں کو پکڑ اور کافر و مشرک اقوام کے خلاف ہماری مدد فرما۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین!

اہلِ حق اور اہلِ باطل کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے!

محسنِ امت کا اپنی محبوب امت کے نام آخری پیغام

محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن شہید عَلیہِ الرَّحمۃ

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا وسيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادی له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريکَ له واشهد ان محمداً عبده و رسوله!

ہر تعریف اللہ کے لیے ہے ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اس سے بخشش طلب کرتے ہیں، اور ہم اپنے نفوس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی بھی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

امابعد:

میری امّتِ مسلمہ!

آج ہم (مسلم دنیا میں تبدیلی کے واقعات کے) اس عظیم تاریخی واقعے کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور اس خوشی، سرور و تازگی اور فرحت میں آپ کے ساتھ شریک ہیں، آپ کی خوشی سے ہی ہماری خوشی اور آپ کے دکھ سے ہی ہمارا دکھ وابستہ ہے۔ یہ کامیابیاں آپ کو مبارک ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ کے شہدا پر رحمت نازل کرے اور زخمیوں کو صحت دے اور اسیروں کو رہا کرائے۔

وبعد:

هلت بمجدبنی الاسلام أيام
واختفی عن بلاد العرب حکام

طوت عروش حتی جاءنا خبر
فيه مخايل للبشری واعلام

”فرزندانِ اسلام کی عظمت کے ایام چمکنے لگے اور عرب ممالک سے وہ حکام غائب ہونے لگے جنہوں نے مسندیں سنبھالی ہوئی تھیں، حتیٰ کہ ہمارے سامنے ایسی علامتیں ظاہر ہونے لگیں جن میں خوش خبری کے پیغامات ہیں۔“

مشرق سے آنے والی فتح کے آثار واضح تھے اور امت اس فتح کے لیے سراپا انتظار تھی...... اسی دوران ایک عجیب انقلاب کا سورج مغرب سے طلوع ہو گیا، اس کی کرنیں تیونس سے روشن ہوئیں تو اُنہوں نے امت کی آنکھوں میں اپنے لیے مانوسیت پائی، لوگوں کے چہرے چمک اُٹھے، حکمران غصے میں لال پیلے ہونے لگے اور یہود بے بہبود، آنے والے خطرات سے دہشت زدہ ہو گئے...... طاغوت کے گرنے سے مسلمانوں پر چھائی ذلت، غلامی اور خوف و پسپائی کی تمام نشانیاں بھی مٹ گئیں...... اور اُنہوں نے حریت و عزت، جرأت اور پیش قدمی کے اسباق دہرانا شروع کیے۔ طواغیت سے آزادی کی چاہت لیے تبدیلی کی ہوائیں چل پڑیں۔ تیونس اس معاملے میں بازی لے گیا۔ پھر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کنعانہ (مصر) کے شاہ سوار تیونس کے باسیوں سے شمع آزادی کی ایک چنگاری تحریر اسکوائر میں لے آئے، یہاں بھی ایک عظیم تبدیلی رونما ہوئی، اور تبدیلی بھی کیسی! یہ تبدیلی مصر اور تمام امت کے لیے اس شرط پر عطا ہوئی ہے کہ یہ اپنے رب کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ یہ تبدیلی طعام و لباس کی تبدیلی نہیں بلکہ یہ عزت و غیرت کی تبدیلی تھی، جود و سخا کی تبدیلی تھی، جس نے نیل کے شہروں اور دیہاتوں کو زمین تا فلک روشن کر دیا، فرزندانِ اسلام کے سامنے ان کی عظمتوں کو آشکارا کر دیا اور انہیں اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ یاد دلا دی۔ وہ قاہرہ کے تحریر اسکوائر میں مشعلیں تھامے کھڑے رہے تاکہ وہ ظالم حکومتوں پر قہر ڈھائیں، انہوں نے باطل کے سامنے کھڑے ہو کر اسے مقابلے کے لیے دعوت مبارزت دی، اس کے سپاہیوں سے ڈرے نہیں، انہوں نے عہد کیا اور پھر اسے پورا کیا۔ اب حوصلے بڑھ رہے ہیں اور بازوؤں میں نئی قوت انگڑائیاں لے رہی ہے۔

ہر خطے میں طاغوت سے آزادی کے متوالوں کے لیے پیغام......

فتح کی طرف اٹھتے قدم رکنے نہ پائیں، مذاکرات کے جال میں پھنسنے سے بچیے اس لیے کہ اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان دورانِ معرکہ مشاورت نہیں ہوتی، ایسا کبھی سوچیے بھی نہیں! یاد رکھیے اللہ نے ان دنوں میں ملنے والی کامیابیوں کی صورت میں آپ پر احسان کیا ہے، جن کے بعد آپ ہی ان کامیابیوں کے ثمرات کو سمیٹنے والے ہوں گے اور حالات کی لگام آپ کے ہاتھ میں ہی ہو گی، امت نے آپ کو اسی عظیم فتح کے لیے پکار رکھا ہے سو اب بڑھتے رہیے اور تنگیٔ حالات سے مت گھبرائیے۔

بدأ المسير الی الهدف
والحر فی عزم زحف

والحران بدأ المسير
فلن يکل ولن يقف

”ہدف کی جانب پیش قدمی شروع ہو چکی اور مردِ حُر پختہ عزم کے ساتھ پیش قدمی کرنے لگا ہے۔ اور جب مردِ حُر پیش قدمی کرنے لگے تو پھر نہ وہ تھکتا ہے اور نہ ہی وہ رکتا ہے۔“

یہ قافلہ نہیں رکے گا جب تک کہ اللہ کے اذن سے مطلوبہ اہداف حاصل نہ ہو جائیں اور امت کی امیدیں بر نہ آئیں۔ یہ تبدیلی سنگِ میل کی حیثیت کی حامل ہے، مجروحوں اور زخمیوں کی

امیدوں کا مرکز ہے، آپ نے امت سے ایک بڑی مصیبت دور کی ہے اللہ تمہارے مصائب دور کرے، آپ امیدوں کے محور ہیں، اللہ آپ کی امیدیں بر لائے۔

وقف السبيل بكم كوقفة طارق
اليأس خلف والرجزء أمام

وترد بالدم عزه أخذت به
ويموت دون عرينه الضر غام

من يبذل الروح الكريم لربه
دفعا لباطلهم فكيف يلام

''تم رات کے مسافر کی مانند ہو، جو مایوسی پیچھے چھوڑ آیا ہے اور جسے صبح کی امید ہے۔ خون بہے گا تب ہی کھوئی ہوئی عزت واپس ملے گی۔ شیر اپنی کچھار کے بچاؤ میں جان دے دیتا ہے تو جو اپنی پاکیزہ جان اپنے رب کی رضا کے حصول میں باطل کو پیچھے دھکیلنے میں کھپا دے، اُسے کیوں کر ملامت کی جا سکتی ہے؟''

اے فرزندانِ امت!

تمہارے سامنے پر خطر راستوں کا چوراہا ہے، اور امت کی یہ بیداری، اسے اللہ سے باغی حکمرانوں کی خواہشات، اُن کے وضع کردہ قوانین اور صلیبی تسلط کی غلامی سے آزادی دلانے کا تاریخی اور نادر موقع ہے۔ اس موقع کو ضائع کر دینا بڑا گناہ اور بہت بڑی نادانی ہوگی کیونکہ امت اس موقع کی کئی دہائیوں سے منتظر تھی لہٰذا اس موقع کو غنیمت جانو، سارے بت توڑ ڈالو اور عدل و ایمان کو قائم کر دو۔

میں مخلص ساتھیوں کو یاد دہانی کراتا ہوں کہ ایسی مجلس کا قیام جو عامۃ المسلمین کو تمام اہم امور پر رائے اور مشورہ فراہم کرے، شرعی طور پر واجب ہے۔ یہ مجلس اُن غیرت مند افراد کے لیے اور بھی زیادہ ضروری ہے جنھوں نے بہت پہلے اِن ظالم حکومتوں کا جڑ سے خاتمہ کرنے کی ضرورت پر زور دیا تھا، ایسے افراد جنہیں عامۃ المسلمین کا وسیع تر اعتماد حاصل ہے۔ اب انہیں چاہیے کہ ظالم حکام کے تسلط سے بچتے ہوئے اس منصوبے کو شروع کریں، اس پر فوری عمل درآمد کی سبیل نکالیں اور ایسے گروہ ہمہ وقت موجود رہیں جو موجودہ واقعات کے تسلسل کو برقرار رکھیں۔ اس کا مقصد یہ ہو کہ ایسے ہمہ جہت اقدام کیے جاسکیں جس کے ذریعے امت کے تمام مسائل حل ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ امت کے عالی دماغوں کی تجاویز سے استفادہ کیا جائے، اہلیت کے حامل تحقیقی مراکز اور اہلِ علم و معرفت میں سے فکر و فہم رکھنے والوں کی مدد حاصل کی جائے۔ اسی طرح اُن لوگوں کی نصرت کی جاسکتی ہے جو امت پر مسلط طواغیت کو زوال سے دوچار کرنے کی جدوجہد میں شریک ہیں، جن کے جگر گوشے قتل و غارت گری کا شکار ہو رہے ہیں۔ اسی نہج پر کئی عشروں سے مسلط حکمرانوں اور ان کے قریبی افراد سے گلوخلاصی حاصل کرنے والی اقوام اس تبدیلی کے ثمرات کو سمیٹ سکتی ہیں اور اُنہیں اس کے اہداف حاصل کرنے کے لیے مطلوبہ اقدامات کی راہ نمائی فراہم کی جاسکتی ہے۔

ایسے ہی جن خطوں میں عامۃ المسلمین ابھی تک بیدار نہیں ہوئے اُنہیں بیداری کے لیے تیار کرنے، وہاں تبدیلی کے عمل کی ابتدا کرنے اور اس سے پہلے ضروری تیاریوں کے سلسلے میں ان کے ساتھ تعاون کریں کیونکہ تاخیر سے موقع کھو دینے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں جب کہ درست اور مناسب وقت سے پہلے پیش قدمی کی صورت میں زیادہ قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تبدیلی کی یہ ہوائیں باذن اللہ سارے ہی عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی۔ چنانچہ نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر پیش آمدہ حالات سے پیدا ہونے والی صورت حال کے مطابق حکمتِ عملی وضع کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ کسی بھی حتمی اقدام سے قبل ایسے مخلص ماہرین سے ضرور مشورہ کرلیں جو نہ بیچ کی راہیں تلاش کرنے کے متمنی ہوں اور نہ ہی ظالم حکمرانوں کی چاپلوسی کرتے ہوں۔

الرأى قبل شجاعة الشجعان
هو اول وهى المحل الثانى

''بہادروں کی بہادری کے جوہر دکھانے سے پہلے مشورہ اہم ہے، کہ پہلے رائے یعنی مشاورت اور پھر بہادری کا مرحلہ آتا ہے۔''

اے میری محبوب امّتِ مسلمہ!

یقیناً آپ نہیں بھولے ہوں گے کہ چند دہائیوں قبل بھی کئی انقلابی مظاہرے ہوئے تھے، لوگ ان سے بہت مسرور ہوئے مگر پھر کچھ ہی عرصے بعد انہیں ان کے ہولناک نتائج بھگتنا پڑے، چنانچہ آج امّت کے اندر آنے والی تبدیلیوں کو بہکنے، زائل ہونے اور ظلم سے بچانے کا طریقہ یہ ہے کہ بنیادی حیثیت کے حامل تمام میدانوں میں شعوری کوشش کرکے طاغوت سے آزادی اور نظام کی تبدیلی کے درست مفاہیم زیادہ سے زیادہ اجاگر کیے جائیں۔ اُن میں سب سے اہم اسلام کا پہلا رکن توحید ہے، اور اس موضوع پر لکھی جانے والی اچھی کتابوں میں سے یہ کتاب، جو استاذ محمد قطب کی تصنیف ہے ''مفاہیم ينبغى ان تصحح'' (وہ مفاہیم جن کی تصحیح ہونی چاہیے) کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

ماضی میں فرزندانِ امت کی اکثریت کی طرف سے ہی وہ شعوری کوتاہی برتی گئی جس کے نتیجے میں یہ فسادزدہ تہذیب ہم پر مسلط ہو گئی اور اس تہذیب کی اقدار کو کئی دہائیوں سے ہمارے اوپر مسلط حکمران مستحکم کر رہے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے اور امت کے دیگر مصائب محض اسی المیے کے کڑوے پھل ہیں۔ مغرب کی طرف سے مسلط کردہ اس تہذیب کے نتائج ہمارے حق میں بہت ہی بھیانک نکلے ہیں، ان نتائج میں ذلت و رسوائی، عاجزی و بے بسی، اپنے اوپر مسلط حکمرانوں کی مکمل غلامی، جو درحقیقت اللہ کے بجائے اُن کی عبادت کے مترادف ہے، اُن کے حق میں اہم دینی و دنیاوی حقوق سے دست برداری، تمام اعلیٰ اقدار، اصول وضوابط اور شخصیات کو انہی حکمرانوں کے ذاتی محور کے گرد گھمانا شامل ہیں۔ چنانچہ یہ سب

باتیں تو انسان سے اس کی انسانیت تک چھین لیتی ہیں اور اسے حکمران اور اُس کی خواہش کے پیچھے بلاادراک و بصیرت بگ ٹٹ دوڑنے والا بنا دیتی ہیں۔ نتیجتاً ہر فرد ایسا چاپلوس بن جاتا ہے، 'اگر لوگ اچھا کریں گے تو وہ بھی اچھا کرے گا اور اگر لوگ برا کریں گے تو وہ بھی برا کرے گا' یہ فلسفہ اُس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتا ہے۔ یہی چیز اُسے اُس پتھر جیسا بنا دیتی ہے جو ٹھوکروں کی زد میں ہو کہ جس کے ساتھ حکمران جیسا چاہیں سلوک کرے۔ ہمارے ملکوں میں اسی قسم کے لوگ ظلم واستبداد کی بھینٹ چڑھے ہوئے ہیں، جنہیں حکمران اس لیے سڑکوں پر نکال لاتے ہیں کہ وہ اُن کے ناموں کے نعرے بلند کریں، اُن کی حفاظت کے لیے مورچے مضبوط کریں۔ ان حکمرانوں کی اولین کوشش یہی ہوتی ہے کہ لوگ اپنے ان بنیادی حقوق سے بھی دست بردار ہو جائیں جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لیں اور اہم امورِ عامہ میں ان کے کردار کو محدود کرنے کے لیے سرکاری دینی اداروں اور ذرائع ابلاغ کی باہم کوششوں کے ذریعے ایسا نظام وضع کیا جو اُن (حکمرانوں کے افعال) کو قانونی رنگ دے۔ اُن کی چالوں نے لوگوں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دیں، اُن کی عقلوں کو ماؤف کر دیا، 'بلند عزائم' جیسے الفاظ کو اُن کے لیے اجنبی بنا دیا، ان میں حکمرانی کے بت کی عبادت کو رائج کیا۔ پھر جھوٹ اور بہتان سے کام لیتے ہوئے اپنے ان کریہہ افعال کو دین کا لبادہ بھی اوڑھا دیا اور وطن کے نام کی بنیاد بھی فراہم کی تاکہ لوگ ان کا احترام کریں، انہیں اپنے دلوں کی گہرائیوں میں بٹھالیں، قوم کے اکابر انہیں مقدس قرار دیں، حتیٰ کہ وہ اطفالِ نوعمر بھی اس فتنہ سے محفوظ نہیں جو ہمارے ذمے امانت ہیں اور جو فطرت پر پیدا ہوئے، اُنہوں نے شقاوت قلبی اور بے رحمی کے ساتھ اُن کی فطرت کو بھی چھین لیا۔ انہی حالات کی ستم ظریفیوں میں جوان بوڑھا ہو گیا اور بچہ جوان ہو گیا جبکہ سرکش اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے، اور کمزور اپنی کمزوری میں اور بڑھ گئے۔

اب تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟! اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو بچالو کہ اب موقع میسر ہے، خصوصاً اس لیے بھی کہ جوانانِ امت انقلابات کی تکالیف ومشکلات اور طاغوتوں کی گولیوں اور تشدد کو برداشت کر رہے ہیں، پس انہوں نے قربانیاں دے کر راہ ہموار کر دی ہے اور اپنے لہو کے ذریعے طاغوت سے آزادی کا پل قائم کر دیا ہے۔ عمر کے بہترین حصے میں ان جوانوں نے ذلت اور مغلوبیت کی دنیا کو طلاق دے دی، عزت یا قبر سے رشتہ جوڑ لیا۔ کیا جابر حکمران اس بات کا شعور رکھتے ہیں کہ اب عوام نکل کھڑی ہوئی ہے اور اب اس وقت تک نہیں لوٹے گی جب تک سارے وعدے پورے نہ ہو جائیں، باذن اللہ تعالیٰ۔

آخر میں کہوں گا کہ ہمارے ممالک میں ظلم اپنی انتہا کو پہنچ چکا اور ہم نے اس کا انکار اور مقابلہ کرنے میں بہت تاخیر کر دی ہے لہٰذا اب جو شروع کرے تو اسے پورا کرے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا اور جس نے اب تک شروع نہیں کیا تو وہ حالات کے مطابق تیاری کرے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صحیح حدیث میں غور کریں جس میں انہوں نے فرمایا:

''ما من نبی بعثه الله فی امة قبلی الا کان له من امته حواریون واصحاب یاخذون بسنته ویتقیدون بأمره،ثم انها تخلف من بعدهم خلوف یقولون ما لا یفعلون،ویفعلون ما لا یؤمرون،فمن جاهدهم بیده فهو مومن،ومن جاهدهم بلسانه فهو مومن ،ومن جاهدهم بقلبه وهو مومن ،ولیس وراء ذلک من الایمان حبه خردل.''

''مجھ سے پہلے جس امت میں بھی اللہ نے کوئی نبی بھیجا تو اس کی امت میں اس کے کچھ حواری اور ساتھی ضرور ہوتے جو اس کی سنت پر چلتے اور اس کے حکم کی پابندی کرتے، پھر ان کے بعد کچھ ناخلف آئے (جن کا طرزِ عمل یہ تھا کہ)جو کہتے وہ کرتے نہیں، اور کرتے وہ جس کا انہیں حکم نہیں دیا جاتا۔ تو جس نے ان سے اپنے ہاتھ کے ذریعے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے ان سے اپنی زبان کے ذریعے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے ان سے اپنے دل کے ذریعے جہاد کیا وہ مومن ہے اور اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''سیدالشهداء حمزه بن عبدالمطلب ،ورجل قام الی امام جائز فأمره ونهاه فقتله.''

''شہدا کے سردار حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص بھی جو جابر حکمران کے سامنے کھڑا ہوا اور اسے (نیکی کا) حکم دیا اور (برائی سے) منع کیا اور اس (حکمران) نے اُسے قتل کر دیا۔''

جو اس عظیم ارادے سے نکلا اسے مبارک باد، کہ اگر وہ قتل کیا گیا تو سید الشہداء ہے اور اگر وہ زندہ رہا تو عزت وآبرو اور غیرت وحمیت کے ساتھ رہا، لہٰذا حق کی مدد کریں اور ذرا بھی پریشان نہ ہوں۔

فقول	الحق		للطاغی
هو	العز	هو	البشری
هو	الدرب	الی	الدنیا
هو	الدرب	الی	الأخری
فان	شئت	فمت	عبدا
وان	شئت	فمت	حرا

''طاغوت کے سامنے کلمۂ حق کہنا...... یہی عزت ہے یہی بشارت ہے! یہی دنیا میں (عزت سے) جینے کا راستہ ہے اور یہی آخرت کی کامیابیوں طرف جانے کا بھی راستہ ہے۔ سو اب چاہو تو غلامی میں ہی مر جاؤ...... اور چاہو تو حریت اور آزادی کی موت پالو!''

(باقی صفحہ نمبر 39 پر)

دیوبند کانفرنس کے نام شیخ اسامہؒ کا ایک نایاب خط

امارتِ اسلامیہ کی بیعت شرعی فریضہ ہے

بطلِ اسلام شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ احیائے خلافت کے عظیم داعی تھے۔ ان کی زندگی کی تمام تر کوششوں کا محور خطۂ ارضی پر خالص اسلامی ریاست کا قیام اور کفریہ طاقتوں خصوصاً امریکہ کی بربادی تھا۔ افغان جہاد کے پہلے دور کے بعد جب افغانستان خانہ جنگی کا شکار ہوا تو شیخ سعودیہ چلے گئے تھے۔ اس دوران سوڈان میں نفاذِ شریعت کی راہ ہموار ہوئی تو آپ ایک نوزائیدہ اسلامی ریاست کے قیام واستحکام کے لیے سرزمینِ حجاز سے سوڈان ہجرت کر گئے۔ مگر جب وہاں انہیں گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا تو واپس افغانستان تشریف لے آئے۔ یہاں اس وقت طالبان تحریک بالکل ابتدائی شکل میں تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت سے جلد ہی انہوں نے افغانستان کے ایک بڑے علاقے کو فتح کر لیا اور اپنے زیر قبضہ علاقوں میں نفاذ شریعت کا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔ مثالی امن وامان قائم کیا اور عامۃ الناس کو بے مثل عدل وانصاف مہیا کیا۔ طالبان تحریک کے بانی امیر ملا محمد عمر مجاہدؒ کو جب "امیر المومنین" تسلیم کیا گیا تو ہزاروں علما اور مجاہدین کے علاوہ عام لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ شیخ اسامہ بن لادن شہید رحمہ اللہ کے لیے یہ بات گویا اپنی برسوں کی آرزوؤں کی تکمیل کا سامان تھا۔ انہوں نے نہ صرف حضرت امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کے ہاتھ پر بیعت کی بلکہ خود کو اور اپنے رفقا کو امارت اسلامیہ افغانستان کی ہمہ جہت خدمات پر متعین فرما دیا۔ شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت کا امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور خود کو ان کے سپرد کر دینا جہاں ایک طرف امیر المومنین کے عظیم الشان منصب کا اظہار ہے وہیں شیخ کی بے لوثی، بے نفسی اور اسلام کے لیے اپنی گردن جھکا دینے جیسے قابلِ صد آفرین جذبات کا بھی اظہار ہے۔ زیر نظر مضمون دراصل امت مسلمہ خصوصاً علمائے کرام کے نام آپ کا پر خلوص پیغام ہے جو 'خدماتِ دارالعلوم دیوبند' کانفرنس منعقدہ نو تا گیارہ (۹، ۱۰، ۱۱) اپریل ۲۰۰۱ء (پشاور) کے شرکا کے نام ارسال کیا گیا۔ اس میں شیخ نے امتِ مسلمہ کو اس کی شرعی ذمہ داری کا احساس دلایا اور انہیں امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کی امارت پر متحد و متفق ہو جانے کی دعوت دی۔ یہ پیغام اور اس کے مندرجات آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہیں جیسے آج سے قریباً دو دہائیاں قبل تھے۔ شیخ نے یہ پیغام امارتِ اسلامیہ افغانستان کے دورِ اول کے آخری ایام میں ارسال کیا تھا اور آج جب ایک بار پھر اس پیغام کو مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کا سامانِ زینت بنایا جا رہا ہے تو امارتِ اسلامیہ افغانستان امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخوندزادہ کی قیادت میں امریکہ اور اس کے چالیس حواریوں کو شکست دینے کے بعد ایک بار پھر اپنی شان و شوکت کے ساتھ قائم ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس پیغام کی حیثیت و اہمیت آج مزید بڑھ چکی ہے۔ اس پیغام کو پڑھیے اور اپنی شرعی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو کر میدانِ عمل میں برسرپیکارِ اہلِ حق کا ساتھ دینے کا عزم کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو، آمین! (ادارہ)

تمام تعریف ہے اس اللہ کے لیے جو فرماتے ہیں:

"اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور تھامے رکھو اللہ تعالیٰ کی رسی کو اور آپس میں اختلاف نہ کرو"۔

درود ہو اللہ تعالیٰ کے اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے فرمایا:

"کیا میں تمہیں اس عمل کے بارے میں نہ بتاؤں جو روزہ نماز اور زکوۃ سے بھی بہتر ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا: جی ہاں! بتایئے اے اللہ کے رسول۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عمل آپس میں مصالحت و مفاہمت ہے۔ بے شک اختلاف دین کو مونڈنے والا (جڑ سے ختم کرنے والا) ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اختلاف بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ اختلاف دین کو مونڈ دیتا ہے۔"

آپ آج یہاں مختلف ممالک، دورافتادہ علاقوں اور علیحدہ خطوں سے اس غرض سے اکٹھے ہوئے ہیں تاکہ آپ اس اسلام کی نمائندگی کریں جس میں قومیت، رنگ، سرحدات اور زبانوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آپ اس غرض سے اکٹھے ہوئے ہیں تاکہ آپ حق اور اہل حق کی مدد کے بارے میں اسلام کے عظیم حکم کی بجا آوری کر سکیں۔

بے شک آپ کے اس اجتماع سے عالم کفر کو سخت صدمہ پہنچا ہے اور وہ اس قسم کے اجتماعات کو روکنے کے لیے ہزاروں تدبیریں سوچتا رہتا ہے۔

اے صاحب فضیلت حضرات!

میں یہ سطور ایسے وقت میں آپ کو لکھ رہا ہوں کہ یہ سوچ کر میرا سر فخر سے بلند ہو رہا ہے کہ امت مسلمہ میں اب تک ایسی ہستیوں کی کمی نہیں ہے جو کہ ایک ایسے حالات میں جب ظلم و ستم اور فساد نے روئے زمین کو ڈھانپ رکھا ہے، فساد کو روکنے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں۔

اے بزرگانِ صاحب فضیلت!

امت کی طرف سے آپ کے کاندھوں پر رکھے گئے بارِ گراں کو آپ نہ بھولیں۔ بے شک آپ انبیا علیہم السلام کے وارث اور امت کے سالار ہیں اور یہ آپ ہی کے فتاویٰ ہیں جو لوگوں میں جہاد کی روح پھونک دیتے ہیں اور انہیں ہمیشہ باطل کے مقابلے کے لیے کمربستہ رکھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی آزمائش ہے جس نے آپ کو ایک ایسے وقت میں مبعوث فرمایا کہ بغاوت اپنے عروج کو پہنچ چکی ہے، مقدسات کو پاؤں تلے روند ڈالا گیا اور جرائم کو حلال گردانا گیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھیں گے کہ آپ لوگوں نے اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا ہے؟

صاحبانِ فضیلت!

میں یہ سطور ایسے وقت میں آپ کو لکھ رہا ہوں کہ امت کے چپکنا چور جسم میں ذرہ برابر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جو کہ زہریلے تیر اور نوک دار تلوار سے گھائل نہ کی جا چکی ہو۔

میں آپ کے نام یہ سطور ایسے وقت میں لکھ رہا ہوں کہ جب اقوام متحدہ اور اس کے عالمی چارٹر کے تحت مسلمانوں کا قتلِ عام ایک جائز کام ہے۔ حد تو یہ ہے کہ شیر خوار بچوں تک کو معاف نہیں کیا جاتا۔ اسلامی مقدسات کی کھلم کھلا توہین کی جا رہی ہے۔ یہ ایسا نظام ہے کہ متعصب

کفار کروڑوں مسلمانوں کو ختم کرنے اور ان کا محاصرہ کرنے کے درپے ہیں اور آج کل تو یہ حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اقوامِ کفر مسلمانوں کے خلاف اپنی ظالمانہ سازشوں کا برملا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں اور یہی اقوام متحدہ کی تنظیم ہے جو کہ ان سازشوں کی تکمیل کے لیے لونڈی کا کردار ادا کرتی رہتی ہے۔ مغرب والوں کو اب بھی شرم نہیں آتی اور انسانی حقوق کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک عورت کو جہنم میں اس لیے ڈالا گیا ہے کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا، نہ اسے کھانا کھلاتی اور نہ ہی حشرات الارض کھانے کے لیے چھوڑتی، یہاں تک کہ وہ بلی مر گئی۔"

حدیث میں ایک بلی پر پابندی، انجام اور سزا کی کیسی تشریح کی گئی ہے۔

پس اے اللہ کے بندو! آپ ان لوگوں کے بارے میں کیا سوچتے ہیں جن کی پابندیوں کی وجہ سے مسلمان قومیں موت کی دہلیز تک پہنچ گئی ہیں؟

اے خدائے بزرگ و برتر! میں ایسے لوگوں کے اعمال سے بے زاری کا اعلان کرتا ہوں اور کفار کی ظالمانہ پابندیوں میں جکڑے ہوئے مظلوم مسلمانوں کی مدد نہ کرنے پر معافی چاہتا ہوں۔

اے عالم اسلام کے علمائے کرام!

یہ زخم چاہے کتنے ہی گہرے کیوں نہ ہوں اور بحران جتنا بھی شدید ہو ہمیں اللہ تعالیٰ پر توکل ہے کہ اللہ بہت مہربان ہیں اور یہ زخم بھر جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی نصرت کا وعدہ کیا ہے اور بشارت دی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایک جماعت ایسی ہو گی جو حق کے لیے لڑے گی اور ہمیشہ غالب رہے گی اور مخالفت کرنے والوں کی مخالفت، بدخواہوں کی بدخواہی اور ملامت کرنے والوں کا طعن و تشنیع ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا تا آں کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرما دیں یعنی قیامت کا اعلان فرما دیں اور یہ جماعت اپنے عزم پر ڈٹی رہے گی۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحم فرمایا اور ان کو امارت اسلامیہ کا تحفہ دیا جو کہ اللہ کی شریعت کے نفاذ اور توحید کے جھنڈے کی بلندی کے لیے کوشاں ہے۔ یہ تحفہ امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کی زیر قیادت امارت اسلامیہ افغانستان ہے۔ پس آپ پر یہ واجب ہے کہ لوگوں کو امارت اسلامیہ کی طرف دعوت دیں اور سیلاب کی طرح بہنے والے بین الاقوامی کفر کے مقابلے میں جان و مال سے اس کی مدد کریں اور کفر کے خلاف اس کے شانہ بشانہ لڑیں۔ امید ہے کہ آپ حضرات کفر کے مقابلے کے لیے اپنی کانفرنس کے ایجنڈے میں مندرجہ ذیل موضوعات کو بھی شامل فرمائیں گے:

۱۔ جان سے:

تمام ممکنہ وسائل کے ساتھ امارت اسلامیہ کی حمایت کے لیے لوگوں اور نوجوانوں کو دعوت اور جہاد کی ترغیب، کیونکہ جہاد ہی اس دور کا سب سے بڑا اور اہم فریضہ ہے۔

۲۔ مال سے:

متمول اور دولت مند افراد کو ترغیب دی جائے کہ دامے درمے سخنے اور قدمے امارت اسلامیہ کے ساتھ امداد کریں۔ اپنے اموال کی زکوٰۃ میں امارت اسلامیہ کو حصہ دار بنا دیں اور امارت اسلامیہ کی حدود میں نفع بخش کاروباری سرگرمیوں کے لیے آگے آئیں۔

۳۔ زبان سے:

امارت اسلامیہ کی اور اس کے شرعی امیر کی اطاعت کے بارے میں فتویٰ صادر کرنا۔ اس مناسبت سے میں آپ سب اور دنیا کے تمام لوگوں کو یہ تاکید کرتا ہوں کہ امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کے ہاتھوں پر بیعت کرنا فرض ہے اور یقیناً میں نے بالفعل ان کے ہاتھوں پر بیعت کی ہے۔

اپنے اس عمل کی دلیل کے طور پر بہت سارے شرعی نصوص میں سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل حدیث نقل کرتا ہوں جو فرماتے ہیں:

"تلزم جماعة المسلمين وامامهم."

"مسلمانوں کی جماعت اور اس کے امام کا ساتھ دو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا قول ہے:

"من مات وليس في عنقه بيعة مات موت الجاهلية." (رواہ مسلم)

"جو مر گیا اس حالت میں کہ اس کے گلے میں بیعت (کا طوق) نہیں تھا تو گویا وہ جاہلیت کی موت مر گیا۔"

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کے اس جم غفیر کے سامنے جو کہ دین کی محبت اور آپ سے تعلق کی بنیاد پر یہاں جمع ہو گئے ہیں اور آپ کی ہدایات کے منتظر ہیں یہ برملا اعلان کریں کہ عزت اور کامیابی جہاد ہی میں ہے، قرونِ اولیٰ کے مسلمان اسی جہاد کی برکت سے عزت و شرف کے اعلیٰ و ارفع مقام تک پہنچے تھے اور آنے والی مسلمان نسلیں بھی اسی جہاد کی برکت سے معزز بن جائیں گی اور ان کی تکلیف اور غربت ختم ہو جائے گی۔

مسلمانوں کو اس بات کا درس دیجیے کہ جہاد کا اصل مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ایک ایسی جماعت نہ ہو جس کا ایک امیر پر اتفاق ہو چکا ہو اور وہ اس کی بات سنتے ہوں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے اور میں ان پانچ چیزوں کا حکم تمہیں دیتا ہوں: سمع و طاعت کا، جہاد کا، ہجرت کا اور اتفاق و اتحاد کا، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے ایک بالشت کے بقدر دور ہوتا ہے تو گویا اُس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیا اِلاَّ یہ کہ وہ واپس لوٹ آئے اور جو جاہلیت والی آواز لگائے گا تو وہ جہنم کا ایندھن ہے۔

اس لیے اے اللہ کے بندو! اللہ کی آواز لگایا کرو جس نے تمہارا نام مسلم اور مومن رکھا ہے۔ جماعت سے چمٹے رہنا......"

مندرجہ بالا احادیث نبویہ اس کا درس دیتی ہیں کہ اسلام اس وقت تک حاکم نہیں ہو سکتا جب تک مسلمان ایک جماعت نہ بن جائیں اور جماعت امیر کا انتخاب نہ کرے اور امیر ان میں اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب اس کی اطاعت نہ کی جائے اور اس (امیر) کے تمام اوامر کی بجا آوری نہ کریں۔

مندرجہ بالا نصوص و حقائق کے پیش نظر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد وہ شرعی حاکم اور امیر ہیں جنہوں نے آج کے زمانے میں شریعت محمدی کا نفاذ کیا ہے۔

ان کے تمام فرامین بالخصوص بت شکنی، منشیات کی کاشت پر پابندی اور کفار کے حملے کے مقابلے میں ثابت قدمی اور عزم و استقامت کے بارے میں فرامین اسلامی تاریخ کے وہ مواقف ہیں جو امیر المومنین کے صدق و حق پر دلالت کرتے ہیں۔

صاحب فضیلت حضرات!

امتِ مسلمہ آپ کی طرف آس لگائے بیٹھی ہے۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ بہانگ دہل حق کا اعلان کر دیں اور اس راستے میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَداً إِلَّا اللّٰهَ وَكَفَى بِاللّٰهِ حَسِيْباً ○ (سورۃ الاحزاب: ۳۹)

"(اور) جو اللہ کے پیغام (جوں کے توں) پہنچاتے اور اس سے ڈرتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ ہی حساب کرنے کو کافی ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَإِذَ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلاَ تَكْتُمُونَهُ (سورۃ آل عمران: ۱۸۷)

"اور جب اللہ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب عنایت کی گئی تھی اقرار لیا کہ (اس میں جو کچھ لکھا ہے) اسے صاف صاف بیان کرتے رہنا۔ اور اس (کی کسی بات) کو نہ چھپانا۔"

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنالیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلاَ يَخَافُونَ لَوْمَةَ لآئِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ (سورۃ المائدۃ: ۵۴)

"اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرتا ہو گا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے جو مومنوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے۔ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑے علم والا ہے۔"

آخر میں ہماری طرف سے سلام قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو راہ حق میں مزید ثبات و استقامت نصیب فرمائیں، آمین۔

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (سورۃ التوبۃ: ۱۰۵)

"اور (ان سے) کہو کہ: تم عمل کرو۔ اب اللہ بھی تمہارا طرز عمل دیکھے گا، اور اس کا رسول بھی اور مومن لوگ بھی۔"

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا بھائی

اسامہ بن محمد بن لادن

۱۵ محرم ۱۴۲۲ھ / ۹ اپریل ۲۰۰۱ء

پس یہی ہے اصل راستہ!

میرے محبوب مجاہدین اسلام! یہی ہے راہِ حق، یہ انبیا و رسل کا رستہ ہے، انبیا کے ساتھیوں کا رستہ ہے اور قیامت تک ان کے رستے پر چلنے والوں کی راہ ہے، یہ راہ ہے آزمائشوں اور مصائب کی، وہن سے بچتے ہوئے ثابت قدم رہنے کی، استغفار و دعاؤں کی کثرت کی، پھر ان سب کے بدلے میں دنیا میں عزت و عفت اور آخرت میں اللہ کے احسان سے ثواب و فلاح تمہاری منتظر ہے، یہ قافلہ ایک مستقل دعوت اور کبھی نہ رکنے والے جہاد میں مصروف ہے اس وقت سے مصروف ہے جب سے اللہ نے اس زمین کو تخلیق فرمایا اور اس وقت تک مصروف رہے گا جب تک اللہ اس زمین اور اس پر رہنے والوں کی بساط لپیٹ نہ دے۔ یہ قافلہ کسی قائد کی شہادت یا کسی رہنما کو کھو دینے سے نہیں تھمتا، کسی تکلیف و آزمائش کے سبب سے پیچھے نہیں ہٹتا، وسائل و افراد کی قلت یا وقتی ہزیمت کے سبب واپسی کی راہ نہیں لیتا بلکہ ان سب رکاوٹوں کو عبور کرتا ہوا ہر آزمائش سے مزید ہمت، قوی تر عزم اور پختہ تر ارادے لے کر مسلسل بڑھتا چلا جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے ہمارے محبوب نبی ﷺ کے صحابہؓ نے آپؐ کے ہمراہ احد کے دن عملاً کر کے دکھایا۔

(حکیم الامت فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ)

ذاکِر موسیٰ شہید رحمة الله عليه

کا خصوصی انٹرویو

شہید ذاکر موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریری انٹرویو ۲۰۱۹ء کے اوائل میں دیا تھا۔ ذاکر موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا ایک سال پورا ہونے کے بعد اس خصوصی انٹرویو کو مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع کیا جا رہا ہے۔

ادارہ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

شہید ذاکر موسیٰ: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ادارہ: محترم بھائی! ہمیں جہادِ کشمیر کی بابت کچھ بتائیے؟

شہید ذاکر موسیٰ: بسم الله الرحمٰن الرحيم. الحمد لله و الصلاة و السلام علىٰ رسول الله، اما بعد!

جہادِ کشمیر دنیا کی پرانی جہادی تحریکوں میں سے ایک ہے۔ کشمیر، فلسطین، شیشان یہ دنیا کے پرانے جہادی محاذ ہیں، اور کشمیر کا جہاد دیگر محاذوں کی نسبت بہت مختلف اور پر مشقت ہے۔ یہ مختلف اس لیے ہے کہ یہاں مجاہدین کے پاس رہنے کے لیے کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے، بلکہ انہیں ہمیشہ گوریلا چالوں سے ہی گزارا کرنا پڑتا ہے اور پر مشقت اس لیے کہ مجاہدین کے پاس کمک کے لیے محض ایک ہی ملک (پاکستان) ہے۔ یہ ملک جب چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور جب چاہتا ہے مدد روک دیتا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے حاصل شدہ اہداف بھی رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ ہمیشہ جب بھی ہم نے ہندوستانی فوج کو ہزیمت کا شکار کیا پاکستان سے ہماری سپلائی لائنیں کاٹ دی جاتیں اور اس سے ہندی فوج کو تقویت پہنچتی۔ اسی لیے ہمیں اس امر کی فوری ضرورت ہے کہ جہادِ کشمیر کو ایسی تمام مداخلت سے آزاد کروایا جائے جس سے اسے ذاتی یا ملکی مفادات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

ادارہ: تحریکِ جہادِ کشمیر کب سے جاری ہے؟

شہید ذاکر موسیٰ: جہادِ کشمیر تقریباً تیس سال قبل ۱۹۸۹ء میں شروع ہوا۔ مگر اس کی بنیاد تو اس سے کہیں پہلے رکھ دی گئی تھی، حتیٰ کہ تقسیمِ ہند سے بھی قبل۔ ۱۹۳۱ء میں یہاں اسلام کی خاطر بائیس مسلمان ایک ہندو راجہ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس کے بعد بہت سے لوگوں نے اپنی استطاعت کے مطابق جہاد میں اپنا حصہ ڈالا۔ اور ان شاء اللہ یہ جہاد جاری رہے گا یہاں تک کے کشمیر میں اسلام کا کلمہ سربلند ہو جائے۔

یہ جہاد اسلامیانِ کشمیر اور مہاجر مجاہدین کے لہو کی بدولت جاری و ساری ہے، حتیٰ کہ تب بھی جب کہ ہمارے نام نہاد مددگار ہمیں چھوڑ چکے تھے۔ ہمارا جہاد ہمیشہ سے کشمیر کو ایک اسلامی ریاست یعنی دارالاسلام بنانے کے لیے رہا ہے۔ اور اس کے لیے بنیادی امر اس قابض بھارت کی شکست ہے۔

ادارہ: جہادِ کشمیر کو عام طور پر وطن پرست تحریک یا پاکستان اور بھارت کے درمیان پراکسی وار کے طور پر دیکھا جاتا ہے، یہ تناظر کتنا درست ہے؟

شہید ذاکر موسیٰ: ہرگز نہیں، جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں تحریکِ جہادِ کشمیر پاکستان اور بھارت دونوں کے قیام سے بھی پرانی ہے۔ یہ جہاد اسلامیانِ کشمیر اور مہاجر مجاہدین کے لہو کی بدولت جاری و ساری ہے، حتیٰ کہ تب بھی جب کہ ہمارے نام نہاد مددگار ہمیں چھوڑ چکے تھے۔ ہمارا جہاد ہمیشہ سے کشمیر کو ایک اسلامی ریاست یعنی دارالاسلام بنانے کے لیے رہا ہے۔ اور اس کے لیے بنیادی امر اس قابض بھارت کی شکست ہے۔

انصار غزوۃ الہند کے قیام کے پیچھے مرکزی محرک یہ تھا کہ مجاہدین اور نوجوان یہ بات اچھی طرح سمجھ جائیں کہ کفار کے خلاف ہتھیار اٹھا کر کٹھن سے کٹھن حالات میں بھی اپنا وجود برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جہاد جاری رہنے کے لیے کسی بھی شخص، تنظیم یا ملک کا محتاج نہیں ہے۔ یہ جہاد تو ان نوجوانوں کی بدولت جاری ہے جو اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں اور یہ جہاد کسی کی بھی مدد کے بغیر ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

شریعت یا شہادت کا نعرہ اس نظریے اور صدائے برحق کو پھیلانے میں بہت اہم ہے۔ یعنی جہاد کا کا حقیقی پیغام اور حقیقی مطلب۔

ہمارا مقصد تمام بتوں سے جنگ ہے چاہے وہ ہندوؤں کی صورت میں ہوں یا نام نہاد مسلمانوں کے تراشیدہ۔

ہمارا یہ پیغام ہے کہ جہاد کو کسی کے مفادات پورا کرنے کے لیے غلام نہیں رکھا جا سکتا اور یہ کہ امت کی فتح اور عزت واپس لانے کے لیے واحد تلوار جہاد ہی ہے۔

ادارہ: آپ اور آپ کے مجاہد ساتھیوں نے ہندوستان سے جنگ کا منصوبہ کیسے تیار کیا؟

شہید ذاکر موسیٰ: ہندو ایک بزدل قوم ہے، اور بزدلی ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ ہندوستان کے خلاف جہاد میں اس قدر طویل مدت محض اس لیے لگ گئی کہ مجاہدین نے کمک اور رہنمائی کے لیے ان پر تکیہ کیا جو کہ مخلص ہی نہیں تھے۔ اب جبکہ وقت بدل چکا ہے اور مجاہدین ان لوگوں کی خیانت کو جان چکے ہیں جنہوں نے اس جہاد کو اپنے مفادات کی خاطر استعمال کیا، تو اب یہ جہاد آزاد ہو کر رہے گا۔ اور ہندوستان کی شکست تو بہت آسان ہے؛ اگر ہم اللہ کی جانب سے فتح پر کامل یقین رکھتے ہوں۔ ہندوستان ایک بڑا ملک ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اگر جہادِ کشمیر آگے بڑھ کر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیل جائے تو ہندوستان سوویت یونین کی طرح ٹوٹ جائے گا۔ وہ اتنے سارے محاذوں پر اپنا دفاع ہرگز نہیں کر سکتے اور اگر کرنا چاہیں گے تو ان شاء اللہ ان کی اپنی معیشت کا بوجھ ان پر گرنے کو تیار ہے۔

ادارہ: آپ کے جہادی سفر میں مشکل ترین گھڑی کیا تھی؟ آپ نے اس مشکل کا کیسے مقابلہ کیا، اور اس سے کیسے نکلے؟

شہید ذاکر موسیٰ: میرے لیے مشکل ترین وقت وہ تھا جب میں نے اپنی سابقہ تنظیم کو چھوڑا۔ اس وقت میرے بہت سے ساتھیوں نے میرے اس فیصلے کی تائید کی، وہ آگے بڑھ کر میرے ساتھ حصہ ڈالنے پر بھی تیار تھے۔ لیکن بعد میں ان کی اکثریت نے اس تائید سے ہاتھ کھینچ لیا، اور دوسروں کے ورغلانے پر دور ہوتے چلے گئے۔

مگر میں نے بفضل اللہ، امید کا دامن نہیں چھوڑا اور مضبوطی سے اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں پوری استقامت سے اپنی آخری سانس تک اس راستے پر چلوں گا۔ چاہے مجھے اکیلا ہی کیوں نہ چلنا پڑے۔ اور الحمدللہ، بالآخر بہت سارے اس کاروانِ حق کا حصہ بنے، اور یہ قافلہ آگے ہی بڑھتا جائے گا اور کبھی نہیں رکے گا ان شاء اللہ۔

ادارہ: ہم نے سنا کہ گزشتہ سال دسمبر میں ایک جنگ کے دوران آپ کے نائب دیگر چار سے پانچ مجاہد ساتھیوں کے ہمراہ شہید ہو گئے ہیں؟

شہید ذاکر موسیٰ: جی، اللہ تعالیٰ ان کی شہادت قبول فرمائیں۔ وہ سب متواضع اور مخلص ساتھی تھے۔ جب انہوں نے 'شریعت یا شہادت' کا پیغام سنا تو اسے قبول کیا، حتیٰ کہ مشکل حالات میں، جب کہ ہمارے پاس وسائل بھی بہت کم تھے۔ اس کے باوجود وہ ہمارے ساتھ آئے اور جہاں تک بات ہے ریحان خان رحمہ اللہ کی تو انہوں نے کشمیر کے ہر گھر، ہر نوجوان تک جہاد فی سبیل اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے دن اور رات محنت کی۔ جن مجاہدین کو میں جانتا ہوں وہ ان میں سے ایک بہترین مجاہد تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی جہادی کاوشوں کو قبول فرمائیں۔

> الحمدللہ، روز بروز ہماری تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اور مزید سے مزید لوگ ہمارے اس پیغام کو سمجھ رہے ہیں۔ پھر یہ بات جاننا بھی بہت اہم ہے کہ ہمارا ہدف محض تعداد بڑھانا نہیں ہے۔ جیسا کہ صحراؤں اور پہاڑوں میں لڑنے والی فوج کی ترجیحات مختلف ہوتی ہیں ویسے ہی ہماری فی الوقت ترجیح یہ ہے کہ لوگوں تک جہاد فی سبیل اللہ کا پیغام پہنچ جائے؛ اور پھر ایسے جہاد کا پیغام جو خائن ریاستوں کی مداخلت سے پاک ہو، جس کا مقصد محض اللہ کی رضا ہو...... اسلامی نظام کا قیام ہو اور یہ پیغام تمام سلیم القلب لوگوں تک پہنچنا بھی چاہیے۔ ہم یہاں ایسی تحریک برپا کر دینا چاہتے ہیں جس میں ہر نوجوان حتیٰ کے بزرگ بھی اسلام کی خاطر اپنی جان قربان کرنے پر تیار ہوں۔

ادارہ: ہمیں اپنے جہادی سفر کے بارے میں کچھ بتائیے؟

شہید ذاکر موسیٰ: میری بچپن سے اٹھان سرزمینِ جہاد میں ہوئی اور بچپن ہی سے میں مجاہدین کے ماحول میں پلا بڑھا۔ میں نے کئی بار مجاہدین کی صفوں میں شامل ہونے کی کوشش بھی کی مگر کوئی رابطہ نہیں بن سکا۔ نویں کلاس میں میرے والد صاحب نے مجھے نیا موبائل فون لے کر دیا، میں نے وہ بیچا اور اس کے پیسے ایک آدمی کو دیے جس نے وعدہ کیا تھا کہ مجاہدین سے رابطہ کروائے گا۔ لیکن وہ ایک دھوکہ نکلا۔ بالآخر کالج کے زمانے میں میرا مجاہدین سے تعلق بن گیا، اور میں غازی سرفراز (رحمہ اللہ) کی زیر سرپرستی ۲۰۱۳ء میں مجاہدین کی صف میں شامل ہو گیا۔ بھائی غازی سرفراز رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد برہان وانی رحمہ اللہ نے قیادت سنبھالی اور شہادت تک وہی میرے امیر رہے۔

ادارہ: مجاہد برہان وانی کی شہادت نے کشمیر میں ایک بیداری کی لہر برپا کر دی...... انہیں اللہ نے لوگوں میں بہت مقبولیت بھی عطا فرمائی۔ تو آپ ان کے ساتھ گزرے ہوئے اپنے وقت کے بارے میں کچھ بتائیں۔

شہید ذاکر موسیٰ: میں نے برہان وانی (اللہ ان کی شہادت قبول فرمائیں) کے ساتھ طویل وقت گزارا ہے۔ وہ بہت متقی اور ذہین انسان تھے۔ یہ برہان وانی رحمہ اللہ ہی تھے جنہوں نے ایک نئی تنظیم بنانے کی ضرورت محسوس کی تھی تاکہ ایک آزاد جہاد کا آغاز کیا جا سکے جو کہ کسی بھی ملک کی مداخلت سے پاک ہو اور جس کا مقصد محض اللہ کی شریعت کا نفاذ ہو نہ کہ کسی کے مفادات کا۔ شہادت سے محض دس دن قبل برہان وانی رحمہ اللہ نے یہ پیغام مختلف لوگوں کو بھیجا تھا کہ انہوں نے بالآخر حتمی طور پر ایک نئی تنظیم بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی جہادِ کشمیر کو آزاد اور مضبوط بنانے کی عظیم خدمات کو قبول فرمائیں۔

ادارہ: ہمیں انصار غزوۃ الہند کے بارے میں کچھ بتائیے؟

شہید ذاکر موسیٰ: انصار غزوۃ الہند محض دیگر موجود تنظیموں میں کسی نئی تنظیم کا اضافہ نہیں ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ یہ ایک تنظیم ہے مگر اس سے بڑھ کر یہ ایک پیغام ہے۔

انصار کے قیام کا مقصد مجاہدین اور نوجوانوں کو یہ باور کروانا ہے کہ اپنا وجود برقرار رکھنا، ہتھیار حاصل کرنا اور پھر جنگ کرنا یہ سب کچھ ممکن ہے حتیٰ کہ انتہائی کٹھن ترین حالات میں بھی۔ اس جہاد کو کوئی شخصیت، کوئی تنظیم یا کوئی ملک نہیں چلاتا۔ یہ جہاد تو اللہ کے وعدوں پر یقین رکھنے والے نوجوانوں کی بدولت جاری ہے۔ چاہے کوئی اس کی حمایت کرے یا نہ کرے۔ انصار غزوۃ الہند کے قیام کا اہم مقصد جہاد کے حقیقی معنی اور پیغام پر مشتمل سچی دعوت اور برحق پیغام کی ترویج ہے۔ ہم تمام بتانِ باطلہ کو توڑ دینا چاہتے ہیں، پھر چاہے ان بتوں کی شکل ہندو ہو یا بظاہر یہ بت مسلم پیرہن میں چھپے ہوں۔ ہمارا یہی پیغام ہے کہ جہاد کسی کے بھی مفادات کے لیے غلام نہیں رکھا جاسکتا، اور مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت حاصل کرنے کا واحد طریقۂ کار صرف جہاد ہی ہے۔

ادارہ: آپ کی اس جد و جہد اور تحریکِ جہاد کا مقصد کیا ہے؟ کیا یہ جہاد، کشمیر کو بھارتی قبضے سے آزاد کروانے تک محدود ہے؟

شہید ذاکر موسیٰ: ہمارا مقصد کشمیر کو بھارتی ہندو کفار کے قبضے سے آزاد کروا کر اسے دارالاسلام بنانا ہے اور عین اس کے ساتھ ہی ہندوستان کو دوبارہ فتح کرنا اور اسے دارالاسلام بنانا بھی۔ ہندوستان میں موجود اپنے بھائیوں اور بہنوں کو ظلم سے آزاد کروانا بھی ہمارا مقصد ہے، ان شاء اللہ۔ اور ہم پوری قوت سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ حاصل کرنے کا واحد راستہ محض جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے۔

پھر ہم اپنے اس جہاد کو جملہ طواغیت کے خلاف جاری عالمی جہاد کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اور ہم اسے اس عالمی جہادی تحریک کے محاذوں میں سے ایک محاذ سمجھتے ہیں جس کا مقصد ان انسانی وضع کردہ سرحدوں کا خاتمہ ہے، جو اس نظام کو بدلنا چاہتے ہیں اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کرنا چاہتے ہیں۔

ادارہ: کیا کوئی عرب یا افغان یا دیگر خطوں کے مجاہدین بھی آپ کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں؟

شہید ذاکر موسیٰ: دنیا کے کسی بھی خطے کا کوئی بھی مجاہد ہماری صفوں میں شامل ہو سکتا ہے اور غزوۂ ہند کے اس مبارک جہاد کا حصہ بن سکتا ہے۔ کشمیر کے مسلمانوں نے ہمیشہ مہاجر مجاہدین کے لیے اپنے دلوں کو کھلا رکھا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی یہ جاری رہے گا۔

ادارہ: فی الوقت آپ سے وابستہ مجاہدین کی تعداد کیا ہے؟

شہید ذاکر موسیٰ: الحمدللہ، روز بروز ہماری تعداد میں اضافہ ہو تا جا رہا ہے۔ اور مزید سے مزید لوگ ہمارے اس پیغام

> میں مجاہدین سے کہتا ہوں کہ اسلام کے ساتھ مخلص اور سچے رہیے۔ امت کا اور تمام دنیا کے مسلمانوں کا درد محسوس کیجیے۔ ظاہری ناکامیوں پر دل شکستہ نہ ہوں اور چھوٹی چھوٹی سی کامیابیوں پر اپنا ''مقصد'' نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ صبر و استقامت اختیار کریں اور حکیم قائدینِ جہاد کے حکمت سے بھرپور الفاظ و حکمت سے بھرپور نصیحتیں پوری توجہ سے سنیں۔

کو سمجھ رہے ہیں۔ پھر یہ بات جاننا بھی بہت اہم ہے کہ ہمارا ہدف محض تعداد بڑھانا نہیں ہے۔ جیسا کہ صحراؤں اور پہاڑوں میں لڑنے والی فوج کی ترجیحات مختلف ہوتی ہیں ویسے ہی ہماری فی الوقت ترجیح یہ ہے کہ لوگوں تک جہاد فی سبیل اللہ کا پیغام پہنچ جائے؛ اور پھر ایسے جہاد کا پیغام جو خائن ریاستوں کی مداخلت سے پاک ہو، جس کا مقصد محض اللہ کی رضا ہو...... اسلامی نظام کا قیام ہو اور یہ پیغام تمام سلیم القلب لوگوں تک پہنچنا بھی چاہیے۔ ہم یہاں ایسی تحریک برپا کر دینا چاہتے ہیں جس میں ہر نوجوان حتیٰ کہ بزرگ بھی اسلام کی خاطر اپنی جان قربان کرنے پر تیار ہوں۔ وہ اسلام اور محض اسلام ہی کی خاطر مشرکین کو قتل کرنے کے قابل ہو سکیں۔

ادارہ: مجاہدین کے نام آپ کا کیا پیغام ہے؟

شہید ذاکر موسیٰ: میں تمام مجاہدین سے کہتا ہوں کہ کشمیر میں موجود اپنے بھائیوں کے لیے دعا کیجیے جو کہ الحمدللہ ایک مشکل ترین جہاد میں برسرِ پیکار ہیں۔ کشمیری مسلمان بھی دنیا بھر کے مجاہدین کی فتح و نصرت کے لیے دعا کرتے ہیں۔

میں مجاہدین سے کہتا ہوں کہ اسلام کے ساتھ مخلص اور سچے رہیے۔ امت کا اور تمام دنیا کے مسلمانوں کا درد محسوس کیجیے۔ ظاہری ناکامیوں پر دل شکستہ نہ ہوں اور چھوٹی چھوٹی سی کامیابیوں پر اپنا ''مقصد'' نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ صبر و استقامت اختیار کریں اور حکیم قائدینِ جہاد کے حکمت سے بھرپور الفاظ و حکمت سے بھرپور نصیحتیں پوری توجہ سے سنیں۔

ادارہ: برادرِ عزیز ذاکر موسیٰ! آپ کا ہمیں انٹرویو دینے کا بہت بہت شکریہ!

شہید ذاکر موسیٰ: جزاکم اللہ خیراً کثیراً!

سوادِ اعظم کیا ہے؟

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ایک فرمان کو بنیاد بناتے ہوئے ”...... تم سوادِ اعظم کا ساتھ دو...... الخ“، یہ خیال راسخ وعام ہو رہا ہے کہ شرعی معیارات سے قطعِ نظر، جس طرف زیادہ لوگ ہیں، وہی ”جماعتِ حق“ ہے۔ اسی خیالِ فاسد کی اصلاح کے لیے فقہِ حدیث کی مایۂ ناز کتاب ”اعلاء السنن“ کے مؤلف المحدث، الفقیہ، علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب تھانوی (نوّر اللہ مرقدہ) کی تحریر پیشِ خدمت ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اہلِ حق گو قلیل ہی کیوں نہ ہوں، ان کا ساتھ درحقیقت سوادِ اعظم (جماعت) کا ساتھ ہے، اور اہلِ باطل خواہ کثیر ہی کیوں نہ ہوں، ان کا ساتھ دراصل جماعت سے افتراق اور ناحق کی اتباع ہے۔ یہاں اس بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہاں علما و اہلِ دین کی جماعتِ کثیرۃ کی ہر معاملے میں اتباع یا ساتھ کی بات کی جا رہی ہے نہ کہ اس وقت رائج دنیا کے معروف و مشہور نظام ’جمہوریت‘ کی جس میں جہلا اور بے دین لوگوں کی اکثریت بھی واجبِ اتباع سمجھی جاتی ہے۔ پھر یہ بات بھی درجِ ذیل تحریر کے مطالعے سے واضح ہو جائے گی کہ شرعی معیارات کی قید لگائے بغیر محض علما و اہلِ دین کی کثیر تعداد کی اتباع ’سوادِ اعظم‘ یا ’دنیوی و اخروی‘ فلاح نہیں ہے تو جمہوری نظام میں نیک و بد اور عالم و جاہل کی قید کے بغیر کثرت کی پیروی کیسے فلاح کا ذریعہ ہو سکتی ہے؟ یہ تحریر ’فقہ و فتاویٰ‘ کی مشہور کتاب ’امداد الاحکام‘ سے اخذ کردہ ہے جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (قدس سرہٗ) کی زیرِ نگرانی تالیف و ترتیب دی گئی ہے۔ ترتیبِ نو کرتے ہوئے ہمارے ساتھی مولانا ابو ثنیٰ عبد الکبیر (حفظہ اللہ) نے پرانے حوالہ جات کو برقرار رکھتے ہوئے نئی تخریجات بھی درج کر دی ہیں۔ اللہ پاک اپنے دین کے مبادی و مفاہیم اہلِ ایمان میں عام فرمائیں اور ہمیں بخش دیں، آمین یا ربّ العالمین! (ادارہ)

عن علي بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”یوشک أن یأتي علی النّاس زمان لا یبقی من الإسلام إلا اسمه، ولا یبقی من القرآن إلا رسمه، مساجدهم عامرة، وهي خرابٌ من الهدی، علماؤهم أشرّ من تحت أدیم السّماء، من عندهم یمدح الفتنة“۔ رواه البیهقي في شعب الایمان۔ مشکوة

وقال في تنقیح الرواة وله شاهد عند الحاکم، فی المستدرک عن أنس باسناد حسن وعند ابی داود واحمد والحاکم عن ابن عمر، وعند الدیلمی عن معاذ، وتعدد الطرق یشد بعضها بعضا، ثم قال صدق الله وصدق رسوله صلی الله علیه وسلم، کل ما هو فی الحدیث رأیناه في زماننا هذا وإلی الله المشتکی اھ۔ ص۵۸

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے جب اسلام کا صرف نام رہ جائے گا، مساجد اچھی طرح تعمیر ہوئی ہوں گی مگر یہ ہدایت کے لحاظ سے خراب ہوں گی، اس وقت کے علما آسمان کے نیچے بدترین لوگ ہوں گے، انہی کی طرف سے ہر فتنہ کی تعریف ہو گی“۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ ایک زمانہ میں علما کی حالت عام طور پر خراب ہو گی اور اس سے مراد اکثر علما ہیں کیونکہ ہر زمانہ میں ایک طائفہ کا حق پر ہونا دوسری حدیث سے ثابت ہے؛ اور ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ اکثر علما کا کسی مسئلہ میں ایک طرف ہونا اس کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

۱۰۔ قال: ”أوصیکم بتقوی الله، والسّمع، والطاعة، وإن عبدٌ حبشيٌ فإنّه من یعش منکم یری اختلافاً کثیرا، وإیّاکم ومحدثات الأمور فإنّها ضلالة، فمن أدرک ذلک منکم فعلیه بسنّتي وسنّة الخلفاء الراشدین المهدیین، عضّو علیها بالنّواجذ“۔ قال الترمذي حسن صحیح ورواه ایضا ابن حبان في صحیحه والحاکم وقال صحیح علی شرطها ولیس له علة ورجال احمد رجال الحسن اھ۔ تنقیح الرواة، ج۱، ص۴۰۔ وفیه ایضا قال بعض العلماء هم الخلفاء الاربعة یقوله صلی الله علیه وسلم الخلافة بعدي ثلاثون سنة اھ۔

”میں تمہیں اللہ کے تقویٰ اور سمع و طاعت کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تمہارے اوپر حبشی غلام امیر بنایا جائے، تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بڑا اختلاف دیکھے گا، پس تم دین میں نئی باتیں پیدا کرنے سے بچو کہ (یہ) گمراہی ہے، پس تم میں سے جس نے یہ دور پالیا تو اُسے میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو دانتوں سے پکڑنا چاہیے“۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ جب امت میں اختلاف پیدا ہو تو سنت نبوی اور سنتِ خلفاء الراشدین کا اتباع واجب ہے، کثرتِ جماعت و قلّتِ جماعت کا اعتبار ہرگز نہیں کیا جاوے گا۔ اگر ایک شخص متبع سنت ہو تو عالم دنیا کا اختلاف اس کو مضر نہ ہو گا۔ باقی جن احادیث کا حوالہ سوال میں دیا گیا ہے ان کا مطلب عن قریب واضح ہو جائے گا۔

۱۱۔ عن معاذ، أنّ رسول الله صلی الله علیه وسلم حین بعثه إلی الیمن، فقال: ”کیف تصنع إن عرض لک قضاءٌ؟“ قال: أقضي بما في کتاب الله، قال: ”فإن لم یکن في کتاب الله؟“ قال: فبسنّة رسول الله صلی الله علیه وسلم، قال: ”فإن لم یکن في سنّة رسول الله صلی الله علیه وسلم؟“، قال: أجتهد رأیي لا آلو، قال: فضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم صدري، ثمّ قال: ”الحمدلله الذي وفّق رسولَ رسولِ الله صلی الله علیه وسلم لما یرضي رسول الله صلی الله علیه وسلم“۔ رواه سنن أبي داود في کتاب الأقضیة، باب اجتهاد الرأي فی القضاء، ورواه الترمذي وغیرهما مثل هذا الحدیث ایضا، ورجاله ثقات، الاحرث بن عمروا فی المغیرة بن شعبة مختلف فیه، ذکره ابن حبان فی الثقات وضعفه آخرون، کما یظهر من التهذیب ج۲، ص۱۰۲۔ والحدیث[1] منقطع ایضا، والانقطاع لا یضر عندنا۔

[1] قلت یویده ما في فتح الباري وعمر هو الذي کتب إلی شریح النظر ما تبین لک من کتاب الله، فلا تسئل عنه احدا فان لم تبین لک من کتاب الله فاتبع فیه سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم وما لم تبین لک من السنة فاجتهد فیه رأیک واخرج ابن ابی شیبة بسند صحیح، عن ابن مسعود نحو حدیث عمر من روایة الشیبانی وقال في آخر فان جاءه ما لیس في ذالک

معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن بھیجنا چاہا تو مجھ سے پوچھا 'اگر تمہیں قضا آجائے تو تم کس چیز سے اس کا فیصلہ کرو گے؟' میں نے عرض کیا "اللہ کی کتاب سے" آپ ﷺ نے پوچھا 'اگر اللہ کی کتاب میں وہ نہ ہو؟' میں نے عرض کیا "رسول اللہ ﷺ کی سنت سے" آپ ﷺ نے پوچھا 'اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں نہ ہو تو؟' میں نے عرض کیا "اپنی رائے استعمال کروں گا" آپ ﷺ نے میرا سینہ مارا اور فرمایا 'اللہ کے لیے تعریف ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندے کو اس چیز کی توفیق دی کہ جس سے اللہ کا رسول راضی ہوا"۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ اگر کوئی حکم کتاب اللہ و سنت رسول اللہ میں نہ ملے تو مشورہ کرنا واجب نہیں ہے بلکہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ہر مجتہد کو جائز ہے۔ اگر اس صورت میں مشورہ کرنا واجب ہوتا جیسا کہ حدیث نمبر ا مندرجہ سوال سے معلوم ہوتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ضرور حکم فرماتے کہ اپنے رفقا ابو موسیٰ اشعری، علاء بن حضرمی و علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم [1] سے ان امور میں مشورہ کر کے فیصلہ کیا کریں مگر آپ نے ایسا نہیں فرمایا۔ پس ہر عالم کو، جب مسئلہ کتاب و سنت میں مصرح نہ ہو تو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا اس حدیث سے جائز ہوا گو دوسرے علما اس کے خلاف ہوں۔

۱۲۔ روى العسكرى عن سليم بن العامرى، قال: "سأل ابن الكواء عليًا عن السنّة والبدعة، وعن الجماعة والفرقة، فقال:يا ابن الكواء! حفظت المسئلة فافهم الجواب: السنّة والله سنّة محمد صلى الله عليه وسلم، والبدعة ما فارقها، والجماعة والله مجامعة أهل الحق، وإن قلوا، والفرقة مجامعة أهل الباطل، وإن كثروا"۔ (العسكري)۔ كذا في منتخب العمال ج۱، ص۱۰۹ [2]

قال الذهبي فى الميزان عبد الله بن الكواء من رؤوس الخوارج اهـ وفي لسان الميزان انه قد رجع عن مذهب الخوارج وعاود صحبته علي [3] وباقى رواته لم اعرف وعلى تراجمهم لم أقف وانما ذكرت [4] الحديث متابعة وقال الحافظ فى الفتح تحت حديث ابن عباس في قصّة وفاة النبى صلى الله عليه وسلم وخطبة ابى بكر من كان يعبد محمداً فإنّ محمدا قد مات الخ ما نصه، فيؤخذ منه أنّ الأقلّ عددا فى الاجتهاد قد يصيب ويخطئكثر فلا يتعيّن الترجيح بالأكثر، ولا سيّما إن ظهر أنّ بعضهم قلّد بعضا [5]۔ ج۸، ص۱۱۲

ابن عامری سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ سے ابن الکوا نے سنت و بدعت اور جماعت اور تفریق (فُرقہ) کے متعلق پوچھا، علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یا ابن الکوا! اس مسئلے کو سمجھو اور یاد رکھو، پھر فرمایا 'سنت رسول اللہ ﷺ کا عمل مبارک ہے اور بدعت وہ ہے جو اس سے ہٹا ہوا ہو، اور الجماعۃ اہل حق کا ساتھ ہے، اگرچہ وہ قلیل ہی کیوں نہ ہوں، اور فُرقہ اہل باطل کا ساتھ دینا ہے اگرچہ وہ کثیر ہی کیوں نہ ہوں"۔

اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ اہل حق گو قلیل ہوں، ان کے ساتھ رہنا جماعت کے ساتھ رہنا ہے اور اہل باطل خواہ کثیر ہوں، ان کے ساتھ رہنا جماعت سے فرقت ہے۔ پس کسی مسئلہ میں جس کی دلیل کتاب و سنت و اقوال فقہا سے زیادہ قریب ہو گی، وہ حق پر ہو گا، خواہ وہ شخص واحد ہی ہو۔ اور جو لوگ دلائل سے فیصلہ نہ کر سکیں، وہ یہ دیکھیں کہ تقویٰ اور علم و محبت دین و خوف و دیانت و رجحانِ عقل میں کون زیادہ ہے۔ پس جو شخص ان کے اعتقاد میں ان اوصاف میں دوسروں سے ممتاز ہو، اس کا اتباع کریں کیونکہ ایسا شخص سنت نبویہ کا زیادہ متبع ہو گا۔

قال فى العالمكيرية: ـوإذا كان المبتلى فقيهاً له رأيٌ فاستفتى فقيهاً آخر فأفتاه بخلاف رأيه يعمل برأي نفسه، وإذا كان المبتلى جاهلاً فإنّه يأخذ بفتوى أفضل الرجال عند عامّة الفقهاء۔ ج۴، ص۱۸۴ (كتاب أدب القاضي، الباب الثامن عشر فى القضاء بخلاف ما يعتقده المحكوم له أو المحكوم عليه وفيه بعض مسائل الفتوى)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ جب انسان خود فقیہ ہو تو مسئلۂ نازلہ میں اس کو اپنی رائے پر عمل کرنا واجب ہے۔ دوسرے فقہا کی رائے اگر اس کے خلاف ہو، اس پر اس کو عمل جائز نہیں (گو وہ شمار میں کتنے ہی ہوں يدل عليه إطلاق الجواب)

۲۔ عام لوگوں کو مسئلۂ نازلہ میں اس شخص کے فتوے پر عمل کرنا واجب ہے جو ان کے اعتقاد میں سب سے افضل ہو۔ اس میں یہ حکم نہیں بتلایا گیا کہ جدھر زیادہ ہوں ادھر جانا چاہیے بلکہ صاف تصریح ہے کہ عالمِ افضل کے فتوے پر عمل کرنا چاہیے جو ان کے اعتقاد میں سب سے افضل ہو۔

فاجتهد رأيه فان الحلال بيّن والحرام بيّن فدع ما يريبك إلى ما يريبك اهـ ملخصا ج۱۳، ص۲۴۴، والله اعلم

[1] یمن میں یہ حضرات بھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور بعض ان کے پیچھے پیچھے کچھ ایام کے فاصلے سے بھیجے گئے تھے۔ واللہ اعلم

[2] كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، كتاب الإيمان والإسلام من قسم الأفعال، الباب الثاني: فى الاعتصام بالكتاب والسنة۔ تحت الرقم: ۱۶۴۴

[3] [عبدالله بن الكواء من رؤوس الخوارج انتهى، وقال البخاري لم يصح حديثه قلت وله أخبار كثيرة مع علي وكان يلزمه ويعييه فى الأسئلة وقد رجع عن مذهب الخوارج وعاود صحبة علي، (لسان الميزان لإبن حجر: تحت الرقم: ۱۳۶۷، الناشر: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات ـ بيروت، الطبعة الثالثة، ۱۴۰۶ـ ۱۹۸۶، تحقيق: دائرة المعرف النظامية ـ الهند]

[4] قلت وله شاهد صحيح من قوله صلى الله عليه وسلم، لا يزال طائفة من أمتي على الحق منصورين الخ، فالجماعة والله مجامعتهم وان قلو، والحديث يدل بعبارته على قلتهم فافهم ۱۲منه

[5] (فتح الباري، المغازي، تحت الرقم: ۴۰۹۷)

۱۳۔وفی المنار ونور الانوار في تعریف الاجماع هو اتفاق مجتهدین من امة محمد صلی الله علیه وسلم فی عصر واحد امر قولي او فعلي وخلاف الواحد مانع کخلاف الأکثر اھ

وقال في کشاف اصطلاحات الفنون واحترز بلفظ المجتهدین بلام الاستغراق عن اتفاق بعضهم وعن اتفاق غیرهم من العوام والمقلدین فان موافقتهم ومخالفتهم لا یعبأها، اھ۔ ج۳، ص۲۳۸۔

نورالأنوار کی عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ خلاف واحد بھی اسی طرح مانع انعقاد اجماع ہے جس طرح خلاف اکثر۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخالفتِ جمہور کی صورت میں شخصِ واحد کا قول بھی اسی طرح محتملِ صواب ہے جس طرح قولِ جمہور کی مخالفت ناجائز ہوتی ہے۔ اور اختلاف کے وقت مشورہ کرنا مسائلِ شرعیہ میں واجب ہوتا ہے۔ اور جمہور کے خلاف قول ہمیشہ باطل ہوا کرتا تو خلافِ واحد ہرگز قادحِ اجماع نہ ہوتا بلکہ اس کو موافقتِ جمہور پر مجبور کیا جاتا، حالاں کہ یہ کسی کا مذہب نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جمہور سے خلاف شخصِ واحد کا قول صحیح ہو سکتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل کے علما اگر کسی مسئلۂ شرعیہ میں اتفاق کر لیں تو اس کو اجماعِ شرعی نہ کہیں گے کیونکہ وہ مقلدین کا اجماع ہوگا جو کہ غیر معتبر ہے۔ پس چار سو یا تین سو علما کے اتفاق کو اجماع کہنا تو کسی طرح بھی درست نہ ہوگا جبکہ ان کے خلاف بھی علما کی ایک جماعت موجود ہے، گو وہ ان کے زعم میں قلیل ہی ہوں۔

فإن قلت: قال البیری تحت قاعدة الأصل الحقیقة ما نصه متی اختلف فی المسئلة فالعبرة بما قوله الاکثر۔ فتاوی حامدیة ج۲

قلت هذا متعلق بباب النقل دون الفهم والاستنباط والعمل بقول الأکثر في باب النقل متعین فان الخبر المشهور مقدم علی الآحاد والمتواتر مقدم علی کلیهما ودلیل هذا التقید ما ذکره في هذه الفتاوی۔ ج۲، ص۳۲۴

بما نصه وما نقله الشرنبلالي عن العیني في استنباط الأحکام من جواز لبس الأحمر من الحدیث الشریف فذاك من حیث الاستنباط لا من حیث نقل المذهب وإلّا فناقل الکراهة کثیرٌ بل اکثر، والقیاس أن یعمل بما علیه الأکثر[1] الی ان قال۔ علی أنّ الذي یجب علی المقلّد اتباع مذهب إمامه۔ والظاهر أنّ ما نقله هؤلاء الأئمّة هو مذهب الإمام[2] اھ، ولا یخفی ان إختلاف علماء زماننا في مسئلة لیس من باب النقل عن الإمام بل إنما هو من باب الإختلاف فی الفهم ولا عبرة فیه للکثرة۔

یہ گفتگو تو صورتِ اولی کی قسم اول میں تھی؛ رہی دوسری قسم، یعنی جبکہ مسائل شرعیہ اعتقادیہ میں اختلاف ہو تو اس صورت میں اکثر کا اتباع کرنا چاہیے، یعنی خیر القرون میں جس طرف زیادہ علما ہوں اس کا اتباع واجب ہے کیونکہ اعتقادیات زمانۂ خیر القرون میں مکمل ہو چکے ہیں۔ نیز اس وقت عام طور پر خیر اور حق کا غلبہ تھا، اس زمانہ میں اعتقادیات میں جس طرف زیادہ جماعت ہوتی تھی اس طرف غلبہ خیر کا ہوتا تھا اور اعتقادیات کا مدار محض نقل و سماع پر ہے، اجتہاد سے اعتقادیات کا ثبوت نہیں ہو سکتا اور علوم نقلیہ کی تکمیل خیر القرون میں ہو چکی ہے، اب اعتقادیات میں کسی مسئلہ کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔ خیر القرون کے بعد اعتقادیات میں بھی کثرتِ قائلین کا اعتبار نہیں کیونکہ ان میں غلبۂ خیر نہیں رہا اور چونکہ اعتقادیات کی تکمیل زمانۂ صحابہ و تابعین میں ہو چکی ہے اس لیے ان کے خلاف جو قول ہوگا وہ مردود ہوگا، گو قائلین کتنے ہی زیادہ ہوں۔

فی المرقات: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اتبعوا السواد الأعظم یعبر به عن الجماعة الکثیرة والمراد ما علیه أکثر المسلمین قیل وهذا في أصول الإعتقاد کأرکان الإسلام وأما الفروع کبطلان الوضوء بالمس مثلا فلا حاجة فیه إلی الإجماع بل یجوز اتباع کل واحد من المجتهدین کالأئمة الأربعة[3]۔ ج۱، ص۲۰۵۔

مرقات میں ہے کہ ”آپ ﷺ نے جب فرمایا کہ سوادِ اعظم کی اتباع کرو، تو اس سے مراد یہ ہے عقائد کے اصولوں میں بڑی جماعت کی اتباع کرو، یعنی جس پر مسلمانوں کی اکثریت متفق ہو، جیسے اسلام کے ارکان وغیرہ کے معاملہ میں، جہاں تک فروع والے مسائل ہیں، جیسے کہ وضو کے ٹوٹنے کے مسائل تو ان میں ان میں اکثریت کی نہیں، بلکہ کسی مجتہد امام کی پیروی ہو سکتی ہے“۔

اس عبارت سے پہلے جواب کی بھی تائید ہو گئی کہ مسائل فرعیہ میں اکثر کا اتباع ضروری نہیں بلکہ کسی ایک مجتہد کا اتباع بھی جائز ہے۔ گو اس کا قول اکثر کے خلاف ہو، فافہم!

رہی شق ثانی، یعنی جبکہ امور انتظامیہ میں اختلاف ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی امام ہو اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کی اطاعت کر چکی ہو تو امام کا اتباع اور اس جماعت کی موافقت واجب ہے، ان سے امورِ انتظامیہ میں الگ ہونا اور اس کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر وہ احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کریں تو ایسے کاموں میں ان کی موافقت نہ کی جاوے کأنه لا طاعة لمخلوق في معصیة الخالق بلکہ خیر خواہی کے ساتھ ایسے امور میں بقدر استطاعت ان کی مخالفت کی جاوے۔ لیکن اس طور پر ان کی مخالفت نہ کی جاوے کہ امام کا مقابلہ کر کے مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ منتشر کیا جاوے۔ ہاں! اگر امام اور اس کی جماعت سے کفرِ صریح کا صدور ہو تو پھر اس کا مقابلہ کرنا اور اس کی جمعیت کو منتشر کرنا بھی جائز ہے، بلکہ بقدر استطاعت واجب ہے۔ اور اگر مسلمانوں کا کوئی امام نہ ہو تو فقہا و عابدین و مسلمین صالحین کے مشورہ سے کسی کا امام مقرر کرنا واجب ہے۔ اس صورت میں رائے خاصہ پر عمل جائز نہیں ہے بلکہ جماعت علما صالحین و جمہور مسلمین جس شخص پر اتفاق کریں اسی کو امام بنانا واجب ہے۔ کیونکہ امامت اشراف و اعیان و جماعت مسلمین کی بیعت کر لینے سے ثابت ہوتی ہے۔ ایک دو شخص کی بیعت سے کوئی امام نہیں بن سکتا......

(باقی صفحہ نمبر 56 پر)

[1] (تنقیح الفتاوی الحامدیة ۔ کتاب الفرائض ۔ مسائل وفوائد شتّی من الحظر والإباحة وغیر ذالک)

[2] ایضا

[3] مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح ۔ باب الإعتصام بالکتاب والسنة

فیصلہ کن محاذ اور مرکزی میدانِ عمل

حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ

ذیل میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک فکر انگیز، عمل پر ابھارتی، تقریر کا متن نذرِ قارئین ہے۔ اس تقریر میں مولانا مرحوم نے جیسا کہ تقریر کے عنوان سے ظاہر ہے امتِ مسلمہ کو درپیش چیلنجز بلکہ عالَمِ انسانیت جن مشکلات و مصائب کا شکار ہے ان کی نشاندہی کی ہے اور پھر ان کا حل پیش کیا ہے۔ مسائل کے حل میں بعض جگہ آپؒ نے 'مسلم حکمرانوں' کو بھی کچھ نصائح کیے ہیں۔ لیکن 'مسلم حکمرانوں' کو یہ نصائح ایسے زمانے میں کیے گئے ہیں جب ان 'مسلم حکمرانوں' نے 'دین داری' کا ایک نقاب اپنے چہرے پر ڈال رکھا تھا، جبکہ آج جب اس تقریر کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے تو 'مسلم' ممالک پر مسلط حکمران تخریبِ اسلام کے لیے امریکہ کے تشکیل کردہ لشکروں کے اولین حواری بلکہ اپنی ہی زبان میں 'فرنٹ لائن اتحادی' ہیں۔ لہٰذا آج کے زمانے میں مولانا مرحوم نے جن نکات کی طرف توجہ دلائی ہے تو ان کی جانب توجہ، فکر اور عمل کی ضرورت اہلِ دین اور اہلِ دین کے زعما پر بدرجۂ اتم لازمی ہو گئی ہے اور اب ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ جن حکمرانوں نے کھلم کھلا اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف جنگیں برپا کر دی ہیں تو ان کے خلاف بھی دعوتی و جہادی جدوجہد کی جائے۔ اللہ پاک ہمیں اپنے دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، آمین۔

(ادارہ)

الحمدلله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده

حضرات! ہم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے شکر گزار ہیں جنھوں نے میرے لیے یہ موقع فراہم کیا کہ آپ سے دعوتِ اسلام کے موضوع پر کچھ عرض کروں۔ میرے لیے یہ بات باعثِ مسرت ہے کہ میرے مخاطب وہ حضرات ہیں جو امت کی فکری رہنمائی کر رہے ہیں اور اسلامی جمعیتوں اور تنظیموں کے ذمہ دار ہیں اور سب ہی دین کی خدمت سے وابستہ ہیں، اور سب سے زیادہ یہ بات میرے جذبات کے لیے مہمیز کا کام کر رہی ہے کہ یہ گفتگو وہاں ہو رہی ہے جو دعوتِ اسلام کا اولین مرکز، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی جگہ بلدِ امین ہے۔ میں اگر اپنے آپ کو مخاطب کر کے ایک عرب شاعر کا یہ شعر پڑھوں تو بے جا نہ ہو گا کہ

حمامة جرعیٰ حومة الجندل اسجعی
فأنت بمرأى من سعاد و مسمع

حومۃ الجندل کی بلبل! (مناسب وقت ہے کہ) تو نغمہ سرا ہو، سعاد نگاہوں کے سامنے گوش بہ آواز ہے۔

حضرات! دعوتِ اسلامی کا موضوع کوئی نیا موضوع نہیں ہے، اس پر بہت کچھ لکھا اور بہت کچھ کہا جا چکا ہے، اور عصرِ حاضر میں تو اس پر کافی ریسرچ کی گئی ہے، تحقیقی مقالات اور کتابیں لکھی گئی ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس موضوع پر پوری لائبریری تیار ہو چکی ہے[1] جو اپنی صوری اور معنوی لحاظ سے ممتاز ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اپنی گفتگو صرف ایک موضوع پر محدود رکھوں اور وہ ہے "دعوتِ دین کے فیصلہ کن محاذ اور اس کے مرکزی میدانِ عمل، جن سے نہ صرف دعوت کا رُخ متعین کیا جا سکے گا بلکہ عالمِ اسلام کی منزل کا تعین ممکن ہو گا، میں اپنے محدود مطالعہ، ماضی کے تجربات اور حقائق کی روشنی میں صرف انہی عملی گوشوں کی نشاندہی کروں گا، وباللہ التوفیق۔

۱۔ مسلم عوام اور ان کے تمام گروہوں میں ایمان کی قوت کو بیدار کرنا، اور اس کو جِلا دینا، کیونکہ ان گروہوں اور ان عوام کا اسلام سے وابستہ رہنا اور اس کے لیے ان کے دلوں میں جوش کا قائم رہنا ایک مستحکم اور بلند شہر پناہ کی حیثیت رکھتا ہے جس پر اس شہرِ اسلام کی بقا کا دارومدار ہے۔ یہی نہیں بلکہ بہتیری اسلامی حکومتوں اور سربراہوں کو یہی چیز اسلام سے وابستہ رہنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ مسلمانوں کے دینی احساس کا اُبھرنا اسلام کی قوت کا سرچشمہ اور اس کا رأس المال ہے، اور یہی وہ خام مال ہے جو ہر پاک و مفید مقصد کے لیے استعمال ہو سکتا ہے، اور ایسے افراد کا وجود جوشِ عمل اور وسعتِ قلب و نظر اور اخلاص کے لحاظ سے پوری انسانی آبادی کا جوہر اور اس کا سب سے مفید اور مضبوط ترین مجموعہ ہو گا۔

ایمان کی پختگی اور دین کے لیے سرگرمی اور جوشِ عمل اسی وقت کار آمد ہو گی جب اس کی شرائط بھی پوری ہوں، اور ان افراد میں وہ اوصاف بھی پائے جائیں جن کی بنا پر وہ نصرتِ خداوندی کے مستحق ہوں، اور مشکلات پر قابو پانے اور دشمنوں پر غالب آنے کے سزاوار ہوں، وہ بنیادی شرائط یہ ہیں:

1. عقیدے کی تصحیح،
2. صرف خدائے واحد کی عبادت اور ہر قسم کے شرک اور غلط عقائد سے مبرا ہونا،

[1] مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ اس موضوع پر علمی اور تحقیقی انداز میں کچھ لکھوں چنانچہ میری کتابیں:

1. رجال الفکر والدعوۃ الاسلام 1-4
2. الدعوۃ الاسلامیۃ فی الھند و تطورتھا
3. حکمۃ الدعوۃ و صفۃ الدعاۃ
4. النبوۃ ھی الوسیلۃ الوحیدۃ للمعارفۃ الصحیحۃ والھدایۃ الکاملۃ
5. منھج افضل للدعاۃ والعلماء
6. دور الجامعات الاسلامیۃ المطلوب فی تربیۃ العلماء اسی موضوع پر ہیں۔

3. جاہلیت کی رسوم اور غیر اسلامی شعائر، نفاق، عمل اور عقیدہ میں دوڑخی، قول و عمل کے درمیان تضاد اور گزشتہ اقوام کی روش سے اجتناب جو اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں اللہ کے عذاب اور بے تعلقی کی مستحق قرار دی گئیں،

4. نیز موجودہ اقوام کی روش سے پرہیز جو اللہ کو بھول گئیں تو اللہ نے ان کو خود فراموش کر دیا، اور جو دنیا کو تباہی اور ہلاکت کے راستہ پر چلا رہی ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ دینی شعور کو راستے پر لگانا، اور اس شعور کی پرورش کرنا بھی ضروری ہے جس سے وہ مسائل و حقائق کو اچھی طرح سمجھ سکیں، دوست و دشمن میں تمیز کر سکیں اور نت نئے انداز کی تحریکوں کے دھوکہ میں نہ آئیں تاکہ ہماری اگلی زندگی میں وہ ایسے دوبارہ نہ پیش آئیں جو قومی نعرہ بازیوں اور جاہلیت کی تحریکوں کا شکار ہونے کے سبب پیش آئے یا جو لسانی تعصب اور رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے، نیز چالاک و ناپاک قیادتوں اور بیرونی سازشوں کے سبب مسلم عوام کی تباہی کا سبب بنیں اور دینی شعور اور فراستِ ایمان کی کمی کی وجہ سے مسلم عوام اپنی سادہ لوحی کا شکار ہو جائیں۔

۲۔ مذہبی حقائق اور دینی تصورات کو تحریف اور عصر حاضر کے مغربی تصورات سے محفوظ رکھنا، سیاسیات و اقتصادیات کی اصطلاحوں کو دینی مقاصد کے بیان کرنے کے لیے استعمال کرنے سے باز رکھنا چاہیے اور دین کو خالص سیاسی نظریہ کے طور پر پیش کرنے اور عصر حاضر کے فلسفیانہ اصول سے اسلامی اصول کو مطابق کرنے کی مبالغہ آمیز کوشش کے نقصانات سے باخبر رہنا بھی ضروری ہے، کیونکہ دینی حقائق اسلام کے بنیادی اور ہمیشہ یکساں قائم رہنے والے اصول ہیں، وہ اپنی جگہ پر مستقل بالذات ہیں اور وہ خود اپنے معیار ہیں، ان معیاروں کو کسی دوسری کسوٹی پر جانچنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کو ناپنے کے لیے خود اسی کا گز ہے، انبیائے کرام کی دعوت کا موضوع یہی اصول تھے، اور اسی کے لیے انہوں نے جہاد کیا، اور اسی کے لیے انہوں نے سعی و جدوجہد کی، اور انہی پیمانوں پر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں۔

اسی طرح ان باتوں سے پرہیز بھی ضروری ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان تعلق کو کمزور کرے، آخرت پر ایمان کی اہمیت کو گھٹائے اور مومن کے دل سے احکام خداوندی پر عمل کرنے کے جذبہ کو، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے شوق کو، اللہ سے تقرب کی تمنا کو اور اس کی رضا کے لیے اور اس کے ثواب کی امید میں کاوش کرنے کو بے اہمیت قرار دے، کیونکہ یہ باتیں اگر پیدا ہو گئیں تو اُمت کا تشخص اور اس کی انفرادیت مجروح ہو گی اور عند اللہ ایسے لوگوں کا کوئی وزن نہیں رہے گا۔ اسی طرح بُت پرستی کے عقیدوں، صریح شرک، اور جاہلی عقیدہ و رواج کی برائیاں بھی ذہن نشین ہونی چاہییں اور صرف دستور و نظام پر تنقید اور غیر اسلامی حکومتوں کی زبانی مخالفت کو کافی سمجھنا دین کے قدیم سماوی اسلوب سے روگردانی اور جدید سیاسی اسلوب کی پیروی ہے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی، جذباتی اور قلبی تعلق کی پختگی اور آپ کی ذات گرامی سے گہری محبت جو اپنی ذات، اہل و عیال اور آل و اولاد سے ہو، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حیثیت سے ایمان کہ آپ سے تعلق دین کی بنیاد ہے لہٰذا ان عوامل سے بچنا ضروری ہے جو اس محبت کے سرچشمے کو خشک کرنے کا سبب بنیں، یا کم از کم ان کو کمزور کریں، جذبات و احساسات میں سرد مہری پیدا کریں، اور اس کے نتیجہ میں سنت پر عمل میں کوتاہی پیدا ہو، بے باکی اور دریدہ دہنی پیدا ہو، مزاج و افتاد ایسے رُخ پر پڑ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرمایۂ فخر باور کرنے اور آپ کی سیرت پڑھنے اور سمجھنے کا شوق کم ہو، اور آپ کی محبت کو ابھارنے اور اس کو غذا دینے کے ذرائع سے روگردانی مذاق عام بن جائے۔ ہمارے موضوع کے اس پہلو پر ہر ایک کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور خاص طور پر عرب بھائیوں کو اس کی زیادہ فکر کرنی چاہیے، کیونکہ عرب قومیت کی تحریکوں اور ماضی قریب کے حوادث نے ان کو اس سرچشمہ سے دور کرنے کی کوشش کی ہے جو اُن کا سرمایۂ حیات ہے اور جس کے وہ زیادہ حق دار اور زیادہ ضرورت مند ہیں کیونکہ بعثت محمدیہ سے یہی سرزمین مشرف ہوئی، اور قرآن کریم ان کی زبان میں نازل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی زبان میں گفتگو فرمائی۔

۴۔ تعلیم یافتہ طبقہ میں اور اس طبقہ میں اسلام پر اعتماد کی بحالی جن کے ہاتھوں میں تعلیم و تربیت اور مسائل ابلاغ کی باگ ڈور ہے، اسلام پر اعتماد کی بحالی کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اس بات کا یقین ہو کہ اسلام کے اندر نہ صرف زمانہ کو ساتھ لے کر چلنے اور تعمیر و ترقی کے میدان میں ہر ایک سے آگے بڑھنے کی صلاحیت ہے، بلکہ وہ پوری انسانی آبادی کی قیادت بھی کر سکتا ہے، اور وہی زندگی کی کشتی کو ماہرانہ صلاحیت سے کھینچ کر سلامتی و خوش حالی کے کنارے تک پہنچا سکتا ہے، اور انسانی آبادی کو ہلاکت اور خودکشی کی راہ سے نکال سکتا ہے جس میں مغرب کی بوڑھی اور اندھی قیادت نے اس کو ڈال دیا ہے، اور وہ سمجھ سکیں کہ وہ ایسی بیٹری نہیں ہے جو ڈسچارج ہو چکی ہے یا وہ دیا نہیں ہے جس کا تیل خشک ہو چکا ہو اور جس کی بتی جل چکی ہو، بلکہ وہ ایک عالمی و سرمدی پیغام ہے اور سفینۂ نوح کی طرح تنہا سفینۂ نجات ہے جس پر سوار ہونے والے ہی غرق ہونے سے نجات پا سکتے ہیں۔

دین کی صلاحیت سے متعلق اعتماد کی کمی یا اس کا معدوم ہونا دراصل اس تعلیم یافتہ طبقے کا مرض ہے جس نے مغربی ثقافت کی آغوش تربیت میں شعور کی آنکھیں کھولی ہیں یا جس کو مغرب کی بالادستی نے یہی باور کرایا ہے۔ یہی طبقہ پوری ملت کی تباہی کا ذمہ دار اور ذہنی ارتداد کا سبب ہے۔ ساری دستوری یا تمدنی بدعنوانیاں جو پورے عالم اسلام کو کھوکھلا کر رہی ہیں وہ اسی طبقے کی کم نگاہی یا بے راہ روی کا نتیجہ ہیں، مگر یہی لوگ مسلم اقوام پر مسلط ہیں، ان اقوام پر مسلط ہیں جو صرف ایمان و قرآن کی زبان سمجھتی تھیں اور جن کے اندر جوش عمل تھا، اور دین کے لیے قربانی کا جذبہ تھا۔ غرض اسی نظام تعلیم نے حکمران طبقے اور جمہور کے درمیان گہری اور وسیع خلیج حائل کر دی ہے جس کی وجہ سے ہر جگہ ایک عمومی بے چینی اور اضطراب کا دور دورہ ہے، اور اس بات نے افراد کی ذہنی و عقلی قوتوں کو ایسے کاموں میں لگا دیا ہے جن کا کوئی فائدہ ان اقوام کو نہیں حاصل ہوا۔

۵۔ ضرورت ہے کہ مغرب سے درآمد کیا ہوا نظامِ تعلیم، جو پورے عالم اسلام میں رائج ہے، ایک بار نئے سرے سے اس کا جائزہ لیا جائے اور پوری طرح کھنگالا جائے اور اس کو ایسے قالب میں ڈھالا جائے جو مسلم اقوام کے قدو قامت پر راست آئے، اس کے عقیدہ و پیغام سے ہم آہنگ ہو اور جس سے مسلم اقوام کی معنوی خصوصیات نمایاں اور اس کی انفرادیت آشکارا ہو کر مادی والحادی عناصر سے پاک ہو تاکہ کائنات کا صرف مادی تصور اس کے سامنے نہ ہو، کیونکہ جہاں تک علوم کا تعلق ہے وہ سب ایک دوسرے کی کاٹ کرنے والی اکائیاں ہیں جب کہ نظام فطرت ایک بے قید اور سب کو پامال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تاریخ انسان کے اضطراب و بے چینی اور آپس کی جنگوں کے لامتناہی افسانوں کا پلندہ ہے۔ ان کو بنیاد بنا کر جب بھی عقل انسانی کی پرورش اور اس کے نمود بالیدگی کی کوشش کی جائے گی تو کامیابی کا دائرہ محدود سے محدود تر ہو گا۔

نظام تعلیم میں جزوی اصلاحات اور معمولی کتر بیونت کار آمد نہیں ہو سکتی، اس لیے ضرورت ہے کہ خواہ جس قدر بھی وسائل اور غور و فکر کی ضرورت پڑے اچھے سے اچھے ذہن و فکر سے مدد لی جائے، بہتر سے بہتر وسائل اختیار کیے جائیں تاکہ پائیدار اور مفید نظامِ تعلیم و تربیت اُمت کو مل جائے کیونکہ اس کے بغیر عالمِ اسلام اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا، اپنی عقل اور اپنے ارادے کے مطابق کام نہیں کر سکتا، اس کے بغیر نہ تو حکومتوں کو مسلمان کارندے مل سکتے ہیں نہ مخلص منتظمین مل سکتے ہیں، نہ ایسے مومن و مخلص افراد مل سکتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مطابق سرکاری دفاتر، عوامی رفاہیت کے اداروں، انتظامیہ، عدلیہ اور دانش گاہوں اور وسائل اعلام کو پابند کر سکیں تاکہ اسلام کا نظامِ معاشرت و حکومت پورے جمال و کمال کے ساتھ سامنے آئے اور مسلم سوسائٹی اپنی خصوصیات اور انفرادی امتیازات کے ساتھ دنیا کے سامنے آئے۔

۶۔ اس مقصد کے لیے بین الاقوامی پیمانے پر ایک مضبوط تحریک ہونی چاہیے کہ دنیا کے پڑھے لکھے سمجھ دار طبقے میں اسلام کے علمی خزانوں کا تعارف کرایا جائے اور مسلمانوں کے علمی و دینی کارناموں سے انہیں آگاہ کیا جائے۔ علوم اسلامیہ میں زندگی کی نئی روح پھونک کر متمدن دنیا پر یہ واضح کر دیا جائے کہ اسلام کے عائلی واجتماعی قوانین دنیا کے بلند ترین اور وسیع ترین اصول پر مبنی ہیں، وہ اصول جو نظامِ فطرت سے ہم آہنگ ہیں اور ان میں کبھی کسی تبدیلی کا امکان نہیں ہے، اور ان کی نفع بخشی اور قوت کسی زمانہ میں نہ کم ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے، اور وہ انسانی زندگی کی رہنمائی وقت کے ہر دھارے پر اور زندگی کے ہر موڑ پر پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں، اور لوگوں کے بنائے ہوئے قانون ''جن کو وضعی قوانین'' کہا جاتا ہے سے بدرجہا بہتر و مفید اور پائیدار ہیں۔

۷۔ انسانی نفوس اور قومی وجدان میں تمدنی نظام کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں، خاص طور پر ایسا نظامِ معاشرت جو دینی بنیادوں اور اس کی تعلیمات کے سائے میں پروان چڑھا ہو، اور جس کی تعمیر میں ایک خاص انداز کے مذہبی ذوق کو دخل ہو، اور جس پر اس قوم کی چھاپ ہو ایسے نظام معاشرت (یا تمدن) سے کسی قوم کو الگ کرنا اس کو زندگی کے میدان سے خارج کر دینے اور عقیدہ و عبادت اور مذہبی مراسم کے تنگ چوکھٹے میں قید کر دینے اور اس کے حاضر کا رشتہ ماضی سے توڑ دینے کے مترادف ہے، لہٰذا اسلامی حکومتوں اور مسلم سوسائٹیوں کا فرض ہے کہ وہ ایک مستقل بالذات تمدن کی باریک بینی کے ساتھ تشکیل کریں جو مغرب کی کورانہ تقلید، بغیر پلاننگ کے سرسری اقدام، اور احساس کمتری کے آثار سے پاک ہو۔ اسلامی تمدن کی نمائندگی پورے طور پر اس کی مرکزی قیادت میں، اداروں میں، گھروں میں، اجتماعی جگہوں میں، ہوٹلوں میں، تفریح گاہوں میں اور کسی حد تک اس کے دفتروں اور ہوائی جہازوں میں اور سفارت خانوں میں ہونی چاہیے۔ اس سے صرف یہی نہیں ہو گا کہ اسلامی ممالک اسلامی زندگی کا ایک نمونہ پیش کریں گے بلکہ اسلام کی ایک خاموش تبلیغ بھی ہو گی۔

۸۔ مغربی تمدن بشمول مغربی علوم و نظریات کو ایجادات و امکانیات کے ایک خام مال کی حیثیت سے قبول کیا جائے جس سے عالم اسلام کے فکری رہنما اور سربراہ ایک ایسا پائیدار مناسبِ وقت تمدن تیار کریں جس کی بنیاد ایمان و اخلاق، پرہیز گاری، رحم و انصاف پر ہو، دوسری طرف اس میں نمود و افزائش کی گنجائش ہو، اس میں قوت ہو، جس کا اثر تمام شعبۂ ہائے حیات پر پڑے، پیداوار بڑھے اور عوام میں خوش حالی آسکے۔ خلاصہ یہ کہ مغربی علوم سے وہ چیزیں لی جائیں جن کی مسلم عوام یا مسلم ممالک اور حکومتوں کو ضرورت ہے، جن سے عملی فوائد میسر ہوں اور جن پر مغرب و مشرق کی چھاپ نہ ہو۔ اس کے علاوہ وہ چیزیں جن کی انہیں ضرورت نہیں ہے ان سے استغنا برتا جائے۔ مغرب سے معاملہ ایک ہمراہی اور مدمقابل کے جیسا ہو، کیونکہ اگر مشرق اس بات کا محتاج ہے کہ مغربی علوم سے بقدر ضرورت اخذ کرے تو مغرب بھی بہت سی چیزیں مسلم ممالک سے لے سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ مغرب کو ان ممالک سے سیکھنے اور حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہو۔

۹۔ مسلم ممالک میں چند ایسے ملک بھی ہیں جنہوں نے ماضی میں دعوتِ اسلامی اور اسلامی تمدن کی قابل ذکر اور شاندار خدمتیں انجام دی ہیں، اور عصرِ حاضر میں جو اس بات پر تلی ہوئی ہیں کہ جس طرح ممکن ہو اسلامی عنصر کو ناپید کر دیا جائے یا جن کے یہاں ''پروگریسو اسلام'' کو مقبول بنانے کی کوشش ہو رہی ہے، اور اسلام کی تفسیر سیاسی مصالح اور حکمرانوں کے شخصی ذوق و مزاج کے مطابق جاری ہے۔ ان حکومتوں کو یہ باور کرایا جائے کہ یہ سیاست ایک ناکارہ اور بانجھ سیاست ہے جو کسی اسلامی ملک میں کبھی کامیاب نہیں ہوئی۔ ان حکومتوں کو باور کرانے کی ضرورت ہے کہ وہ بجائے ناممکن العمل اور غیر فطری کوششوں کے اپنی قوت اور امکانی صلاحیتوں کو ملک و ملت کے مشترکہ دشمن کے خلاف صَرف کریں جس سے ملک و ملت کو تقویت حاصل ہو۔

جہاں تک ان ممالک کا تعلق ہے جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور حکمران اسلام سے 'صلح کل' قسم کا معاملہ کرتے ہیں وہاں اسلامی قوانین کے نفاذ کی ضرورت ہے اور اس کے لیے فضا کو ساز گار بنانے کی حاجت ہے، جو اسلامی قوانین کو نافذ کرنے میں معاون ثابت ہوں، اور قوانین

اسلام کے نافذ کرنے کے نتیجہ میں جو اللہ کی مدد و نصرت اور برکت و سعادت حاصل ہو گی اسے سمجھانے کی ضرورت ہے۔ نیز ان ممالک میں کوشش ہونی چاہیے کہ ایک مرکزی قیادت ہو جس کی بنیاد اسلام کے نظام شوریٰ پر ہو اور خیر و نفع کے کاموں میں آپسی تعاون جس کی اساس ہو، اور کم از کم اپنی کوتاہی کا احساس ضرور ہو کہ مسلمان "امامت عامہ" کے وجود سے محروم ہیں۔ امامت عامہ یا خلافت اسلامیہ جس کو قائم کرنا مسلمانوں کا فرض تھا اور جس کے نہ قائم کرنے کی ان سے پرسش ہو گی۔

۱۰۔ وہ ممالک جو غیر اسلامی ہیں وہاں اسلام کی دعوت اور اس کا تعارف حکمت و بصیرت کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے اور وہ نہج اختیار کرنا چاہیے جس میں اسلامی تعلیمات کی روح جلوہ گر ہو، زمانے کے مزاج کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہو۔

رہے وہ ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں اس بات کی فکر رکھنی ہے کہ اسلام کی صحیح نمائندگی ہو، اسلامی زندگی ایسی ہو جو دوسروں کو متوجہ کرے اور جس کی طرف لوگوں کے دل مائل ہوں، اخلاقی اور روحانی قدروں کی قیادت مسلمانوں کو سنبھالنا چاہیے، اور ملک کو گراوٹ اور تباہی سے بچانے کی ذمہ داری قبول کرنا چاہیے۔ اسلام صرف اسی صورت میں اپنی ضرورت اور اہلیت ثابت کر سکتا ہے اور مسلمان اپنی دعوتی مہم اور قائدانہ کردار ان ملکوں میں ادا کر سکتے ہیں۔

۱۱۔ آخر میں یہ عرض کرنا ہے (جو اس سلسلہ کی انتہائی بات نہیں ہے) کہ اسلام کی فطرت، اس کی تابناک تاریخ اور فطرت سلیمہ کا تقاضہ، اور بنی نوع انسان کی طبعی خصوصیات کا یہ مطالبہ ہے کہ ایک دعوت، ایمانی حرکت مسلمانوں میں ضرور قائم رہے جو ایجابی انداز کی ہو اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہو، داعیوں میں مردانہ صفات ہوں، بلند حوصلگی ہو، ان کی نگاہیں دور رس ہوں اور وہ دنیا کی عظیم طاقتوں کا مقابلہ کر سکیں، وہ طاقتیں جنہوں نے ناجائز اور ناحق مسلم و غیر مسلم سب ہی قوموں کے انجامِ کار کے مسائل اپنے ہاتھ میں لے لیے ہیں، لیکن یہ بات کہ داعی الی اللہ ان صفات کا حامل ہو یا ان کے اندر یہ صفتیں پیدا ہو جائیں اس وقت ممکن ہے جب کہ وہ پورے یقین اور اطمینانِ قلب کے ساتھ ایک طاقت ور دعوتی تحریک میں شریک ہوں اور ان کے اندر اسلام کی برتری کا عقیدہ ہو اور اس بات پر ان کو یقین ہو کہ بشریت اس دین کی محتاج اور ضرورت مند ہے۔

دعوت اسلام کی سرگرمی میں قربانی کا جذبہ، سرفروشی کی دھن، کوہ کنی کی ہمت، تکلفات سے عاری زندگی گزارنے کی عادت اور اگر ضروری ہو تو خطرات میں کود نے کی جرأت (مغامرہ - Risk) بھی مطلوب ہے، کیونکہ فطرت انسانی یہ ہے کہ وہ اسی ایمان کی عزت کرے جس میں قوت ہو، اس فرد کی عزت جس کو اپنے اصول و عقائد پر اعتماد ہو، اور قابلِ فخر سمجھتا ہو، جس کے یہاں لذت اندوزی اور مال و جاہ کی بے وقعتی ہو، اور جس کے اندر اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنے کی ہمت ہو۔ انسانی فطرت ہمیشہ اس چیز کو اہمیت دیتی ہے جو شے نایاب اور اس کی دسترس میں نہ ہو، لہٰذا کمزور انسان قوی انسان کے احترام پر فطرتاً مجبور ہے۔ غریب آدمی امیر کی عزت کرتا ہے، ناخواندہ پڑھے لکھے آدمیوں پر رشک کرتا ہے، یہاں تک کہ ایک کمینہ بھی شریف انسان کی عزت اپنے دل میں رکھتا ہے۔ اسلامی تاریخ جانبازی کے کارناموں اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے واقعات سے پُر ہے۔ وہ اصحاب علم و بصیرت جو اقوام ومِلل کی تاریخوں سے واقف ہیں اور وہ لوگ جن کے ضمیر زندہ ہیں وہ مشرق و مغرب کی قیادتوں سے اُکتا چکے ہیں ان سے نفرت کرنے لگے ہیں۔

ایک خلا کا پایا جانا یعنی ایسی تحریک ایمانی اور دعوت دینی کا نہ پایا جانا جو مضبوط بنیادوں پر قائم ہو اور مادی تمدنوں کی پیدا کردہ خرابیوں سے پاک ہو، اور جو اسلام کی تعلیمات اور اس کی قدروں کی محافظ ہو۔ ایسی سوسائٹی کا نہ پایا جانا، اور دعوتی خلا اسلامی وجود کے لیے بڑا خطرہ ہے، صحیح عقائد اور اسلامی زندگی کے لیے خطرہ ہے، کیونکہ کسی ضروری چیز میں خلا جو بشریت کی نفع بخشی کے لیے ضروری ہو زیادہ طویل عمل کا مستحق نہیں ہو سکتا، ایسے خلا کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کوئی دوسری تحریک سامنے آئے گی جو بے راہ روی کی دعوت دے گی، بے مقصد و بے فائدہ، عقائد کے لحاظ سے لغو اور ناقص، سلبی انداز کی تحریک جو تباہی و بربادی کا ذریعہ بنے گی۔ جن لوگوں نے مذاہب، تحریکات اور مختلف قسم کی دعوتوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جب کوئی صحیح اور پائیدار اسلامی تحریک سامنے نہیں ہو گی تو ایک غلط قسم کی تحریک اس کی جگہ لے لے گی، اور اگر کہیں اس غلط قسم کی تحریک نے کسی درجہ میں خطرات کا مقابلہ کر لیا اور کچھ قربانیاں دکھادیں اور مادی مظاہر سے اپنے آپ کو ذرا بلند دکھادیا، اور مسلم ممالک میں اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے جو فساد ہے اس کی نشان دہی کر دی اور بڑی طاقتوں کو ذرا للکار دیا، نعرہ بازیوں سے فضا کو اپنے حق میں استوار کر لیا اور پروپیگنڈوں سے اپنے تھوڑے کام کو پہاڑ بنا کر پیش کر دیا تو پھر کیا ہے لوگوں پر اس کا سحر چل جاتا ہے اور سب اندھا دھند اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں، خاص طور پر نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ یا نیم تعلیم یافتہ طبقہ میں اس کی دھوم مچ جاتی ہے، اور وہ لوگ جو بعض مسلم ممالک کی بے راہ روی سے نالاں ہیں ان میں اس طرح کی تحریکوں کا ایسا جادو چل جاتا ہے جس کو نہ کسی واعظ کا وعظ دور کر سکتا ہے اور نہ کسی صاحبِ ضمیر و قلم کا قلم، اور نہ کوئی منطقی استدلال کام دیتا ہے اور نہ کوئی علمی جائزہ و تحقیق۔ پہلی صدی ہجری میں خوارج کی تاریخ، چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں باطنیوں اور فدائیوں کی تحریک کی تاریخ، حسن بن الصباح کے افسانے اور جو اس کے مرکز عمل "قلعۂ موت" میں ہوا کرتا تھا، اور بہتیری فوجی اور انقلابی تحریکوں کی تاریخ جو اسلام کے نام پر بگڑی ہوئی صورت حال کو از سرِ نو اُلٹ کر درست کرنے کا دعویٰ کرتی رہی ہیں اور محض جھوٹ اور مکر و فریب کا لبادہ اوڑھ کر پبلک کے سامنے آئیں، اسی طرح بعض معاصر انقلابی و عسکری تحریکیں جنہوں نے اپنی غلط رُخ پر چلنے والی تحریکوں کی مدد کے لیے اور اپنے سیاسی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ہزاروں نوجوانوں کو اپنے گرد جمع کر لیا جو ہر قربانی کے لیے تیار رہے، یہاں تک کہ بعض وہ حلقے اور گروہ جو اسلامی تعلیمات کے محافظ سمجھے جاتے تھے اور ان کے فکر و عمل میں بیداری پائی جاتی تھی وہ بھی اس زد میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے، اور قرآنی نصوص اور اسلامی عقائد کی

روشنی میں کسی جانچنے اور پرکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی، اور نہ انہوں نے اسلام سے منسوب فرقوں کا انصاف کے ساتھ مطالعہ کیا۔

مسلم زعماو مفکرین کے ذہن میں یہ بات ہوگی کہ سیلاب کی رَو کو ایک سیلاب ہی روک سکتا ہے، طوفانوں کا مقابلہ اس سے زیادہ قوت کا طوفان ہی کر سکتا ہے، عالم اسلام کی موجودہ جو حالت ہے اس کو معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ وہ جمود کی حالت ہے، اس پر راحت طلبی اور گراں خوابی طاری ہے، اس کے اندر کوئی ایمانی مضبوط دعوت نہیں ہے، اور نہ صحیح عقائد اور بلند و پاک مقاصد کے لیے قربانی اور دفائیت کا جذبہ ہے، فکری و عسکری لحاظ سے بھی وہ خود کفیل نہیں ہیں، اور یہ بات ہمیشہ ایک خطرناک صورت حال کے پیدا ہو جانے کی آگاہی دیتی ہے، اور ہر طور پر غلط قسم کی کھوکھلی تحریکوں کے جال میں نوجوانوں کو ڈال دینے کے لیے زمین ہموار کرتی ہے، کیونکہ نوجوان موجودہ صورت حال سے نالاں ہیں اور جن کو صحیح میدان عمل نہیں مل رہا ہے وہ ان تحریکات کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ وہاں ان کو کسی قدر سکون میسر آتا ہے، اگرچہ ان تحریکات کی حیثیت اس سراب کی ہے جس کا نقشہ قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

كَسَرَابٍۭ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ ٱلظَّمْـَٔانُ مَآءً حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَهُۥ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَوَجَدَ ٱللَّهَ عِندَهُۥ فَوَفَّىٰهُ حِسَابَهُۥ ○(سورۃ النور: ۳۹)

"مثل سراب کے چٹیل میدان میں کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس نے کچھ بھی نہ پایا اور اس کے پاس (قضائے) الٰہی کو پایا، سو اللہ نے اس کو پورا حساب چکا دیا۔"

لیکن یہ انسانی فطرت اور اقوام و ملل کا تجربہ ہے، اور جو لوگ بھی "عصر جدید میں اسلام" اور اسلام کے مستقبل کی فکر رکھتے ہیں اور جن کو عقیدہ کی صحت، خدا اور رسول پر ایمان کی عظمت اور تعلیمات دین عزیز ہے ان کو اس حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیے۔

میں اپنا یہ مختصر مقالہ ایک قرآنی آیت پر ختم کرتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی اولین مختصر جماعت کو مخاطب فرمایا ہے اور ان میں رشتہ مواخات کے قیام سے ساری دنیا اور انسانیت کے مقدر کو مربوط کیا ہے:

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِى ٱلْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ○(سورۃ الانفال: ۷۳)

"اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔"

★★★★★

بقیہ: سوادِ اعظم کیا ہے؟

لہٰذا اس معاملہ میں اہل حل و عقد کی جماعت کے اکثر افراد کا اتفاق معتبر ہے، شخصِ واحد کی رائے معتبر نہیں۔ بلکہ شخص واحد کو جماعت سے اختلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر جماعت، علما و جمہور مسلمین کسی شخص واحد کی رائے پر اس معاملہ کو چھوڑ دیں تو اس صورت میں رائے خاصہ پر عمل جائز ہوگا کیونکہ وہ شخص جماعت مسلمین کا وکیل ہے، اس کی رائے گویا سب کی رائے ہوگی۔ اسی طرح اگر خلیفہ سابق اپنے بعد کے لیے کسی خاص شخص کو خلیفہ بنا جاوے تو اس صورت میں بھی اس کی رائے کا اتباع جائز بلکہ ضروری ہے۔ بشرط یہ کہ جس کو نامزد کیا گیا ہے، نااہل نہ ہو۔ پس اگر مشورہ وغیرہ سے کسی ایک امام پر اتفاق ہو گیا تب تو اس کے احکام وہی ہیں جو شق اول کے احکام ہیں کہ پھر امام اور جماعت مسلمین کی مخالفت امورِ انتظامیہ میں کسی کو جائز نہیں بتفصيله الذي ذكرناه آنفاً، اور اگر مشورہ سے کسی ایک امام پر اتفاق نہ ہوا بلکہ اختلاف پیدا ہو گیا تو ان سب جماعتوں سے الگ ہو جانا چاہیے، اس صورت میں کسی جماعت کا اتباع واجب نہیں، عزلت بہتر ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ:
مجاہدین اور خصوصاً مجاہدینِ کشمیر کے لیے حصولِ علم کی اہمیت

مجاہدینِ کشمیر کے لیے اسی عبادت میں بہتری اور ترقی ہے، مجاہدین کے لیے استقامت و تزکیہ، مجاہدین کی ہدایت و سعادت مندی ہے۔ اسی عبادت میں جہاد کا تحفظ اور سلامتی پنہاں ہے، اس کی ضرورت تمام ضرورتوں سے زیادہ ہے اور اس کے بغیر صرف تباہی اور بربادی ہے۔

اللہ پاک ہمیں علم دین سے مزین فرمائیں اور صحیح راستے کی طرف ہماری رہنمائی فرمائیں، آمین!

جمہوری جد وجہد اور غلبۂ دین کا راستہ

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

منزل نہیں، رستہ بھی شرعی ہو!

غربتِ دین کے اس پر فتن دور میں نصرتِ دین ہر مسلمان سے مطلوب ہے، یہ انتہائی اہم فرض ہے مگر ساتھ اتنا ہی اہم اور ضروری یہ بھی ہے کہ اس نصرتِ دین کا طریقہ اور غلبۂ دین کی منزل تک پہنچنے کا راستہ عین وہی اپنایا جائے جو اللہ کا دین بتاتا ہے۔ منزل تو شرعی متعین ہو مگر اس تک پہنچنے کا راستہ و طریق شریعت مخالف اور من بھاتا اپنایا جائے تو اس سے نہ پہلے اللہ کا دین کبھی غالب ہوا ہے اور نہ آئندہ ہو گا۔ الغاية تبرر الوسيلة کا اصول، یعنی مقصد حاصل ہو تو طریقہ جو بھی اپنایا گیا پرواہ نہیں، اہل باطل کا اصول ہے کہ ان کی نظر بس منزل پر ہوتی ہے، باقی اس تک پہنچنے کے لیے عدل و ظلم، حرام و حلال جو بھی راستہ استعمال ہو، مسئلہ نہیں۔ اسلام اس بد اصولی کو رد کرتا ہے۔ اسلام کا معنی 'استسلام' ہے، یعنی یہ اللہ کے سامنے ہر لحاظ سے سر تسلیم خم کرنا اور اپنے تمام امورِ حیات میں اُس رب قدیر کی مکمل اطاعت کا نام ہے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ اپنی تحریک و جدوجہد میں ذاتی خواہش و ترجیح ایک طرف رکھی جائے اور بس جو اللہ کا دین و شریعت کہتی ہے اسی کے مطابق اپنا طریقۂ کار وضع اور اسی کی روشنی میں اپنے اہداف مقرر ہوں، یہی عبدیت ہے اور اسی کا اللہ کا یہ دین تقاضہ کرتا ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ [1]۔ عبادت کے مقصد اور طریقہ دونوں کا تعین شریعت کرتی ہے۔ مقصدِ تحریک اور اس کے طریقۂ کار دونوں میں سے کوئی ایک بھی اگر خلافِ شرع ہوا تو جس قدر شریعت سے دوری ہو گی، اُتنے ہی یہ ناقص ہوں گے، یہاں تک کہ اللہ بچائے، وہ مردود بھی ہو سکتا ہے اور اللہ کے ہاں انعام کی جگہ عقوبت کا بھی سبب بن سکتا ہے۔

اللہ کی سنت جو نہیں بدلتی!

اللہ کی طرف سے ایک تکوینی امر ہے، اس ربِّ کریم نے حیاتِ انسانی کا نظام ہی ایسا وضع کیا ہے اور وہ مُدبِّر رب[2] اس کارخانۂ عالم کو چلاتا کچھ ایسا ہے کہ راستے و طریقے میں جو جتنا شریعت کے قریب ہو گا، اُتنا ہی وہ غلبۂ دین کی منزل کی جانب گامزن ہو گا اور اس کے ساتھ اللہ کی مدد و نصرت بھی اُس درجہ شاملِ حال ہو گی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو نظام شریعت کے تابع ہو گا، اللہ اس کے لیے تکوینی نظام کو تابع فرماتا ہے اور اسے مدد و نصرت سے نوازتا ہے۔ اس کے برعکس جو جتنا اس شریعت سے دور ہو گا، وہ دنیوی و اخروی دونوں لحاظ سے اُتنا ہی بھول بھلیوں میں بھٹکے گا اور اس کی محنت و کاوش اُتنی مقدار میں بے ثمر اور بے معنی ہو گی۔ یہی اللہ کی سنت ہے اور یہ سنت تاریخ انسانی میں تمام انسانوں کے لیے ہمیشہ یکساں رہی ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ الصَّمَد ہے، وہ بے نیاز رب کبھی بھی اس پر راضی نہیں رہتا کہ اس کے دین کے علمبر دار اُس رب کریم کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹ کر، غیر شرعی راستے سے اپنے مخالفین پر برتری حاصل کریں۔ پھر سچ یہ ہے کہ ”لا يقيم الدين بهدم الدين“ دین کا قیام دین ہی کے ڈھانے سے کبھی نہیں ہوتا۔ وہ عظیم ذات تو اس قدر بے نیاز اور حکیم ہے کہ صحابۂ رسول ﷺ جیسے اس کے محبوبین اور روئے زمین پر اعلیٰ ترین انسانوں کے گروہ سے بھی جب معارکِ اُحد و حنین میں معمولی سی لغزش ہو جاتی ہے، تو نصرت کا سایہ ہٹ جاتا ہے اور فوراً یہ توجہ دلائی جاتی ہے کہ ایسا نہیں، ایسا کرو! ان مواقع پر ان عظیم ہستیوں سے کوتاہی مقصد و منزل کے تعین میں نہیں ہوئی تھی، یہ راستہ و طریقۂ کار تھا کہ جس میں لغزش ہو گئی، جو تھوڑی نہیں بڑی ثابت ہوئی اور فوراً اللہ کی جانب سے تنبیہ آ گئی...... عصرِ حاضر میں بھی جہادی اور غیر جہادی تمام اسلامی تحریکیں اللہ سبحانہٗ و تعالی کی اس سنت سے گزر رہی ہیں۔ اصلاحِ امت اور غلبۂ دین میں آج دشواری اگر کہیں ہے اور تحریکیں کہیں رُخ بہ منزل نہیں بلکہ منزل سے دور جا رہی ہیں تو اس کا ایک بڑا سبب راہِ شریعت سے دوری ہے۔ اللہ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم سنتِ رسول ﷺ ہی پر چل کر اللہ کے دین کی نصرت کریں اور مقصد و طریقہ دونوں میں اللہ کو راضی کرنے والے بنیں۔

تحریک خود اسلامی نہ رہے!

دورِ جدید میں غلبۂ دین کا راستہ روکنے کے لیے کہ نظامِ مملکت شریعتِ مبارکہ کے اصولوں پر کبھی وضع نہ ہو، نظامِ باطل کی طرف سے بالعموم دو بڑے حربے استعمال ہوتے ہیں۔ ایک حربہ خود اسلامی تحریک کو غیر اسلامی بنانے کا ہے، اس کے نتیجہ میں تحریک اپنے مقصد اور طریقۂ کار دونوں میں بالآخر اسلامی نہیں رہتی، وہ اسلام کا نام تو لیتی ہے، اس کا تعارف دین کی نسبت سے ہی ہوتا ہے مگر اس کی ساری توانائیاں غیر اسلامی رستوں پر ضائع ہو جاتی ہیں۔ یہ حربہ تحریک اور اس کے افراد کے لیے انتہائی مہلک بھی ہے اور قابلِ افسوس بھی۔ اس حربے کا ایک بڑا ذریعہ جمہوری سیاست ہے، اس سیاست کا حصہ بن کر دینی جماعت 'جمہوری' تو رہ سکتی ہے کہ اس کا مقصد و ہدف بس عوام کی خواہشات کی ترجمانی اور پیروی رہے، مگر وہ ایسی دینی تحریک

---

[1] الجاثیہ: ۱۸، اس کے بعد اب اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا ہے۔ لہٰذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔“

[2] پوری مخلوق کی تدبیر کرنے اور نظام کائنات چلانے والا

کبھی نہیں رہتی کہ جس کا نصب العین واقعی اللہ کی بندگی و اطاعت ہو، اس عبادت کی طرف وہ خلقِ خدا کو بلا رہی ہو اور اس کا سفر فی الحقیقت غلبۂ دین ہی کی سمت ہو۔

دشمن سے شکوہ کیوں؟

دوسرا حربہ فوجی انقلاب ہے۔ مصر میں ابھی چھ سات سال پہلے اخوان المسلمون کے خلاف فوجی انقلاب کا حربہ بھی استعمال ہوا، مگر حقیقت یہ ہے کہ غلبۂ دین کے مقصد میں اخوان کی ناکامی کا سبب یہ فوجی انقلاب نہیں بلکہ اس کا اپنا 'جمہوری' ہونا تھا، جمہوری جدوجہد ہی وہ میٹھا زہر تھا کہ جس نے پہلے میدانِ عمل میں آہستہ آہستہ انہیں اپنے اصول و مبادی سے ہٹایا، خود اس تحریک کو شریعت سے دور کیا اور پھر اندر سے اسے کھوکھلا کر کے دشمن کے رحم کرم پر چھوڑا [1]۔ دشمن کے ہاتھ میں اپنی شہ رگ دے دینا اور جب وہ اسے دبائے، تو پھر احتجاج و شکوہ کناں ہو جانا کہاں کی ہوش مندی ہے؟ اللہ کے باغیوں کے مقابل اپنے آپ کو نہتا رکھنا، نہتے رہنے کی دعوت دینا اور جو بھی دفاعِ دین کی خاطر اِن باغیانِ دین کے خلاف انہی کی زبان میں بات کرے، ہتھیار اٹھائے، اسے دہشت گرد کہنا، خود اپنے پاؤں پر اگر کلہاڑی مارنا نہیں تو اور کیا ہے؟ درخت اگر خود اندر سے کھوکھلا ہو، تو ظاہر ہے اسے تیز آندھی میں ٹوٹنا ہی ہوتا ہے، مگر ٹوٹ کر اگر وہ آندھی سے ہی شکایت کرنے لگے تو یہ شکایت کیوں کر قابل قبول ہے؟ اسلامی جماعتوں کی یہ بہت بڑی کوتاہی ہو گی کہ وہ جرمِ ضعیفی کو ہی ماتھے کا جھومر سمجھ کر اس پر فخر کریں اور جب دشمن ان پر دھاوا بول دے، ان کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دے تو پھر بس دشمن کی اس 'بے اصولی' اور ظلم و جبر کا رونا شروع کر دیا جائے۔ اسلام جو اپنے سوا تمام ادیان و نظام ہائے عالم کو چیلنج کرتا ہے اور انہیں مغلوب کرنے کا اعلان کرتا ہے، اس عظیم دین کی نصرت و پاسبانی کا علَم بھی کوئی اٹھائے اور ساتھ ہی 'اعداد و قتال' جیسے قرآنی احکامات کو پس پشت بھی ڈالے اور بس صندوقچیوں میں پرچیاں ڈالنے کو ہی غلبۂ دین کا اصل راستہ بتائے، یہ اس دین کے ساتھ کہاں کا انصاف ہے؟

جمہوریت کا پہلا ثمرہ

اخوان المسلمون کے ہمارے یہ بھائی مصر میں جس ہزیمت و مایوسی سے آج دوچار ہیں، اس کا اصل سبب یہی غیر شرعی سیاست ہے [2]، جمہوری سیاست دینی جماعت کے کردار سے دین داری کو تدریجاً کھرچ دیتی ہے اور بالآخر ایک وقت آ جاتا ہے کہ جماعت تو ہوتی ہے، اسلامی نام بھی ہوتا ہے، ظاہر میں بعض اسلامی نعرے اور دینی جذبات کو اپیل کرتے شعارات بھی ہوتے ہیں مگر فکر و سعی کی دنیا میں، نہ خاطر خواہ دین ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے اندر اپنے اصول و مبادی کے دفاع کے لیے وہ جان و قوت ہوتی ہے کہ جس سے دشمنوں کی جارحیت کا رستہ روکا جا سکے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جمہوری سیاست میں پہلی چیز جس پر آگے بڑھنے کی قیمت پر کوئی دینی جماعت سمجھوتہ کرتی ہے وہ اس کی خود اپنی اسلامیت ہوتی ہے۔ اس نے اگر مین اسٹریم سیاست کرنی ہو یا شریکِ اقتدار اگر ہونا ہو تو لازم ہے کہ میڈیا و سیاست میں اس کے قول و عمل کا حوالہ شریعتِ مطہرہ نہ ہو۔ جمہوریت کی جگہ اسلام اگر تعارف ہوا، فکر و عمل، مقصد و منزل، تنقید و تبصرہ اور حمایت و مخالفت میں بس اسلام و شریعت کی اگر پابندی و ترجمانی ہوئی تو پھر جن طواغیت کے پاس طاقت و اختیار ہے اور جو میڈیا و تعلیم کے ذریعہ رائے عامہ پر قابض رہتے ہیں، ان کی مخالفت کے لیے پھر تیار ہو جایئے۔

مطلوب یہ تھا......

کہ اس کشمکش کو قبول کیا جاتا اور اذہان و قلوب جیتنے کے اس معرکہ میں حق کا ہتھیار لے کر اترا جاتا، دلیل و حکمت اور سوز و اخلاص کے ساتھ یہ اختلاف قائم رکھتے ہوئے اسے دعوتِ دین

---

[1] اخوان المسلمون اور اس طرح کی دیگر دینی سیاسی جماعتوں سے منسلک اہل دین ہمارے بھائی ہیں اور اس بھائی چارے ہی کا تقاضہ ہے کہ ہم وقتاً فوقتاً ان پر جمہوریت کی خطرناکی واضح کریں، ظاہر ہے ہمارے نزدیک اس گمراہ کن راستے پر ان بھائیوں کا نہ اپنا دین محفوظ ہے اور نہ ہی اس پر چل کر وہ دین کی کوئی حقیقی نصرت کر سکتے ہیں۔ پھر مجاہدین کی طرف سے خیر خواہی کی یہ نصیحت یک طرفہ نہیں بلکہ امت کے تمام اہل علم اور اصحاب خیر سے ہماری گزارش ہے کہ ہم بھی نصیحت کے محتاج ہیں، ہماری فکر و سعی میں بھی بہت سے پہلو قابل اصلاح ہو سکتے ہیں، ان کی اصلاح کے لیے اپنے اوپر نقد، اس ضمن میں مکالمہ اور آپ کی طرف سے نصیحت ہم نے ہمیشہ خوش آئند سمجھی ہے اور ایسا کرنے پر ہم ہمیشہ آپ کے ممنون ہوں گے۔

[2] 'اخوان المسلمون' کی تاسیس ۱۹۲۴ء میں شیخ حسن البناء شہید رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی اور اس کا مقصد شہید رحمہ اللہ کے ہاں احیائے دین اور اسلامی حکومت کا قیام تھا۔ شیخ حسن البناء رحمہ اللہ ایک نیک سیرت مؤمن، عظیم قائد، بہترین داعی اور انتہائی مؤثر مربی تھے۔ آپؒ اپنی شخصیت کے کئی پہلوؤں میں آج بھی داعیانِ دین و مجاہدین کے لیے بلاشبہ ایک قابل رشک حیثیت رکھتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ انہیں ان کی خدمات کا بھرپور اجر دے اور ان کی خیر سے عالم اسلام کو کبھی محروم نہ کرے۔ جہاں تک جمہوریت کا معاملہ ہے تو اُس دور میں اس نظام کا عالم اسلام کے لیے بالکل نیا ہونے کے سبب وقت کی دیگر بعض بڑی شخصیات کی طرح انہیں بھی آغاز میں مغالطہ ہوا اور انہوں نے بھی جمہوریت کو غلبۂ دین کے لیے بطورِ ایک وسیلہ قبول کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے دعوتِ جہاد کو بھی اپنا موضوع بنایا اور اپنے تیار کردہ مجاہدین کو بغرض جہاد فلسطین بھجوایا، تب مصری حکومت نے فریب سے کام لیتے ہوئے ان سے یہ کہہ کر مجاہدین واپس بلوا لیے کہ فلسطین میں مصری فوج لڑے گی، اس لیے مجاہدین کی وہاں ضرورت نہیں، یا یہ کہ مجاہدین فوج کے تحت پھر شریک جہاد ہوں گے۔ دوسری طرف حسن البناء شہیدؒ نے الیکشن میں جب حصہ لینا چاہا تو ایک دفعہ امریکہ و برطانیہ کی طرف سے دباؤ کا کہہ کر ان سے کاغذات واپس کروائے گئے اور دوسری دفعہ دھاندلی کے ذریعے انہیں بری طرح ہروایا گیا۔ شیخ رحمہ اللہ کو اس عرصہ میں جمہوریت کے باطل ہونے کا احساس ہو گیا اور آپ نے اس سے رجوع کرتے ہوئے 'معرکۃ المصحف' (معرکۂ قرآن) کے نام سے ملک گیر دعوتی و انقلابی تحریک شروع کر دی۔ جلد ہی مصری حکومت آپ رحمہ اللہ کے عزائم سمجھ گئی اور یوں ایک شاہراہ پر دن دہاڑے ایجنسی کے افراد نے آپؒ کو شہید کر دیا۔ ان کے بعد اخوان سے منسوب داعیوں میں سید قطب رحمہ اللہ کا نام قابل ذکر ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے بھی جمہوریت سمیت اسلام سے ہٹ کر ہر نظام حیات کو جاہلیت کا نام دیا اور اس کے ساتھ مفاہمت و حمایت کے بجائے مخالفت و مقاومت کی دعوت دی۔ آپ رحمہ اللہ کو بھی حکومت نے اس دعوت کے جرم میں پھانسی دے دی۔ حسن البناء شہید کا جمہوریت سے رجوع اور شہید سید قطب رحمہ اللہ کی اس کے خلاف جان دار دعوت اخوان کا بطورِ جماعت رخ نہیں موڑ سکی اور ان کے بعد آنے والے قائدین نے جمہوریت کو ہی اپنا اصل منہج قرار دیا۔ بعض نے تو سید قطب رحمہ اللہ کے افکار پر کھلی نقد بھی کی اور یہ بھی کہا کہ آپؒ اخوانی فکر کی نمائندگی نہیں کرتے تھے (جو سو فیصد صحیح بھی ہے)۔ آج اس جمہوری منہج کا ثمرہ ہے کہ ہر آئے دن کے ساتھ یہ جماعت دعوتِ دین، اتباعِ شریعت اور غلبۂ دین کی طرف سفر سے دور ہوتی جاتی ہے۔

کے لیے استعمال کیا جاتا، رحمانی تعلیمات سے جاہلیتِ جدیدہ پر بھرپور رد ہوتا، 'عوامی حاکمیت' کے 'دینِ جمہوریت' کے مقابل بس اللہ کی حاکمیت، اللہ کی اطاعت اور اللہ ہی کی شریعت کے اتباع کو بنیاد و موضوع بنا کر دعوت و تحریک کھڑی کی جاتی، ہر ہر معاملے میں دیکھا جاتا کہ اللہ کا دین کیا کہتا ہے اور کیا کچھ اس کی تعلیمات کے مقابل اور منافی ہے؟...... پھر ساتھ ہی ساتھ، بلکہ اس سے بھی قبل خود اپنا قول و عمل بھی شریعت کا نمونہ رکھنے کی بھرپور سعی کی جاتی...... یہ سب کرنا لازم تھا، یہی فرض تھا اور کاش کہ ہمارے یہ اہل دین بھائی بس ان فرائض کی بجا آوری کرتے۔ یہ ہوتا تو نصرت و تمکین کا الٰہی انعام اللہ کی طرف سے انہیں مل جاتا، اس لیے کہ صرف ایسا کرنے پر ہی اللہ کی نصرت کا دارومدار ہے، یہ ہوتا تو منزل تو منزل اس سفر و کشمکش سے بھی دیکھنے سننے والوں کو ہدایت ملتی، ظاہر ہے اسلام و شریعت موضوعِ بحث بنتا اور صرف اسلام ہی پھر دلوں و ذہنوں کا مرکز بن جاتا، دیکھنے والوں کو حق اور اہل حق کی عظمت واضح ہو جاتی اور وہ حق و باطل کی یہ کشمکش دیکھ کر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو پا لیتے، شریعتِ مطہرہ کا حسن واضح ہو جاتا، زندگیوں کی کایا پلٹ جاتی، "لوگ آتے گئے کارواں بنتا گیا" کے مصداق اہل دین کا یہ کاروانِ عظیم حق ہی کے نور اور اس کی حرارت میں پروان چڑھتا اور جانب منزل رواں دواں ہو کر قوت پکڑتا...... اور یوں دعوت، اعداد اور پھر قتال جیسے مراحل سے گزرتے ہوئے بالآخر یہ مبارک سفر حق کے سائے میں حق ہی کی کامیابی پر منتج ہو جاتا...... یہ کشمکش مطلوب تھی اور یہی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی ضامن بھی تھی۔

قیمتی ترین متاع سے محرومی

مگر اس کشمکش کو قبول کرنے کا تقاضہ تھا کہ پابندیٔ شریعت ہوتی اور شریعت کی اتباع کے اس راستے میں ہلا دینے والے مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جاتا۔ ظاہر ہے، اس بامعنی جدوجہد کے لیے بنیادی زادِ راہ تقویٰ اور صبر تھا۔ تقویٰ جو شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کا نام ہے جبکہ صبر اس سعی میں آنے والی آزمائشوں کو برداشت کرنا اور اپنے مبنی بر شریعت موقف و عمل سے انچ برابر پیچھے نہ ہٹنا ہے...... یہ تقویٰ اور صبر وہ توشۂ سفر ہیں کہ جن پر اللہ کی کتاب میں زور دیا گیا ہے اور انہیں ہی دنیا و آخرت کی تمام تر کامیابیوں کا وسیلہ بتایا گیا ہے۔ پر افسوس ہے کہ جمہوری سیاست میں چونکہ "سپریم پاور" عوام ہوتی ہے، اس لیے اس بھیڑ کو راضی کرنے اور اس پر اصل گرفت رکھنے والے مقتدر طبقات کو ناراض نہ کرنے کے لیے پہلی متاعِ عزیز کہ جس پر سمجھوتہ ہوتا ہے، وہ یہی تقویٰ اور صبر ہے۔ جلد از جلد ایوان اقتدار میں پہنچنے کی خواہش ہوتی ہے کہ جس کے سبب یہاں اولاً تو اس قیمتی ترین اثاثے سے ہاتھ دھوئے جاتے ہیں اور آخر میں باطل کے خلاف مطلوب کشمکش سے ہی کنارہ کشی اختیار ہوتی ہے۔ سب فرائض چھوڑ کر بس عوام کے جائز و ناجائز 'حقوق' اور انہیں 'ترقی' دلانے کی سعی ہوتی ہے، حکمتِ عملی اور منصوبہ بندی وضع کی جاتی ہے، مگر یہ سب کچھ عوام کی ہدایت و اصلاح کے لیے نہیں، انہیں غیر اللہ سے توڑنے اور اللہ کے ساتھ جوڑنے کے لیے نہیں، فرائض و واجبات کی طرف توجہ دلانے کے لیے بھی نہیں، بلکہ عوام ہی کی خواہشات کے مطابق خود اپنے آپ کو ڈھالنے کے لیے اور انہیں کسی بھی قیمت پر راضی کرنے کے لیے۔ داعیانِ دین، انبیاء کے ورثاء کا کام عوام کو راہ حق کی طرف بلانا، تباہی سے بچانا اور انہیں نجات دلانا ہے مگر جمہوریت کا یہ راستہ ایسا ہے کہ اس میں جو عوام ہی کے پیچھے چلا، عوام کے ہر ذوق و شوق کو پورا کرنا جس نے اپنا مقصد رکھا، وہی 'کامیاب' ہوتا ہے۔

دشمنانِ دین بھی ناراض نہ ہوں......!

یہاں پھر تمام تر جدوجہد کا مقصد بس کسی طریقے سے ایوانِ اقتدار تک رسائی بنتا ہے۔ دشمنانِ دین کو بھی باور کرایا جاتا ہے کہ گھبراؤ نہیں، ہم آپ کے بھی خادم ہیں، ہمارے آپ کے بیچ ایسا اختلاف ہے ہی نہیں کہ جس پر آپ کبھی پریشان ہوں، ہر ایسی بات اور ہر ایسے قدم سے باتکلف بچنے کی کوشش ہوتی ہے جس سے اہلِ باطل کے کان کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اچھے برے، دین دشمن اور اہل دین سب مزاجوں کے لیے متفق علیہ قسم کے 'غیر مضر' ذخیرۂ الفاظ کا چناؤ ہوتا ہے۔ ملک و وطن کی خدمت، غربت و بے روزگاری سے نجات اور ملک کی ترقی و خوش حالی ہی بس پھر مقصد اور نصب العین بتایا جاتا ہے۔ غیر اللہ کی اطاعت کا انکار اور صرف اللہ کی اطاعت کا اقرار، شریعت الٰہی کا اتباع، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اللہ کے لیے دوستی اور اس کے لیے دشمنی جیسے ان سب فرائض کی تذکیر غائب ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ بجلی، سڑک، روزگار، حقوق، تعلیم، ترقی اور جمہوریت کی بالادستی جیسی گھسی پٹی باتیں تکیہ کلام بن جاتی ہیں۔ باطل بھی اپنی سیاست و تحریک کا مدعا انھی مقاصد کو بیان کرتا ہے اور یہی اب اہل دین کی بھی دعوت کا محور بن جاتے ہیں۔ اب اہل دین بھی ہر قضیے اور ہر واقعے کی ایسی تعبیر و تشریح کرتے ہیں کہ جس سے کسی کو گمان بھی نہ ہو کہ اسلام و شریعت کا بھی اس میں کوئی موقف ہو سکتا ہے[23]۔ ایسا کرنے سے دین دشمنوں کی پریشانی تھوڑی سی کم ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے باطل کے ساتھ تعامل اگر اہل باطل ہی کے پسندیدہ اور وضع کردہ انداز سے ہو، 'اہل حق' کی تحریک سے

[23] یہ تحریر لکھتے ہوئے ہماری نظر سے اخوان المسلمون کے حالیہ نائب مرشد عام محترم ابراہیم منیر صاحب کا الجزیرہ کو دیا گیا ایک انٹرویو گزرا۔ اللہ ہماری اور ان کی کمیاں کوتاہیاں معاف فرمائیں اور ہم سب کو ہدایت دے، محترم نے اپنی پچیس منٹ کی گفتگو میں اشارہ تک بھی نہیں دیا ہے کہ ان کی جماعت کا مقصد غلبۂ دین ہے، یہ اسلام کی طرف بلاتی ہے اور یا یہ کہ ان کا موجودہ نظام کے ساتھ اختلاف کا سبب اس نظام کی دین دشمنی ہے۔ نہیں، بلکہ محترم کا اس کے برعکس انٹرویو میں سارا زور مصر میں موجود پسماندگی اور وہاں مسلط فوجی جرنیلوں کی مالی بدعنوانی پر ہے، محترم فوج کی طرف سے جبر اور اپنی جماعت کی آزمائش کا ذکر بھی کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ فوج نے ہمیں امریکہ و یورپ کے سامنے دہشت گرد ثابت کرنے کی کوشش کی، مگر ناکام ہوئی اور ہم نے ان سب پر ثابت کیا کہ ہم جمہوریت اور پرامن جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں اور تشدد و عسکریت پسندی کی مذمت کرتے ہیں۔ گویا بیمار ہوئے جس کے سبب...... سال ڈیڑھ پہلے پاکستان کی بھی ایک دینی سیاسی جماعت کے امیر کا ایک انٹرویو نظر سے گزرا تھا، اس سے بھی کسی طرح یہ واضح نہیں تھا کہ یہ کسی دینی جماعت سے وابستہ داعی کا انٹرویو ہے۔

بھی اگر حق و باطل، اسلام و کفر اور ایمان و نفاق کے بیچ تمیز کی لکیر غائب رہے تو باطل کیوں پریشان ہو؟ اہلِ باطل تو ایک دوسرے کو بھی کسی دائرے میں برداشت کر ہی لیتے ہیں، یہ تو حق ہے کہ اگر یہ اپنی روح اور قالب کے ساتھ میدان میں ہو تو ظالموں کو اپنا جینا حرام ہوتا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ انسانی میں باطل نے حق کو کبھی بھی ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا ہے، وہ حق کے ساتھ ایک ملک، ایک معاشرہ اور ایک ایوان میں خوشی خوشی کبھی نہیں رہتا، وہ تو حق کو ملک بدر کرنے، قید کرنے یا ختم کرنے کی چالیں چلاتا ہے.....ہاں اہل حق خود اگر حق سے تنازل کریں، مداہنت سے کام لیں تو پھر وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ[24]! کے مصداق باطل بھی ڈھیلا پڑ جاتا ہے، وہ بھی... پھر بانہیں پھیلا کر ایسی جماعتوں کو مین سٹریم سیاست میں لیے آگے بڑھتے ہیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم......!

ایسی جماعتیں اکثر اوقات شناختی بحران Identity Crisis کا بھی شکار رہتی ہیں۔ ایوانِ اقتدار میں پہنچنے یا کم از کم کوچۂ سیاست میں رہنے کے لیے چونکہ یہ 'عالمی رائے عامہ' نامی بلا کو راضی کرنے، مقتدر طبقات کو خوش کرنے اور عوام کی حمایت حاصل کرنے کی سعیٔ لاحاصل میں لگ جاتی ہیں، اس لیے شرعی اصولوں سے دامن چھڑانا ان کی مجبوری بن جاتی ہے۔ مگر اس مجبوری کے باوجود بھی ان کا اپنا ضمیر، دین پسند ماضی، قدامت پسند ووٹرز اور بعض اوقات ان کے اپنے دل بھی دین کا دامن مکمل طور پر نہ چھوڑنے کا تقاضہ کرتے ہیں، یوں نہ یہ مکمل طور پر سیکولر بنتے ہیں کہ لادین قوتیں ان سے مطمئن ہوں اور نہ ہی یہ صحیح معنوں میں 'بنیاد پرست' بنتے ہیں کہ اسلام و شریعت کی کوئی کماحقہٗ خدمت کر سکیں۔ داعیٔ دین جماعت سے خالص سیاسی جماعت میں تبدیلی کا واقعہ تو بہت پہلے ہوا ہوتا ہے، اب اس دوسرے 'حادثے' کا بھی سامنا ہوتا ہے کہ یہاں اصل بادشاہ گروں کے ہاں ایسے 'داڑھی والوں' پر اعتماد نہیں ہوتا، یوں بہت کچھ کھونے کے باوجود بھی لیلائے اقتدار دور ہی رہتی ہے، نتیجتاً دور دور سے کرسیٔ اقتدار کے طواف میں عشروں پر عشرے گزرتے جاتے ہیں۔ ایک دو اور ممالک (ترکی اور تیونس) میں بھی انہیں اقتدار ملا، مگر ان کے اس اقتدار سے جمہوری نظام کے کفر اور فساد پر ایک اور مہرِ تصدیق ثبت ہوگئی۔ یہ الگ بات ہے کہ یہاں ان ممالک میں ان دین پسند حلقوں کا ظہور اسلامی نہیں بلکہ جمہوری اور لبرل رہا، نتیجتاً تبدیلی بس اتنی آئی ہے کہ محض چہرے بدلے، باقی اصل 'شجرۂ خبیثہ' یعنی اللہ سے بغاوت پر کھڑا اگر اہ کن نظام وہی کا وہی رہا۔ پہلے شریعت سے آزاد سیاست کی توجیہ بس حکومت تک پہنچنے کا ذریعہ بتایا جاتا تھا اور اب حکومت میں آکر دین کی طرف کوئی بھی حقیقی پیش قدمی انتہائی مشکل اور ناممکن کہی جاتی ہے۔ دینی پس منظر اور ضمیر کی پکار پر بعض اوقات امتِ مسلمہ سے متعلق چند جذباتی بیانات بھی دے دیے جاتے ہیں مگر اقامتِ دین کی طرف میدانِ عمل میں کوئی ایک بھی سنجیدہ قدم نہیں بڑھ پاتا، الٹا داخلی و خارجی سطح پر اسلام دشمن قوتوں کو اپنے خلاف شکایت کا موقع نہ دینے کے لیے بعض ایسے غیر شرعی افعال بھی کیے جاتے ہیں جو ان سے پہلے واضح سیکولرز نے بھی نہیں کیے ہوتے ہیں۔ اخوان کے دورِ حکومت میں ایسے اقدامات کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

غلبۂ دین کا راستہ

امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان ہے: "لن يصلح آخر هذه الأمة إلا ما أصلح أولها" فرماتے ہیں، اس امت کے آخر کی اصلاح بس اُس ذریعہ سے ہی ہوگی جس نے اس کے اول کی اصلاح کی تھی۔ امت کے اول کی اصلاح کس ذریعہ سے ہوئی تھی؟ رجوع الی اللہ، کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کی پیروی، زہد و یقین کی صورت میں تزکیہ و احسان، امر بالمعروف و نہی عن المنکر...... وہ کیا راستہ تھا کہ جس سے اللہ کا دین غالب کیا گیا تھا؟ وہ دعوت، ہجرت، اعداد اور قتال کا راستہ تھا، یہ وہ مطلوب شرعی اعمال تھے کہ جن کے ذریعے اپنی اول اجنبیت میں اللہ کا یہ دین غالب ہوا تھا اور یہی وہ واحد طریق ہے کہ جس پر چل کر آج بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ 'دعوت، اعداد اور قتال' سب شرعی طور پر مطلوب ہیں، ان میں سے ہر ایک کا شریعت میں امر ہے اور ان فرائض کی بطریقِ احسن بجا آوری ہی ہے کہ جس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے نصرت کا وعدہ کیا ہے۔

ہم اہل جہاد کے سامنے ہر وقت یہ بھی مدنظر ہو کہ یہ راستہ شرعی ہے، اور غلبۂ دین کے لیے اس پر قدم رکھنا جس قدر ضروری ہے، اُتنا ضروری یا اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ اس میں دعوت اور قتال سمیت ہر ہر عمل شریعتِ مطہرہ کے مطابق ڈھلا ہوا ہو۔ محض دعوت وجہاد کا عَلَم اٹھانا کافی نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ دعوت اور جہاد کے اعمال تب ہی اللہ کے ہاں نصرت و قبولیت کے حقدار ٹھہرتے ہیں جب یہ تعصب، ظلم اور خواہش نفس کے غلبہ سے بالکل پاک، بس شریعت مطہرہ کے تابع ہوں۔ یہ ایک شرعی اور تاریخی حقیقت ہے کہ تحریکِ جہاد جس قدر شریعت کے موافق اور افراط و تفریط سے پاک ہو، اُس حد تک اس سے امت کو خیر ملتی ہے، مومنین کے دلوں میں وہ گھر کرتی ہے اور اللہ اسے نصرت دین کی عظیم خدمت میں استعمال کرتا ہے۔

کیا ہر جگہ قتال ہماری دعوت ہے؟

جب ہم دعوت و قتال کا علم بلند کرتے ہیں تو بعض حلقوں کے خیال میں ہم بلا کسی تخصیص و ترجیح بیک وقت ہر جگہ قتال چاہتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہم ہر جگہ قتال شروع کرنے اور بیک وقت ہر دشمن کے خلاف جنگ کھولنے کے کبھی داعی نہیں رہے، بلکہ قتال میں اس دشمن کو ترجیحاً ہدف پر رکھنا ہماری دعوت رہی ہے جس کا کفر واضح ہو اور امتِ مسلمہ کے خلاف اس کا ظلم زیادہ ہو۔ ہم ایک حکمت عملی کے پابند ہیں اور یہ حکمت عملی چونکہ خود شریعت کی پابند

---

[24] القلم: ۹: "یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں۔"

ہے، اس لیے اگرچہ ہم مسلمان ممالک میں ہر جگہ قتال شروع کرنے کے داعی نہیں مگر ساتھ ہی ان ممالک پر مسلط طواغیت کو شرعی اولوا الامر کا درجہ بھی نہیں دیتے، بلکہ انہیں ہٹانے کے لیے اولاً دعوت و اعداد اور مناسب وقت پر جا کر قتال کو فرض سمجھتے ہیں۔ ان طاغوتی حکمرانوں اور یہاں قائم نظامِ کفر کی شرعی حیثیت واضح کرنا، ان کے خلاف دلوں میں نفرت و عداوت بٹھانا اور انہیں ہٹانے کے لیے اعداد و تیاری کرنا ایک بات ہے اور ان سب کے خلاف تحریکِ جہاد کے مصالح و مفاسد دیکھے بغیر بہر صورت قتال کھولنا دوسری بات ہے؛ پہلی بات ضروری، ناگزیر اور واجب ہے جبکہ دوسری بات قابلِ اصلاح ہے اور یہاں مسلط اس نظامِ کفر کے خلاف نفرت و عداوت ہی کا تقاضہ ہے کہ اس کے خلاف تحریکِ جہاد کو منظم اور مؤثر رکھا جائے۔ ہمارے نزدیک تحریکِ جہاد 'دعوت، اعداد اور قتال' سے عبارت ہے۔ لہٰذا نظامِ کفر کے خلاف دعوت و اعداد مسلم معاشروں میں بھی مختلف صورتوں میں جاری رہنا ضروری ہے، مگر جہاں تک قتال ہے تو اس کا آغاز بس خاص اُس جگہ ہی کیا جاتا ہے جہاں یہ قتال تحریکِ جہاد کے لیے نافع ہو، دعوتِ جہاد کو اس سے غذا مل سکتی ہو اور عوام و خواص میں اس کے سبب حق و باطل میں تمیز ہو رہی ہو۔ اس کے برعکس اگر کسی جگہ اس کے آغاز سے تحریکِ جہاد ہی کا نقصان یقینی ہو اور الٹا نظامِ کفر کی تقویت کا اندیشہ ہو، تو ایسے میں وہاں دعوت اور تیاری پر بس توجہ دی جاتی ہے، خود سے اس کا آغاز نہیں کیا جاتا بلکہ اسے موزوں وقت کے لیے مؤخر کیا جاتا ہے۔ وہاں پھر قائم نظامِ کفر کی حقیقت لوگوں کے سامنے کھولی جاتی ہے، سیکولرازم اور جمہوریت کا فساد واضح کیا جاتا ہے، نظامِ طاغوت کے خلاف عداوت دلوں بٹھائی جاتی ہے، عوام کو قلباً و قالباً اللہ اور صرف اللہ ہی کی غلامی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی طرف بلایا جاتا ہے...... اور ساتھ ہی ساتھ متوازی طور پر اس نظامِ باطل کے خلاف قتال کے لیے تیاری بھی کی جاتی ہے۔ گویا قتال نہ کرنے کا یہ وقت نظامِ کفر کو الٹانے اور وہاں شریعتِ مطہرہ نافذ کرنے کی خاطر رجالِ کار مجاہدین اور انصار و مؤیدین تیار کرنے میں ہی صرف ہوتا ہے۔ پھر یہاں بھی اس دعوت و اعداد کے دوران قتال سے مکمل طور پر پہلو تہی نہیں کی جاتی، بلکہ دوسری ایسی جگہ جہاں قتال انتہائی ضروری اور تحریکِ جہاد کے حق میں ہو، وہاں اس میں شرکت کی جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ عالمی جہاد کے بھی ایسے واضح اہداف پر کام ہوتا ہے کہ جن کے ذریعے سے دعوتِ جہاد کو تقویت ملتی ہو اور کفر و اسلام کے بیچ جنگ واضح ہوتی ہو۔ یوں اس پورے جہادی عمل سے، دعوت، اعداد اور قتال کی صورت میں عالمی اور مقامی دونوں سطحوں پر تحریکِ جہاد کو تقویت ملتی ہے اور نظامِ کفر کے خلاف غلبۂ دین کا سفر رُخ بہ منزل آگے بڑھتا ہے۔

یہاں یہ بھی ہم عرض کر دیں کہ تحریکِ جہاد، قتال میں واضح اور خطرناک ترین دشمن پر توجہ دینے کی داعی ضرور ہے، یہی اس کی ہمیشہ اصل حکمت عملی رہی ہے لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں، کہ یہ مقامی طواغیت کے سامنے مکمل طور پر ہاتھ پاؤں باندھنے کی دعوت دیتی ہے۔ نہیں، اگر کسی ایسی حکومت کی طرف سے جہاں فی الوقت 'دعوت و اعداد' ہی تحریکِ جہاد کی حکمت عملی ہو، ائمہ کفر کی چاکری میں دعوتِ جہاد کو ختم کرنے کے لیے جارحیت ہو، مجاہدین اور ان کے انصار کے گھر بار تباہ اور بچے شہید کیے جاتے ہوں، داعیانِ جہاد و مجاہدین سے عقوبت خانے بھرے جاتے ہوں، وہاں پھر یہ تحریک تر نوالہ بھی نہیں بنتی، بلکہ دفاع کی خاطر بلا تردد یہ میدانِ قتال میں بھی اترتی ہے اور بڑی سے بڑی قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

قتال سے فرار نہیں!

اسلامی تحریک کے لیے غلبۂ اسلام کے سفر میں اعداد و قتال جیسے فرائض سے فرار ناممکن ہے۔ ایک تحریک اگر واقعی غلبۂ دین چاہتی ہو اور اس کے سامنے اللہ کی جواب دہی کا خوف ہو تو اس کے لیے آج نہیں تو کل میدانِ قتال میں اترنا ناگزیر ہوتا ہے۔ یہ مرحلہ اسلامی تحریک کے راستے میں بہر حال آنا ہی ہوتا ہے۔ سیرت نبوی ﷺ، اللہ کی کتاب اور انسانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ قتال کے بغیر نہ پہلے کبھی دین غالب ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ پھر اللہ نے ہر مؤمن کو بھی اس امتحان سے گزارنا ہوتا ہے۔ یہ تو جدید مستشرقین اور قادیانیوں کا شوشہ ہے کہ جہاد بس حکومت و فوج کی ذمہ داری ہے اور دفاعی جہاد بھی کسی تحریک، تنظیم، یا فرد کے لیے جائز نہیں۔ اب حکومت اگر خود اسلام کی دشمن اور شریعت کے راستے کی رکاوٹ ہو، وہی اگر عوام سے بالجبر غیر اللہ کی اطاعت کروا رہی ہو اور اس کے تمام تر وسائل اہل ایمان کو بے دینی، منکرات بلکہ ارتداد کے راستے پر ڈالنے میں ہی صرف ہو رہے ہوں تو کیا پھر بھی ایسی حکومت سے جہاد کی اجازت طلب کی جائے گی؟ کیا ایسے حکمران بھی شرعی اولوا الامر ہوں گے اور ان کی بھی اطاعت واجب ہوگی؟ دین کی جدید 'تعبیر' کے مطابق نہ تو ایسے (طاغوتی) حکمرانوں کے خلاف جہاد و قتال جائز ہے اور نہ ہی ان کی اجازت کے بغیر ملکی سرحدات سے باہر یہود یا ہندو مشرکین کے خلاف لڑا جا سکتا ہے۔ گویا ان کے مطابق کشمیر و فلسطین کے مظلومین بھی اپنی فکر آپ کریں کہ آج ابن سلمان، عبد الفتاح سیسی اور عمران و باجوہ کی طرف سے جہاد کی اجازت نہیں!! دوسرے معنوں میں جہاد آج سے پوری دنیا میں ہمیشہ کے لیے معطل، بلکہ مکمل طور پر ختم ہو گیا!...... سبحان اللہ! صحابہ کرام کی آزمائش تو اللہ جہاد و قتال کے ذریعے سے کرے، وہ رب کریم تو اُن عظیم ہستیوں پر بھی اللہ کے رستے میں سر کٹوانا فرض قرار دیتے ہیں، اس کی ادائیگی کو ہی کفر و نفاق میں تمیز کا ذریعہ بتاتے ہیں، اس کی اہمیت و فضیلت بیان کرنے کے لیے قرآن میں سیکڑوں (مُحکم) آیات جہاد نازل کرتے ہیں، اللہ کے رسول تیئس غزوات میں خود میدانِ قتال میں صحابہ کرام کی قیادت کرتے ہیں، آپ ﷺ قیامت تک جہاد بمعنی قتال کا یہ فریضہ ادا ہوتے رہنے کی پیش گوئی فرماتے ہیں اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام میں سے اگر کوئی بلا عذر صرف ایک غزوے سے پیچھے رہتا ہے تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ان کے ساتھ قطع تعلق کر دیتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے ہاں تو جہاد و قتال کی اس قدر اہمیت و ضرورت، مگر آج کے مسلمان کو نعوذ باللہ اس عبادت کی ضرورت نہیں، اس کے ایمان کے امتحان کے لیے اب جہاد و قتال جیسے غیر اہم ہوئے!!! علم و دانش کے ان دعوے داروں کے مطابق اس لیے آج قتال کی ضرورت نہیں رہی کہ شاید آج

کے یہ طواغیت اور ائمۂ کفر عہد نبوی ﷺ کے مشرکینِ مکہ اور یہود و نصاریٰ سے بہتر ہیں؛ اُن کے خلاف تو جنگ ہوتی تھی جبکہ اِن کے ساتھ آج 'تبادلۂ خیال'، احتجاج اور بس قراردادوں کی زبان بولنا 'جہاد' ہے۔ جیسے ہی انہیں حق کی پہچان ہو گی یہ فوراً کلمہ پڑھیں گے، استغفار کریں گے، اللہ سے بغاوت اور خلقِ خدا کا استحصال چھوڑیں گے اور بلا کسی مزاحمت کے بس اللہ کے مطیع و فرماں بردار بن جائیں گے! پھر 'صندوقچے' رکھے جائیں گے، شریعت کو زیادہ 'پرچیاں' پڑیں تو شریعت حاکم ہو گی، ورنہ دوسری صورت میں...... کفر کا نظام قائم ہو گا اور سب نے پھر مل کر اس کی اطاعت و تعظیم کرنی ہو گی، اس لیے کہ آج 'پرامن اور جمہوری جہاد' کا دور ہے! باقی جہاد بمعنی قتال تو یہ تو بڑی عبادتیں ہیں اور یہ صرف جنرل یحییٰ، نیازی، مشرف اور باجوہ کی قبیل کے لوگ ہی کریں گے، ان کی اجازت کے بغیر ہندو اور یہودی تک کے خلاف بھی پتھر تک اٹھانا حرام ہے! گویا 'پیغامِ پاکستان' نامی دستاویز آنے کے بعد اب مسلمانانِ پاکستان کے لیے جہاد کا حکم (نعوذ باللہ) منسوخ سمجھا جائے!!...... یہ ہے دین کی وہ نئی تعبیر جو حقیقت میں ایک نئی امریکی درآمد کردہ بے دینی ہے، ایسی بے دینی کہ جس میں تمام تر منکرات و کفریات عام کرنے کی آزادی ہے مگر پابندی اگر ہے تو وہ جہاد پر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر۔ الحمد للہ کہ مخبر صادق ﷺ نے یہ بشارت دی ہے کہ امت مسلمہ گمراہی پر کبھی متحد نہیں ہو گی، اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے قتال و جہاد کے میادین کو گرم رکھنے والوں سے یہ دنیا کبھی خالی نہیں ہو گی، یہ فرض نبھانے اور دوسروں پر حجت قائم کرنے والے ہمیشہ موجود رہیں گے اور یوں دین کی تحریف کرنے والوں کی یہ زہر افشانی ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گی۔ یہ دین جہاد سے قائم ہے اور جہاد اس دین میں فرض ہے، لہٰذا یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ صرف وہی تحریک غلبۂ اسلام کی راہ میں رُخ بہ منزل بڑھ سکتی ہے جو اعداد و قتال کے فریضے سے صرفِ نظر نہیں کرتی ہو، بلکہ دیگر شرعی امور کے ساتھ ساتھ اس کو بھی اپنے لیے واجب العمل سمجھتی ہو۔

شریعت کی مخالفت جہاں مشکل ہو جاتی ہے!

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ تحریکوں کے ہاں اسلام کے نفاذ کا فیصلہ اقتدار ملنے کے بعد نہیں ہو سکتا، یہ فیصلہ تحریک کے آغاز ہی میں ہوتا ہے، اگر تو جدوجہد شریعت کے بالکل تابع رکھی گئی ہو تو قوت و اختیار ملنے کے بعد شریعت کے نفاذ کا مرحلہ مشکل ہونا تو دور کی بات، شریعت نافذ نہ کرنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ 'امارت اسلامی افغانستان' کی یہ عظیم تحریک اس کی واضح مثال ہے۔ امارت اسلامی کو تب، جب یہ اول دفعہ قائم ہوئی تھی شریعت کے نفاذ میں کوئی دقّت پیش نہیں آئی تھی، بلکہ بعد میں شریعت کو مطلوب مشکل ترین فیصلے بھی اللہ نے اس کے لیے آسان بنائے، کیوں؟ اور آج کیا سبب ہے کہ امارت اسلامی کا ہر سپاہی مطمئن ہے کہ امارت کو اختیار ملے گا تو ان شاء اللہ شریعت مطہرہ ہی نافذ ہو گی؟ یہ اس لیے کہ امارت اسلامی کسی دین دشمن قوت کے کندھوں پر بیٹھ کر یا باطل ہی کی کھینچی گئی جمہوری لکیروں پر چل کر اس پوزیشن کو نہیں پہنچی ہے۔ امارت کے قائدین بھی داعیانِ دین، علمائے کرام اور مجاہدین ہیں اور اس کے سپاہی (دیگر معنوں میں فوج) بھی مجاہدین ہیں۔ امارت کو کسی فوجی انقلاب کا بھی الحمد للہ نہ خوف ہے اور نہ خطرہ۔ جن سے خطرہ تھا، امریکہ اور دیگر عالمی قوتیں، ان کے مقابل جو شریعت کو مطلوب طرزِ عمل تھا، وہ امارت اپنا چکی ہے، اس کے ثمرات دنیا دیکھ رہی ہے جبکہ افغانی فوج کے مقابل مذاکرات کی میز بھی موجود ہے اور ہاتھوں میں نبوی تلوار بھی! یہی شریعت کو مطلوب ہے اور اسی پر ان شاء اللہ امارت کاربند رہے گی تو اللہ کے اذن سے اسلام کے غلبے اور اس کے نفاذ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو کر رہے گا۔

یہاں ایک اور مثال بتانا بھی فائدے سے خالی نہیں ہو گا۔ جنرل ضیاء الدین بٹ امارت کے دور میں آئی ایس آئی کا سربراہ رہا ہے۔ اس نے امارت کے سقوط کے بعد ایک ٹی وی چینل کو انٹرویو میں کہا کہ ''ملا عمر مجبور تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ اسامہ کو امریکہ یا کسی اسلامی ملک کے حوالے کیوں نہیں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو مجھے اپنا ہی محافظ مار دے گا''...... یقیناً امیر المؤمنین نے ایسا بالکل بھی نہیں کہا ہو گا، انہوں نے یہی کہا ہو گا کہ اسامہ کو دینا، نہ دینا شرعی معاملہ ہے اور اس میں میں مجبور ہوں، اللہ سے ڈرتا ہوں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اگر آغاز سے جدوجہد شریعت کے مطابق ہو، تحریک شرعی تربیت میں پروان پائی ہو تو اتباعِ شریعت میں ہر کارکن اور ہر قائد پھر ایک دوسرے کے لیے مدد اور معاون ہوتا ہے، داخلی لحاظ سے یہاں شریعت پر عمل انتہائی آسان جبکہ شریعت کے خلاف قدم انتہائی مشکل ہوتا ہے اور مخالفت کرنے والے کو قدم قدم پر مزاحمت اور مخالفت کا سامنا ہوتا ہے۔

جب نفاذِ شریعت چاہتے ہوئے بھی ناممکن ہو......!

دوسری طرف اگر کسی تحریک نے شرعی جدوجہد کے برعکس جمہوری سیاست سے اقتدار حاصل کیا ہو تو ایسی جماعت کے لیے دوسروں سے بڑھ کر خود اپنے کارکنوں تک پر بھی شریعت کا نفاذ ناممکن ہو جاتا ہے، پھر اپنی جماعت کے اندر خارجی دشمن کے مقابل اس کے پاس اپنی کوئی دفاعی قوت نہیں ہوتی، اعداد و قتال جیسی شرعی عبادات کو تو اس نے روزِ اول سے دہشت گردی قرار دیا ہوتا ہے، اس لیے باطل قوت (فوج) چاہے تو اسے ایوانِ اقتدار میں جلوہ افروز رکھے اور نہ چاہے تو اٹھا کر اسے جیلوں میں ڈالے، اس کے کارکنوں پر شب خون مارے اور اس کے 'منتخب صدر' کو قتل کر دے۔ مصر میں یہی کچھ ہوا، اخوان المسلمون ایک سال ایوانِ اقتدار میں رہی، اس عرصہ میں اسلام اور نفاذِ اسلام کی طرف قدم اٹھانا تو دور کی بات، الٹا سیکولر قوتوں کو راضی کرنے کی کوشش رہی، کوئی ایک بھی ایسا فیصلہ یا قدم نہیں اٹھایا گیا جس سے باطل کو ان کے اسلامی ہونے کی کوئی شہادت مل جاتی، ہر اُس اقدام سے یہ بچتی رہی جس سے فوج یا امریکہ کو شکایت ہو سکتی تھی، مگر اس کے باوجود بھی فوج نے ان کی حکومت برطرف کر دی، صدر محمد مرسی کی اللہ مغفرت کرے، ان کو جیل میں ڈالا اور بعد میں وہ فوجی تحویل میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، احتجاج کرنے والے ہزاروں کارکنوں کو شہید کیا۔ آج اس واقعے کے

سات سال پورے ہورہے ہیں، امریکہ ویورپ سب نے اول دن سے فوجی انقلاب کی عملی تائید کی ہے اور فوجی حکمرانوں کی بھرپور مدد کررہے ہیں، آج اخوان کے پچاس ہزار قیدی جیلوں میں ہیں، اس کے قائدین یا تو جیلوں میں ہیں یا دوسرے ممالک میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔اخوان کے کارکنوں اور قائدین میں سے کسی کو بھی امید نہیں کہ آئندہ کبھی یہ حکومت میں آسکے گی، جبکہ دوسری طرف اخوان کا جمہوریت کے ساتھ چمٹنا دیکھ کر کسی دیوانے کو ہی یہ امید ہوسکتی ہے کہ یہ جماعت مصر میں اسلام کے حقیقی غلبے کا باعث بن پائے گی۔

محض قربانی محمود نہیں!

اخوان المسلمون کے ہمارے ان بھائیوں نے کچھ کم قربانیاں نہیں دی ہیں، مگر افسوس ہے کہ یہ قربانیاں حق و باطل کے معرکے میں واضح طور پر رائیگاں جارہی ہیں۔نہ اس سے کسی کو دعوتِ دین مل رہی ہے اور نہ ہی ان کے سبب منزل کی طرف سفر سمٹ رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مطلوب شریعت کے اتباع میں قربانی ہے، محض قربانی بالکل بھی محمود نہیں ہے۔افسوس ہے کہ جب اخوان کی حکومت ختم کی گئی اور ان کے ایک اجتماع پر مصری فوج نے حملہ کیا تو صرف ایک دن میں پانچ ہزار اخوانیوں کو شہید کیا گیا۔اتنی تعداد میدان جہاد میں مجاہدین کی بھی ایک وقت میں کبھی شہید نہیں ہوئی ہے۔اخوان کے جتنے قیدی مصر کی جیلوں میں آج بند ہیں، اس سے کہیں کم افغانستان کی جیلوں میں مجاہدین قید ہیں، مگر مصر میں غلبۂ اسلام کی صبح دور دور بھی کہیں نظر نہیں آرہی حالانکہ ایک صدی اس تحریک کی پوری ہونے والی ہے، جبکہ افغانستان میں نفاذ شریعت کا خواب ایک دفعہ پھر پورا ہونے کو ہے۔افغانستان کی آدھی سرزمین پر آج بھی الحمدللہ شریعت نافذ ہے۔ مستقبل کا علم اللہ کے پاس ہے مگر یہ تاریخ کا حصہ ہے کہ الحمدللہ اسی شرعی منہج پر چل کر افغانستان کی سرزمین پر ایک دفعہ رحمانی عدل کا نظام پوری دنیا دیکھ چکی ہے۔امارت اسلامی نے اٹھارہ سال اسی شرعی راستے پر جب سفر کیا تو وقت کی سپر پاور اس کی بے سروسامانی کے باوجود اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوئی اور آج وقت کی 'سپر پاور' کا کبر خاک میں ملتا پوری دنیا دیکھ رہی ہے۔یہ سب اللہ کا کرم ہے اور اللہ کی دیگر نعمتوں کے علاوہ بالخصوص اللہ کے محبوب راستے 'دعوت وجہاد' پر کاربند رہنے کا ثمرہ ہے۔

اختتامیہ

شریعت، عقل اور تاریخ......دنیا میں موجود ہر کسوٹی دلالت کرتی ہے کہ امت مظلومہ کی نصرت اور غلبۂ دین کا راستہ جمہوری جدوجہد نہیں، بلکہ دعوت وجہاد ہے۔لہٰذا آج امت مسلمہ کی جو دگرگوں حالت ہے اور اللہ کا دین جس اجنبیت اور مغلوبیت سے دوچار ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ امت کا درد رکھنے والے اہل دین نصرتِ دین کے شرعی منہج پر اکٹھے ہوجائیں اور اس عظیم فرض میں اخلاص واتباع شریعت کے ساتھ ایک دوسرے کے دست وبازو بن جائیں......

دعوت وجہاد کا یہ راستہ مشکل نہیں، آسان ہے، استطاعت سے بڑھ کر بوجھ اللہ کسی پر نہیں ڈالتا، لہٰذا دعوت، ہجرت، اعداد اور قتال میں جو بھی ہمارے لیے آسان ہو، اس کے لیے اپنا آپ پیش کریں اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایسی سعی وعمل سے اپنے آپ کو دور کرلیں کہ جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہو۔ایسا ہم نے کیا تو اللہ رب العزت سفر آخرت کا ہر پڑاؤ آسان کردیں گے اور اپنی مدد ونصرت سے کبھی محروم نہیں کریں گے۔اللہ سے دعا ہے کہ وہ رب قدیر ہماری اور دینی سیاسی جماعتوں میں موجود ہمارے بھائیوں کی رہنمائی فرمائے اور ہم سب کو اپنی فکر وسعی کا محاسبہ کرنے اور انہیں شریعت کے مطابق ڈھالنے کی توفیق دے اور اللہ اپنی رضا کے راستے ہمارے لیے آسان بنادے، آمین یارب العالمین۔وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

بقیہ: مقالہ تعلیم

اصل علوم وفنون سیکھنے کے لیے بہت کم وقت بچتا ہے۔علمی تصورات کا ذہن میں آنا اور اظہار ما فی الضمیر جتنا مادری زبان میں آسان ہے اتنا کسی اجنبی زبان میں ممکن نہیں۔عام طالب علم ایک محدود درجہ کی لغات رٹ کر کام چلاتے رہے۔اس نے اہل ہند کو نقالی پر مجبور کیا۔ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو کچل ڈالا۔بلاضرورت ایک بھاری پتھر ہر نوخیز طالب علم کی گردن میں زندگی بھر کے لیے باندھ دیا گیا جس کے تلے اس کی شخصیت پس کر رہ جاتی ہے؛ retarded personality(پسماندہ شخصیت)۔

انگریزی زبان بطور مضمون

مولانا بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص انگریزی زبان کو صرف اس لیے سیکھتا ہے کہ یورپ، امریکہ میں جاکر اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام کرے تو بدترین اعداءِ اسلام کی زبان اعلیٰ ترین دین اسلام کی خدمت اور رضاءِ الٰہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔دراصل جو حضرات انگریزی زبان میں ماہر ہوتے ہیں اور چند حرف عربی کے بھی سیکھ لیتے ہیں ان کا غرور وکبر آسمان سے باتیں کرنے لگتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ تمام کمالات کا سرچشمہ ان کی ذات والاصفات میں جمع ہوگیا ہے۔اور طبعاً علماء دین اور مدارس عربیہ ودینیہ کی تحقیر وتوہین پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

اگر اسلامی سلطنت کی ضرورت کے لیے انگریزی پڑھی جائے تو فقط جائز نہیں بلکہ واجب کے درجہ میں ہوسکتی ہے بشرطیکہ فقط زبان مقصود ہو۔نصرانیت کے رنگ سے پاک ہو۔

پروفیسر محمد سلیم صاحب لکھتے ہیں:

جو لوگ انگریزی زبان وادب کے مطالعہ کی مخالفت کرتے ہیں وہ غلط نہیں کرتے۔ایک پہلو یہ ہے کہ قطع نظر ادب وشاعری کے انگریزی زبان کو برائے کار دانی مطالعہ کیا جائے۔ البتہ انگریزی مضمون کا لزوم بلا استثناء کی ضرورت نہیں۔موجودہ نظام میں جب تک انگریزی میں پاس نہ ہو طالب علم میٹرک میں پاس نہیں قرار دیا جاسکتا۔اور غیر تعلیم یافتہ کہلائے گا۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

''کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے سب برابر ہیں؟''

(تعلیم، حکمِ تعلیم اور نظامِ تعلیم پر بحث کرتا ایک مقالہ)

مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن المرابط حفظہ اللہ

باب ششم: تعلیم اور زبان

عربی زبان کی تعلیم کا حکم

مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من يحسن أن يتكلم بالعربية فلا يتكلم بالعجمية فإنها تورث النفاق، ترجمہ: جو عربی اچھی طرح بول سکتا ہے وہ عجمی نہ بولے کیونکہ وہ نفاق پیدا کرتی ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہؒ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی اسوہ کے ماتحت مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی: إياكم ورطانة الأعاجم فإنها خب، ترجمہ عجمیوں کی بک بک سے بچو کیونکہ وہ دھوکہ ہے۔ (اقتضاء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک سرکاری فرمان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا تھا: أما بعد تفقهوا في العربية وأعربوا القرآن فإنه عربي (وفي رواية) تعلموا العربية فإنها من دينكم، ترجمہ اَما بعد عربی زبان میں سمجھ پیدا کرو اور قرآن کی عربیت کو باقی رکھو کہ وہ عربی ہے۔ دوسری روایت میں ہے: عربی سیکھو اس لیے کہ وہ تمہارے دین کا جزو اعظم ہے۔ (اقتضاء)

مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

روایات سے ثابت ہے کہ آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان میں اتارے گئے اور عرصے تک عربی ہی بولتے رہے۔ عربی آسمانی زبان ہے۔ تمام فرشتے عربی ہی میں کلام کرتے ہیں۔ احکم الحاکمین کا آخری قانون یعنی قرآن کریم اسی زبان میں اترا۔ آخری نبی اور رسول ﷺ رسولِ عربی آئے۔ قبر میں سوال و جواب عربی میں ہوگا۔ جنت کی زبان عربی ہوگی۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أحبو العرب لأني عربي والقرآن عربي وكلام أهل الجنة عربي . ترجمہ: عربوں سے محبت کرو اس لیے کہ میں عرب ہوں اور اس لیے کہ قرآن عربی میں ہے اور اس لیے کہ اہلِ جنت کی زبان عربی ہوگی۔ (أخرجه الطبراني والحاكم والبيهقي في الشعب كذا في الكنز. ص204 ج6)

ہر حکومت کی ایک مخصوص زبان ہوتی ہے کہ اسی زبان میں حکومت کے تمام قوانین اور فرامین جاری ہوتے ہیں، اور تمام دفتری مراسلت اسی زبان میں انجام پاتی ہیں اگرچہ رعایا کی زبان دوسری ہو۔ عربی زبان احکم الحاکمین کی سرکاری زبان ہے۔ آسمانی دفتروں میں یہی زبان رائج ہے۔ امورِ خداوندیہ کی تمام تر کتابت عربی زبان میں ہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کا خطبہ عربی ہی میں پڑھنا واجب ہے۔ صحابۂ کرام نے ہزارہا بلادِ عجم فتح فرمائے جہاں کے لوگ دینِ اسلام سے بالکل ناواقف تھے مگر باوجود اس کے خطبہ عربی میں ہی پڑھا گیا۔ ائمہ اربعہ نے غیر عربی زبان میں خطبے کو بالاتفاق مکروہ قرار دیا ہے۔ تیرہ سو سال سے مسلمانوں کا تعامل اور توارث اسی طرح چلا آرہا ہے۔ **اس لیے باجماع فقہاء اور ائمہ مجتہدین عربی زبان کا سیکھنا فرض علی الکفایہ ہے۔**

زبان کا کردار

یہ مسئلہ بالکل روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ تمدن اور اخلاق و اعمال کی ترویج اور اشاعت میں زبان سے بڑھ کر کوئی شے ممد اور معاون نہیں۔ ہندوستان میں انگریز آیا اس نے اپنی تہذیب اور تمدن کے رائج کرنے کے لیے انگریزی کالج اور اسکول کھولے اور انگریز اپنے مقصد میں جس حد تک کامیاب ہوا وہ اظہر من الشمس ہے۔ آج کل بھارت سرکار نے ہندی زبان کو اس لیے سرکاری زبان قرار دیا ہے تاکہ چند روز بعد ہندوستان سے خدانخواستہ اسلامی تہذیب ختم ہو جائے اور تمام اقلیتیں ہندوانہ تہذیب و تمدن کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آئیں۔ اسی طرح عربی زبان کو سمجھو کہ جب عربی زبان کو پڑھو گے اور سیکھو گے تو اخلاق خداوندی اور فرشتوں کے انوار و برکات اور نبی امی فداہ نفسی ﷺ اور اس کے صحابہ اور تابعین کے فضائل و کمالات کا عکس تمہارے قلوب پر پڑے گا۔

اردو زبان کی شرعی حیثیت

مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایک ہے کسی غیر زبان میں کلام کرنا یا خصوصی طور پر مخصوص افراد کو بضرورت اس کی تعلیم دلانا، اور ایک ہے اسے بطور اپنے شعار کے قبول کرنا۔ تو یہ قبول عام اور اس کا شعار بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ زبان مفتوح ہو کر اپنی نہ ہو جائے اور اس کی تعبیرات و محاورات پر عربیت و اسلامیت قبضہ نہ کر لے۔ عربی زبان سے بھی محض عربی الفاظ مقصود نہیں بلکہ ایک مخصوص ذہنیت و کیفیت کے ساتھ ایک مخصوص اور مستقل قوم کے حقائق کی ترجمانی مقصود ہے، جس کی تعبیرات بھی مخصوص اور اپنی ہی ہوں۔ اسی سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اگر اسلامیت و عربیت اور اسلامی محاورات و تعبیرات کسی غیر عربی زبان کا جامہ پہن لیں اور اس سے اس طرح وابستہ ہو جائیں کہ وہ زبان انہی اسلامی حقائق کی ترجمان کہلانے لگے تو چونکہ اصل مقصود ان حقائق کا تحفظ ہے اس لیے اس زبان کا تحفظ بھی ضروری ہو جائے گا۔ کیونکہ

خود عربی زبان کا تحفظ بھی انہیں حقائق کے تحفظ کی خاطر مطلوب ہے۔ بس جس دلیل سے عربی کی حفاظت ناگزیر ہو گی اسی دلیل سے اس زبان کی حفاظت بھی ایک شرعی فریضہ ہو جائے گا جو عربیت کی حامل اور اس کے حقائق کی ترجمان بن جائے۔

آج ہندوستان میں اردو کی حیثیت کلیۃً یہی ہے کہ وہ اسلامی محاورات کی امین، عربیت کی ترجمان، اسلامی علوم وفنون کی حامل اور عام اسلامی ذہنیت کی آئینہ دار ہے۔ اس کی شاعری ہو یا نثر، کتب ورسائل ہوں یا استعارات، ضرب الامثال ہوں یا کہاوتیں، قصص تاریخ وایام ہوں یا سنین وشہور، اصطلاحات ہوں یا عنوانات، نعرے ہوں یا رجز، تحیات ہوں یا القاب وخطاب، غرض اس زبان کا کوئی بھی شعبہ ہو سب میں اسلامی ذہنیت کی روشنی، مذہبیت کا رنگ، دینی جذبات کی آمیزش، خدا شناسی کی جھلک، اکابرین اسلام کی روایات اور پیغمبروں اور اولیاء کی سیرتوں کی چاشنی اس درجہ اس میں رچی ہوئی ہے کہ اس کا ہر گوشہ عام نگاہوں میں اسلامی گوشہ اور اس کا ہر فقرہ اسلام کا فقرہ محسوس ہوتا ہے۔

غرض عربی زبان جوہر ہے اور اردو زبان وہ آئینہ ہے جس میں اس جوہر کی عکاسی ہو رہی ہے۔ تو کیا اس اسلامیت کی آئینہ داری کے ہوتے ہوئے اردو مسلمانوں کے لیے کوئی ناقابل اعتناء زبان رہ جاتی ہے؟ اگر فی الحقیقت اللہ کے ان ناموں، اس کے ان محاوراتی حقائق ومعارف کی حفاظت کوئی اسلامی فریضہ ہے جن کو اردو کی تعبیرات نے اپنے دامنوں میں چھپا رکھا ہے تو خود اردو کی حفاظت کیوں اسلامی فریضہ نہیں؟ پھر اردو کی صورت چھوڑ کر اگر اس کے مادہ پر غور کیا جائے تو مسلمانوں نے اپنے مخصوص علمی مذاق کے ماتحت اسلامی علوم اس میں منتقل کیے۔ آج کوئی علم وفن ایسا نہیں جس میں ہزاروں کی تعداد میں اردو کے سفینے موجود نہ ہوں، اور عربی سے اردو میں منتقل نہ ہو چکے ہوں۔ پھر ایک علوم قدیمہ ہی نہیں بلکہ علوم جدیدہ اور فنون عصریہ کا لامحدود ذخیرہ ہے جسے مسلمانوں نے اردو کی زینت بنا دیا ہے۔ دکن کی دولت ابد مدت نے لاکھوں روپیہ صرف کر کے سائنس، فلسفہ، کیمسٹری، تاریخ، جغرافیہ اور تمام جدید فنون کو دوسری زبانوں سے اردو میں منتقل کر دیا ہے۔

اردو کے اسلامی اور مسلمانوں کی زبان ہونے کی ایک سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلم اسے بحالت موجودہ اپنی نہیں بلکہ مسلمانوں کی زبان سمجھتے ہیں، اور اسی لیے اس کی نوک وپلک قطع کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ غور اس پر کیجیے کہ وہ اردو کی فکر میں محض ایک زبان ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہیں کہ وہ اسلامیت اور عربیت کی ترجمان ہے۔ پس وہ نفسِ اردو کو مٹانا نہیں چاہتے بلکہ اس کی عربیت اور اس کی مخصوص اسلامیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ پس اگر وہ اسلامیت و عربیت کے فنا کرنے کی خاطر اردو کی ہیئت تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو کیا اسی اسلامیت کی بقاء کی خاطر مسلمانوں کا شرعی فریضہ نہ ہو گا کہ وہ اردو کو اس کی اسی ہیئت کذائی کے ساتھ باقی رکھنے کی انتھک سعی کریں[1]۔ جب کہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ خود عربی زبان کی بقاء وتحفظ بھی اسی اسلامیت کی بقاء کے لیے ایک شرعی فریضہ ہے۔ پس علت کے اشتراک سے حکم بھی مشترک رہے گا۔ **اگر عربی زبان کی بقاء اسلامیت کی خاطر فرض ہے تو ہندوستان میں اسی علت وحکمت کی خاطر اردو کی بقاء بھی شرعی فرض ہو گا۔**

عربی زبان پھر بھی مطلوب ہے

ہاں مگر اسی کے ساتھ میں اس نقطہ کی طرف بھی توجہات منعطف کرانا چاہتا ہوں کہ اردو کی بقاء وتحفظ کی یہ شرعی اور سیاسی ضرورت کتنی ہی سہی مگر بہر حال ایک مقامی ضرورت ہے۔ اردو کی مقامی ضرورت کو شرعی اور سیاسی مانتے ہوئے بھی عالم اسلام کی وحدت زبان کا مسئلہ کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تمام عالم اسلامی کے لیے ایک مشترک اور جامع زبان درکار ہے جو ان کی مقامی زبانوں میں روح کی طرح سرایت کیے ہوئے ہو اور مسلمانوں کی ہر ایک زبان پر اس کا پورا پورا قبضہ ہو۔ مقامی زبانیں اگر مسلمانوں کی جماعتوں کو مقامی بنا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں تو یہ مشترک زبان ان اوراق پریشان کی شیرازہ بندی کا ذریعہ ثابت ہو۔ ظاہر ہے کہ اس صفت وشان کی ہمہ گیر زبان مسلمانوں کے لیے بجز عربی زبان کے دوسری نہیں ہو سکتی۔ آج بھی ہمیں اردو اس عربیت کی خاطر عزیز ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ عربی جوہروں کی نمائش کا ایک آئینہ اور وسیلہ ہے۔ تو پھر اگر مقصود کے حصول پر وسیلہ ختم بھی ہو جائے تو یہ خاتمہ کچھ بھی محل تاسف نہ ہونا چاہیے۔ [یعنی عربی کی خاطر اگر اردو ختم بھی ہو جائے تو افسوس کی بات نہیں]۔

اردو اور تبلیغ اسلام اور خلافت کا قیام

اردو میں اگر ایک حیثیت اسلامیت کی تھی تو دوسری حیثیت اس اشتراک تکلم سے ہندوستان کی مشترک زبان ہونے کی بھی ہے۔ جیسا کہ وہ اپنی ابتداء ہی سے اقوام کے اشتراک سے پیدا بھی ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں ایک صوبے کی زبان دوسرے

---

[1] یہاں دو باتوں کا ذکر کرنا صائب معلوم ہوتا ہے۔ اول یہ کہ ہندوستان کی موجودہ صورتِ حال (سنہ ۲۰۲۰ء میں خصوصاً) اوپر قاری طیب صاحبؒ کی بات پر صد فیصد صادق آتی ہے اور تفصیل کا مقام یہ حاشیہ نہیں۔ دوم یہ کہ قریباً سات برس پہلے 'ہندوپاک' کی سطح پر کراچی میں ایک 'اردو کانفرنس' منعقد ہوئی جس میں یہ قرارداد پیش کی گئی کہ اردو زبان کو لکھنے کے لیے 'عربی رسم الخط' (جس میں ہم ابھی لکھ اور پڑھ رہے ہیں) کے بجائے 'رومن' میں لکھا جائے (مثلاً اگر 'کیا حال ہے؟' لکھنا ہو تو یوں لکھا جائے 'Kia haal hai?')۔ الحمدللہ یہ کوشش اسی کانفرنس میں دم توڑ گئی۔ یہاں تمام دین سے وابستہ حضرات پر لازم ہے کہ آئندہ بھی جب ایسی کوششیں کی جائیں تو اردو زبان کی حفاظت کے لیے ایسی کوششوں کا مقابلہ 'حفاظتِ دین' کا جذبہ لے کر کیا جائے جیسا کہ اوپر حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی صاحب (نوّر اللہ مرقدہٗ) کی بات سے معلوم ہوا۔ (حاشیہ از: ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند')

صوبے میں نہیں سمجھی جاتی مگر اردو ہر صوبے میں سمجھی جاتی ہے۔ ایک صوبے کا خطیب یا مقرر کسی صوبے میں پہنچ کر اپنے مافی الضمیر کو خود اپنے صوبے کی زبان میں خواہ نہ سمجھا سکے مگر اردو میں بلا کسی مقامی ترجمانی کے ضرور سمجھا سکتا ہے۔ اور کسی صوبے کا فرد بھی اردو سن کر یہ نہیں کہتا کہ یہ اس کی زبان استعمال نہیں ہو رہی۔

اگر فی الحقیقت خلافت الٰہی کی عام تنفیذ و تقویت کے لیے ازل سے حق تعالیٰ نے علمِ لغت کو ضروری قرار دیا تو آج ہندوستان میں مقامی طور پر اس خلافت کے احیاء کے لیے اردو اور اجتماعی طور پر تکمیل خدمات خلافت کے لیے عربی ایک اہم رکن کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان صورتوں سے توقع ہے کہ اردو کی مقامی اور عربی کی اساسی اور اجتماعی خدمت ملک و ملت کے لیے بہترین نتائج پیدا کرے گی اور یہ ایک تعمیری خدمت ہو گی۔

اردو رائج کرنے کی تدابیر

ملک کی ذمہ دار ہستیاں اردو کی ترویج کو اپنی عملی زندگی کا جزو قرار دیں۔ ہماری تمام اہم تحریریں اردو میں ہونی چاہئیں، ہمارے دستخط اردو میں ہوں، ہمارے خطوط اور ان کے پتے صرف اردو میں ہوں، ہمارے تجارتی بورڈ، چوراہوں کے بورڈ اردو میں ہوں، ہماری عام بول چال اردو میں ہو۔ اردو کی اس لغت کو ہم انگریزی کے مقابلہ میں بھی استعمال کریں۔ ملک کے عام اداروں اور بالخصوص مغربی فنون کی یونیورسٹیوں کو عام و خاص صورتوں میں اردو ہی کو استعمال کرنا چاہیے۔

اردو زبان کے تصنیفی اداروں کو ہم آہنگی کے ساتھ اجتماعی طریق پر اردو کی ترویج و اشاعت کے لیے متحدہ سعی کرنے کی ضرورت ہے۔ جامعہ عثمانیہ دکن نے علوم عصریہ پر، دار المصنفین اعظم گڑھ نے اسلامی تاریخ پر، خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون اور دار العلوم دیوبند نے مذہب، اخلاق معاملات اور اصلاح امت پر، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے وقت کی عام اور معمولی ضرورتوں پر کتابیں لکھ کر پیش کی ہیں۔ حال میں دار العلوم دیوبند کی جماعت ندوۃ المصنفین دہلی نے بھی تصنیف و تراجم کے سلسلہ میں گراں قدر کام کیا ہے، اور انجمن ترقی اردو تو اس راہ میں علم بردار کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس کے ساتھ ان اداروں میں عربی زبان کی ترویج کا کام بھی کسی اعلیٰ پیمانے پر ہونا چاہیے تاکہ عالم اسلامی میں جس کے اکثر ممالک عربی لغت رکھتے ہیں باہمی رابطہ قائم ہو سکے۔

اردو میں انگریزی کا اختلاط

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من كثر سواد قوم فهو منهم ومن رضي عمل قوم كان شريك من عمله، ترجمہ: جو شخص کسی قوم میں گھس کر (مثلاً بواسطہ لغت) اس کی جمعیت میں اضافہ کرے وہ اسی قوم سے ہو جائے گا، اور جو شخص کسی قوم کے عمل سے راضی ہو گیا (مثلاً اردو میں ہندی[2] کے اختلاط اور غلبے سے) وہ اسی قوم کے عمل کا شریک سمجھا جائے گا۔ (کنز العمال ج5 ص6 بحوالہ دیلمی)۔

دوسری جگہ مزید تفصیل کے ساتھ ارشاد ہے: وإذا رضي الرجل عمل الرجل و هديه وسمته فإنه مثله، ترجمہ: جو کوئی شخص کسی شخص کے کام سے یا اس کی کسی خصلت اور عادت سے راضی ہو گیا تو وہ بھی اسی جیسا ہے۔ (کنز العمال ج5 ص6)

اردو تعلیم سے وقت کی بچت

پروفیسر محمد سلیم صاحب لکھتے ہیں:

اگر علوم اور فنون اردو زبان میں پڑھائے جائیں تو تحصیل بھی آسان ہو جائے گی اور وقت بھی کم صرف ہو گا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی کے مطابق اس راہ میں ہر طالب علم کے دو ڈھائی سال رائیگاں جاتے ہیں۔ انسان کو بے ساختگی اور روانی اپنی مادری زبان میں حاصل ہوتی ہے۔ عرب ممالک اور ایران میں اول روز سے عربی اور فارسی تعلیم کی زبان رہی ہے۔ جبکہ 1823ء کے بعد قائم ہونے والے کالجوں میں اردو ذریعۂ تعلیم رہی ہے۔ میڈیکل کالج کلکتہ، انجینئرنگ کالج رڑکی، میڈیکل کالج آگرہ، دہلی کالج (سائنس)، حیوانات کالج پونا... سب میں اردو ذریعہ تعلیم تھی۔ یہ سب 1857 سے قبل تھا اور 1857 کے بعد نزلہ گرا اور [اردو تعلیم کی] تمام درس گاہیں بند کر دی گئیں۔ لوگ برملا کہنے لگے کہ اردو میں علوم و فنون خاص طور پر سائنس کے علوم پڑھائے جانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اصطلاحات کے مترادفات نہیں ملتے ہیں، اور آج تک یہی اعتراض دہرایا جاتا ہے۔

غیر مادری زبان میں تعلیم کا نقصان

غیر مادری زبان کے سیکھنے میں جس قدر محنت اور وقت کا زیاں ہوتا ہے وہ کسی ماہر تعلیم سے مخفی نہیں۔ صلاحیتوں کا بیشتر حصہ انگریزی زبان کے سیکھنے میں صرف ہو جاتا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 63 پر)

---

[2] یہی بات انگریزی کے لیے بھی اسی طرح درست ہے۔ مرابط

مجاہدین اور خصوصاً مجاہدینِ کشمیر کے لیے حصولِ علم کی اہمیت

محمد مقبول

مقبوضہ کشمیر میں 'انصار غزوۃ الہند' سے وابستہ ایک مجاہد فی سبیل اللہ کے قلم سے منہجِ 'شریعت یا شہادت' کو بیان کرتی ایک تحریر

آج سے تین سال قبل جب میرا انصار غزوۃ الہند کے ایک ساتھی ریحان خان رحمہ اللہ (جو کہ اس وقت انصار غزوۃ الہند کے نائب امیر تھے) سے رابطہ ہوا، تو اس سے قبل شریعت یا شہادت کا نعرہ پہلے ہی دل کے اندر نصب ہو چکا تھا۔ جس کی بنیاد پر میں نے انہیں کہا کہ مجھے اپنی صفوں میں شامل کر لیں۔

انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ کیوں آنا چاہتے ہیں۔ نہ ہمارے پاس ہتھیار ہیں، نہ رہنے کی جگہ اور کچھ لوگ بھی ہم سے خفا ہیں۔ تو میں ان دنوں اس منہج سے کچھ زیادہ واقف نہیں تھا، سو میں نے انہیں ایک جواب دیا اپنی لاعلمی کے اعتبار سے، جس کو سن کر وہ خوش ہی ہوئے۔ انہوں نے کہا بھائی آپ اگر آنا چاہتے ہیں تو آپ کو میں کچھ کتابیں بھیجتا ہوں تا کہ آپ ہمارے منہج سے احسن طریقے سے واقف ہو سکیں۔ پھر انہوں نے مجھے کچھ کتابیں بھیجیں اور استاد احمد فاروق رحمہ اللہ کے کچھ بیانات بھیجے جنہیں سن کر میں بہت مائل ہوا۔ پہلے تو میں حیران ہوا کہ مجاہدین بھی علم حاصل کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ پھر جب استاد احمد فاروق رحمہ اللہ کا درس 'علم کی شرعی حیثیت' اور 'علم کی فضیلت' سنے..... تب تک تو اس بارے میں بہت سے دیگر دروس سنے تھے مگر اثر کم کم ہی ہوتا تھا، لیکن جب حضرت استاد احمد فاروق کا درس سنا تو تمام اشکالات رفع ہو گئے۔

پھر میں نے ریحان بھائی ہی کی بھیجی ایک کتاب پڑھنی شروع کی تو دل کے اندر ایک الگ ہی جذبہ موجزن ہوا۔ مدرسے میں جو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ان میں دل ہی نہیں لگتا تھا۔ لیکن جب اس کتاب کو پڑھا تو دل کو بہت سرور و اطمینان ملا۔ پھر ریحان بھائی کی شہادت تک تھوڑی تھوڑی فکری تربیت ہوتی رہی اور اس کے بعد ایک بہت ہی عزیز ساتھی نے میری فکری تربیت کا بیڑا اٹھالیا۔ اللہ ان سے اپنے دین کا زیادہ سے زیادہ کام لیں اور ان کا سایہ تا دیر قائم رکھیں۔

سب سے پہلے جب میری ان سے بات ہوئی میں نے ایک بات کی رٹ لگائی ہوئی تھی کہ مجھے ریحان خان رحمہ اللہ کے ہی دور میں محاذ پر آنا ہے۔ لیکن استاد نے جواب میں کہا کہ فی الحال آپ نے تیاری کرنی ہے، جہاد اور منہج کو بہترین اور احسن طریقے سے سمجھنا ہے، جہاد پر انسان کو بوجھ نہیں بننا چاہیے یعنی آپ نے پوری تیاری گھر میں ہی کرنی ہے، اس کے بعد میدانِ کارزار میں آنا ہے۔ پھر کتابیں پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں جہاں کہیں سے بھی اچھی بات ملے گی ہمیں لینی ہے اور انہوں نے مجھے بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کروایا۔ ایک کتاب دیتے تھے پڑھنے کے لیے، ہر دن جتنا پڑھتا تھا اس کا امتحان لیتے تھے اور کتاب کے اختتام پر پھر سے میرا امتحان ہوتا تھا۔ اس طرح انہوں نے مجھ سے کتابوں کا مطالعہ کروایا اور میری تربیت کی۔ وہ کہتے تھے آپ کو ننانوے فیصد مجاہد گھر میں ہی بننا ہے، یہاں میدان میں آ کر صرف ایک فیصد تیاری کرنی ہے۔

اس طرح وہ میری فکری تربیت کرتے رہے اور کتب کے ذریعے جونہی میری تربیت اختتام پذیر ہوئی انہوں نے مجھ سے سوالات پوچھنے شروع کیے اور کہا کہ اگر آپ کو کسی بھائی کی تربیت کرنی ہو گی تو آپ کس طرح کریں گے؟ آپ ذہن میں یہ بات رکھیں کہ آپ کسی ایسے بھائی کو دعوت دے رہے ہیں، جو کچھ بھی نہیں جانتا، بس اتنا جانتا ہے کہ میں نے جہاد میں جانا ہے، باقی کچھ نہیں۔ میں نے بس شروع کیا جو ذہن میں آیا وہ بول دیا ٹوٹے پھوٹے انداز میں۔ کچھ دیر بعد انہوں نے کہا کہ آپ کے لیے ایک تحفہ ہے اور انہوں نے ذاکر موسیٰ بھائی رحمہ اللہ کا میرے لیے پیغام بھیجا جس میں وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ انہیں بہت خوشی ہوئی کہ میرا رجحان علم حاصل کرنے کی طرف ہے، ان شاء اللہ کچھ وقت بعد ہی ملاقات ہو گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ہی ذاکر موسیٰ رحمہ اللہ کو شہادت عطا فرما دی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تربیت کا سلسلہ جاری تھا اور کتابوں کے بعد بیانات کے ذریعہ سے پھر سے تربیت شروع ہوئی۔ اگرچہ علمی تربیت مکمل ہو چکی تھی لیکن ابھی پوری وضاحت نہیں آئی تھی جو کہ بیانات کے ذریعہ سے لائی گئی۔ ان بیانات کے ذریعہ میری یہ بھی اصلاح ہوئی کہ مجاہد کس طرح کا ہونا چاہیے، مجاہد میں صفات کس طرح کی ہونے چاہییں۔ اس طرح میری تربیت مکمل ہوئی اور اس کے بعد مجھے محاذ پر لایا گیا۔

محاذ پر آ کے اس فکری تربیت کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مجھے کئی جگہ منہجِ شریعت یا شہادت کو بیان کرنے کا موقع ملا۔ ان ساتھیوں سے بات ہوئی جو ہمارے منہج کو سمجھ نہیں پائے تھے اور وہ الحمد للہ سمجھ گئے۔ اگر کسی نے کوئی اعتراض کیا تو الحمد للہ انہیں جواب دیتا رہا، یوں ان کا اعتراض رفع ہو گیا۔ یہ لازمی ہے کہ جب بھی کوئی انسان کوئی نئی بات سنتا ہے جو اس نے پہلے نہ سنی ہو، نہ پڑھی ہو تو اس کو اعتراض ہو ہی جاتا ہے۔

الحمد للہ جب میں نے پہلے پہلے شریعت یا شہادت کا نعرہ سنا تھا تو پہلی مرتبہ سنتے ہی دل کے اندر اس نعرے اور اس دعوت نے گھر کر لیا تھا۔ دل کے اندر یہ نعرہ احسن طریقے سے پیوست ہو گیا تھا، کیونکہ میرے جو اساتذہ تھے، انہوں نے اس وقت یہ کہا کہ جو کام کسی بڑے عالم نے نہیں کیا وہ امیر محترم ذاکر موسیٰ رحمہ اللہ نے کر دکھایا۔

ہر ایک مسلمان کے لیے علم حاصل کرنا ضروری بھی ہے اور فرض بھی کیوں کہ علم سے ہی حق اور باطل کی تمیز سمجھ آتی ہے اور علم ہی جنت اور جہنم کا فرق کراتا ہے۔ علم ہی جنت کا راستہ دکھاتا ہے اور علم پر عمل کرنا ہی جنت کی طرف جاتے راستے پر چلنا ہے۔

اللہ کی صفات میں سے ایک صفت علم ہے۔ اللہ کی ذات ازلی، تو اس کی صفت بھی ازلی۔ اس کا کچھ حصہ اللہ نے مخلوق کو عطا کیا اور اس میں انسان کو برتر رکھا بلکہ بعض حضرات کی تحقیق کے بموجب صفت علم انسان کا خاصہ اور امتیاز ہے۔ لہٰذا علم کو انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا اور علم سے انسان کو متصف کرنے کی غرض عمدہ صفات، حسن اخلاق، اور سیرت اور کردار میں خوبی، اور بہتری پیدا کرنا ہے۔

اللہ رب العزت کی ذات تمام صفاتِ حمیدہ کی جامع ہے اس لیے کہ اس کا علم "علم محیط" ہے، یعنی ہر شے پر احاطہ کیا ہوا۔ اللہ نے اپنی اس صفت کا پر تو انسان میں اسی لیے رکھا تا کہ تخلقوا بأخلاق اللہ والی حدیث پر عمل در آمد ہو سکے اور بندہ اپنے اندر بھی کمال پیدا کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جو برتری اور خصوصیت دی گئی اس کی وجہ بھی تو علم ہے۔ لہٰذا علم کا تقاضہ یہ ہے کہ جتنا علم ہو انسان اتنا ہی با اخلاق ہو اور با عمل ہو۔

حضرت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے "علم وحی" سے نوازا تو ساری انسانیت کے لیے نمونہ ثابت ہوئے۔ حضراتِ صحابہ بھی جب علمِ الٰہی اور علمِ نبوی سے سرشار ہوئے تو ان کی زندگیوں میں عجیب انقلاب برپا ہو گیا اور وہ بھی رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے اسوہ بن گئے۔

معلوم ہوا علم دین اپنے اندر انقلابی تاثیر رکھتا ہے اور آج کے دور میں سب سے زیادہ علم کے مستحق کشمیری مجاہدین ہیں تا کہ ہم بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی طرح سرخرو ہو جائیں اور ہماری زندگیوں میں بھی انقلاب آ جائے۔ ہمارے اوپر جو بحران آیا ہے وہ سب لاعلمی کا ہی نتیجہ ہے کیوں کہ لاعلمی کی وجہ سے ہی ہم رہبر اور رہزن میں فرق نہیں کر پائے اور نہ ہم محسن اور فریبی کے بیچ میں تمیز کر پائے۔

یہی وہ وجہ ہے کہ ہم مجاہدین کو حصول علم کی بار بار تلقین کرتے ہیں۔ ہماری لاعلمی نے اس جہاد کے ثمرات کو ضائع کیا اور فائدہ پہنچنے کے بجائے نقصان ہو گیا۔

علم ہی ہمیں راستہ دکھاتا ہے اور ہماری قدم قدم پر رہنمائی کرتا ہے۔ لاعلمی کی وجہ سے ہم کبھی بھی بھٹک سکتے ہیں، کبھی بھی غلط راستے پر چل سکتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

پیارے بھائیو! بندوق اٹھانا اور میدان کارزار میں آ جانا کافی نہیں ہے۔ حقیقتاً یہ عظیم عبادت ہے لیکن اس کی قبولیت کے لیے کچھ شرائط ہیں۔ ان میں سے ایک شرط صدق ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنے جہاد جیسے عظیم فریضے کو ادا کرنا۔ اگر اس کے مطابق اس عظیم فریضے کو عمل میں نہیں لایا تو عمل باطل ہے اور یہ ثواب کے بجائے الٹا زوال کا باعث بنتا ہے۔ اس عظیم فریضے کو ہم تب ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بجا لا سکتے جب ہمیں صدق کا علم ہو گا۔ جب علم ہی نہیں ہو گا تو یقیناً ہم اس عظیم فریضے کو بجا تو لائیں گے لیکن جو مقصد تھا وہ فوت ہو جائے گا۔ مقصد ربِّ ذوالجلال کی خوشنودی تھی لیکن الٹا اللہ پاک ناراض ہو جائیں گے کیونکہ جو قبولیت کی شرط تھی اس پر ہم پورے ہی نہ اترے جس کی وجہ سے یہ خوشنودی کے برعکس ناراضگی کا باعث بن سکتا ہے۔

یہ ایسی ہی مثال ہے کہ ایک آقا اپنے غلام سے کہے آپ کو یہ زمین کھودنی ہے لیکن آپ اس خاص طرح سے کھدائی کریں گے تو میں خوش ہو کر آپ کو آزاد کر دوں گا۔ اب غلام نے کھدائی تو کی لیکن جس طرح مالک نے کہا تھا اس طرح نہیں کی تو کیا مالک دیکھ کر ناراض ہو گا یا غلام کو آزاد کر دے گا۔ یقیناً مالک غصہ ہو گا، کیونکہ غلام نے اس طریقے کو اختیار نہیں کیا جس کا اس کو امر ہوا تھا۔ یہ کتنی بڑی حماقت کی بات ہے کہ کھدائی بھی کی پھر بھی آزاد نہ ہوا۔

اسی طرح پیارے بھائیو ہمیں اللہ کے راستے میں جان دینی ہی دینی ہے، کیوں نہ اسی طرح دیں جس طرح انہوں نے ہمیں امر کیا ہے۔

مجدد جہاد شیخ عبد اللہ عزام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجاہد اگر علم اور تقویٰ کے بغیر ہتھیار اٹھا لے تو وہ لٹیرا بن جاتا ہے کیونکہ جو چیزیں جہاد و ایمان میں مطلوب و مقصود ہیں کہ جن پر عمل کرنے کے بعد جہاد و ایمان میں کمال آ جاتا ہے اور وہ جن پر جہاد کی اشاعت و حفاظت کا مدار ہے وہ چیزیں دین کے علم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الایمان کے معاً بعد علم سے متعلق احادیث کو جمع فرمایا ہے اور انہی کی پیروی کرتے ہوئے "صاحبِ مشکوٰۃ" علامہ بغوی علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی تالیف "مشکوٰۃ شریف" میں کتاب الایمان کے بعد "کتاب العلم" کو جگہ دی ہے۔

یہ علم کا حاصل کرنا دین میں ایک ایسی عبادت ہے جو دیگر تمام عبادات سے مقدم ہے۔ دیگر عبادات کی تصحیح اسی پر منحصر ہے۔ یہ عبادت بجا لانے والا کامران ہو گا جبکہ اس میں کوتاہی برتنے والا پشیمان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عبادت سرانجام دینے والوں کی تعریف بیان کی اور اس عبادت کی وجہ سے بہت سی مخلوق کو فضیلت بخشی۔ یہ عبادت انسان کو اپنے رب سے ملاتی ہے اور زندگی کے گوشوں کو منوّر کرتی ہے۔

معاملہ معیشت کا ہو یا آخرت کا، انسان کمال اسی وقت ہو گا جب یہ عبادت ادا ہو اور اللہ تعالی کی بندگی کے لیے اس جیسی کوئی عبادت نہیں۔ اسی کے ذریعے معرفت وعبادتِ الٰہی ہو گی، حمد وثنا اور ذکر الٰہی ممکن ہو گا، خالق و مخلوق کے حقوق معلوم ہوں گے، حلال و حرام، حق و باطل، صحیح و غلط، مفید و غیر مفید، اچھے اور برے میں امتیاز کیا جا سکے گا۔ یہ عبادت تنہائی کی ساتھی اور خلوت کی رفیق ہے اور غفلت کے وقت متنبہ کرتی ہے۔

علم حاصل کرنا خود ایک عبادت ہے اسے پھیلانا قربتِ الٰہی، اپنے چاہنے والوں کے لیے زینت اور باعثِ امان ہے، قلب و بصیرت کو منور کرتی ہے، ذہن و ضمیر کو مضبوط بناتی ہے، اسے اپنانے والے اہل زمین کے لیے آسمان کے تاروں کی مانند ہیں۔ چنانچہ انہی سے رہنمائی لی جاتی ہے، یہی عبادت مخلوقات کے لیے باعث حسن و جمال ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 56 پر)

میدان پکارتے ہیں!

قاضی ابو احمد

اللہ رب العزت اپنے جن بندوں کو اپنے دین کی خدمت کے لیے چن لیتا ہے انھیں ایسے اخلاق وعادات، ایسی خوبیوں اور صلاحیتوں سے بھی نوازتا ہے جو اس عظیم کی کام میں ان کی مد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ ان کے عالی اخلاق اور بلند کردار کو دیکھ کر ہی عوام المسلمین ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کی اتباع میں نفاذ شریعت کی راہ میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

یہ اللہ رب العزت کی سنت ہے کہ انسان، خواہ انبیاء علیہم السلام ہی کیوں نہ ہوں، کی دنیوی زندگیوں کو دوام نہیں؛ دنیوی زندگی نے بہر حال ایک دن ختم ہو کر رہنا ہے، اس کا وقت ہر نیک وبد کے لیے معین ہے۔ البتہ انسان کے اقوال اور افعال، اور اس کا کردار ایسی چیز ہے کہ جو باقی رہ جاتی ہے۔ نیکیوں کے، نیک اعمال کے آثار باقی رہ جاتے ہیں، صالح افکار باقی رہ جاتے ہیں اور پیچھے رہ جانے والی خلقت ان سے استفادہ کرتی ہے اور یوں انسان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اس کے اجر میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

برِّصغیر میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریکِ جہاد نے گویا مسلمانوں میں ان کی عظمتِ رفتہ کی گم گشتہ روح واپس پھونکی۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد جب عالمی سطح پر جہاد بالعموم ساقط ہو کر رہ گیا تھا، افغانستان پر روس کے حملے کے بعد افغان قوم نے نہایت جرأت، ثابت قدمی اور ایمانی غیرت کے ساتھ کمیونزم کے بڑھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کیا اور وقت کی سپر پاور کو شکستِ فاش کا مزا چکھایا۔ اسی دور کے اختتام کے قریب شیخ عبد اللہ عزام کی گراں قدر کوششوں سے بالخصوص عربوں اور دیگر نوجوانانِ امت میں عالمی سطح پر نفاذِ شریعت کی خاطر جہاد شروع ہوا۔ شیخ عبد اللہ عزام کو اللہ رب العزت نے جہاں علم و حکمت سے نوازا تھا جس کا ثبوت ان کا بیش بہا علمی ورثہ ہے، وہیں انھیں بہترین اخلاق و کردار اور قائدانہ صلاحیتوں سے بھی مالا مال کر رکھا تھا۔ اللہ رب العزت نے انھیں یہ صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ وہ نا صرف انسانوں کی قدر کرتے تھے بلکہ ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کو اجاگر کر کے انھیں دین کی بہترین خدمت کے قابل بھی بناتے تھے۔ شیخ اسامہ بن لادن رحمت اللہ علیہ کو میادینِ جہاد کی جانب ہجرت کی دعوت دینے والے اور اپنی جان و مال اس راہ میں کھپانے کی تحریض دینے والے بھی وہی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے وجودِ مسعود کو اللہ کے دین کے دشمن زیادہ عرصہ تک برداشت نہ کر سکے اور محض اڑتالیس برس کی عمر میں وہ شہادت کے عظیم مقام سے سرفراز ہو گئے۔

شیخ عبد اللہ عزام شہید نے عہدِ حاضر میں جہاد کی شرعی و فکری بنیادوں کی وضاحت اور صراحت اپنے خطبات، بیانات اور تصانیف میں کی اور شیخ اسامہ بن لادن نے ان کے بعد اس جہاد کی عملی باگ ڈور سنبھالی۔ ان حضرات کی اپنی فکر و منہج بھی بہت واضح تھی اور اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے گزرتے وقت نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آنے دی اور جو جماعت اور افراد ان حضرات نے تیار کیے وہ بھی اپنی فکر و منہج کے لحاظ سے منفرد ہیں۔ اور یہی وہ فکر و منہج ہے جس سے کفار و منافقین کو چڑ ہے، جس سے وہ دراصل خطرہ محسوس کرتے ہیں، جس کے وہ درپے ہیں۔ ایسا اسلام جو کفر کو چیلنج نہ کرے، جو اس کے لیے خطرہ نہ بنے، جو کفر کے لیے موم کی ناک ثابت ہو کہ جہاں چاہے جیسے چاہے اسے موڑ دیا جائے، اسلام نہیں ہے اور اسی لیے کفر کو اس سے کوئی خطرہ بھی محسوس نہیں ہوتا۔ مگر وہ اسلام جسے لے کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، جس اسلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ کر کے دکھایا اور جس اسلام سے ذرہ برابر بھی پرے ہٹنا حضرات خلفائے راشدین نے گوارا نہ کیا، کفار و مشرکین و منافقین پر حد درجہ بھاری ہے۔ وہ اپنی جانیں اپنے اموال اپنی قوتیں اپنی صلاحیتیں اپنی ٹیکنالوجی سب کچھ لگا اور کھپا کر اس ٹمٹماتی ہوئی شمع کو بجھانا چاہتے ہیں، مگر یہ وہ نور ہے جسے اللہ رب العزت بجھنے نہیں دے گا۔ اسی نور نے بڑھ اور پھیل کر پوری دنیا کو روشن کرنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہ نور ہر گھر اور ہر در اور ہر جھونپڑی میں داخل ہو کر رہے گا۔

القاعدہ کی فکر دراصل ایک جماعت کی طرف دعوت نہیں ہے بلکہ یہ عالمی جہاد کی دعوت ہے، یہ عالمی سطح پر شریعت کے نفاذ کی دعوت ہے اور یہ مقامی اور بین الاقوامی طواغیت کی پہچان اور ان کے قلع قمع کی دعوت ہے۔ یہ دنیا میں نافذ باطل جمہوری و شاہی نظام کے بطلان کو واضح کرنے کی دعوت ہے اور ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور انھیں ڈھا کر شریعت کو مقامی و عالمی سطح پر، انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں نافذ کرنے کی دعوت ہے۔ اس دعوت کو لے کر اٹھنے والے کئی قائدین شہید ہو چکے ہیں مگر شہید کے خون میں اللہ نے یہ برکت رکھی ہے کہ ایک ایک شہید کا خون کئی اور مجاہدین کو اٹھا کھڑا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا اللہ رب العزت نے اپنی سنت کو پورا کرتے ہوئے اس دعوت کو کئی اور داعی عطا فرما دیے تاکہ ایک علم بردار اگر گرے تو کئی ہاتھ اس عَلَم کو تھامنے کے لیے پہلے سے تیار ہوں۔ پھر یہ اللہ رب العزت کی نصرت اور شہدا کے خون کی برکت ہی ہے کہ دنیا بھر میں کئی معروف علما نے اس دعوت و فکر کا علانیہ ساتھ دیا اور اس کی حمایت و نصرت کی۔

نتیجتاً وہ دعوت جو افغانستان سے شروع ہوئی تھی، جس سرزمین کی طرف شیخ اسامہ بن لادن ہجرت کر کے تشریف لائے اور جس کی طرف ہجرت کی دعوت انھوں نے نوجوانانِ عرب کو دی، اب وہ دعوت پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ اس دعوت سے متاثر ہونے والوں کی خوبی یہ ہے کہ یہ اللہ کے فضل و کرم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کفر کے سرداروں کو انفرادی کارروائیوں میں قتل کرنے والے صحابہ کرام کی سنت کو آج بھی زندہ کر رہے ہیں اور ان میں کا ایک ایک کئی پر بھاری ہے اور وہ جہاں موقع پاتا ہے کفر کے سرداروں اور ان کے قلعوں اور ان کی سپاہ پر حملہ کرنے سے باز نہیں رہتا۔ (باقی صفحہ نمبر 81 پر)

ایک باشعور صاحبِ ایمان تمام امور میں ہمیشہ چوکس و چوکنا رہتا ہے!

(خطوط از اَرضِ رِباط)

مولانا قاری عبد العزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان و ادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالے ہیں۔ ان کو لکھنے والے القاعدہ برِّصغیر کی لجنۂ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابو حفصہ عبد الحلیم ہیں، جنہیں میادینِ جہاد 'قاری عبد العزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ و بعد

محترم بھائی......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب بفضل اللہ تعالیٰ مع اپنے اہل و عیال، ایمان و صحت کی بہترین نعمتوں سے مالامال ہو رہے ہوں گے۔ میں بھی اللہ کی مہربانی اور آپ حضرات کی نیک دعاؤں سے خیر و عافیت سے ہوں۔ آپ سے میرا رابطہ کافی عرصے سے منقطع ہے اس سے بھی زیادہ قلق یہ ہے کہ جب میں ایک سال پہلے شہر آیا تھا اس وقت بھی آپ لوگوں سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بھی مصلحت سے خالی نہیں ہے، ہو سکتا ہے اسی میں ہمارے لیے خیر کا پہلو موجود ہو۔ یہاں سرزمینِ ہجرت آنے کے بعد دیگر بھائیوں کے ذریعے کئی خطوط ارسال کیے تھے مگر وہ بھی حوادث کی نظر ہو گئے اس لیے وہ خطوط آپ تک پہنچ نہیں سکے۔ اب بفضل اللہ تعالیٰ امید ہو چلی کہ خط پہنچ جائے گا۔

اسیر بھائی کے متعلق بہت متفکر ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں ہمت و حوصلہ دے اور ثابت قدم رکھے۔ میں ان کے لیے دعائیں کرتا رہتا ہوں کہ اللہ ان کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائیں۔ کچھ دن پہلے شہر سے ایک بزرگ تشریف لائے تھے، انہوں نے توقع ظاہر کی کہ بہت جلد خوش خبری سنیں گے ان شاء اللہ مگر ان کی توقع کے برعکس خبر موصول ہوئی جس پر بڑا دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حوصلہ و ہمت عطا فرمائے اور تمام بھائیوں کو دین پر ثابت قدم رکھے آمین! ثم آمین!!

میرے محترم بھائی! یہ راستہ بڑا صبر آزما ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو آزمائش کی بھٹی سے گزار کر ہی انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد (ﷺ) کو آزمائش میں ڈالا اور ان کو ان آزمائشوں سے سرخرو فرما کر پھر انعام و اکرام سے نوازا۔ یہ راستہ ہی ایسا ہے جس پر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ماضی میں بھی طرح طرح سے آزمایا اور آئندہ بھی آزماتا رہے گا اسی آزمائش میں اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں بے حد و حساب انعامات رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف اہلِ ایمان کی آزمائش اور اس کے ذریعے انعامات دینے کا وعدہ فرمایا اور دوسری طرف سرکش لوگوں کو دنیا میں مہلت دے رکھی ہے اور آخرت میں ان کے لیے دائمی عذاب تیار کر رکھا ہے۔ مگر یہ سرکش اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت پا کر انسانیت پر چڑھ دوڑے ہیں اور دنیا میں ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس ظلم و استبداد میں بالخصوص مسلمان ہی پس رہے ہیں۔ شیاطینِ مغرب اور ان کے حواری عدل و انصاف کے نام پر عدل ہی کا خون کر رہے ہیں۔ اِن ننگِ دین لوگوں نے عدل و انصاف کا ایک اور ہی معیار قائم کر رکھا ہے۔ ان کا ایک طرف آزادی و مساوات کا نعرہ ہے، تو دوسری طرف آزاد قوم کو غلام بنانے کی ترکیب کے طور پر آئے دن اس پر شب خون مارتے ہیں۔ اس بے انصافی اور دجل و فریب کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کو شدت پسند اور دہشت گرد کہہ کر مطعون کیا جاتا ہے اور ان کے لیے کہیں عقوبت خانے، ٹارچر سیل تو کہیں جیل کی سلاخیں سجائی جاتی ہیں۔ دنیا بھر میں اب تک اسّی ہزار کے قریب فرزندانِ توحید پابندِ سلاسل ہیں اور ہزاروں لاکھوں کو شہید کیا جا چکا ہے اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ شیاطینِ مغرب اور ان کے حواری اس طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر کے توحید کے حقیقی داعیوں کو دبانا چاہتے ہیں اور کمزور ایمان والوں کے اندر خوف و ہراس پھیلانا چاہتے ہیں تاکہ اسلام کا دیا گل کیا جا سکے جبکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا یہ ہے کہ:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝(سورۃ الصف:۸)

''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔''

شیاطین نے کفّار اور ان کے ساتھیوں کے اعمال کو خوش نما بنا کر ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ یہ دجّالی قوتیں اپنے شیطانی حربے استعمال کر کے یہ سمجھتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بازی لے جائیں گی، یہ ان کی بھول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور متّبعینِ توحید کو تسلّی دیتے ہوئے قرآنِ پاک میں بارہا فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس سے بازی لے جا سکتے ہیں۔ سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ۝(سورۃ الانفال:۵۹)

''اور کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں، وہ (اپنی چالوں سے ہمیں) ہرگز عاجز نہیں کر سکتے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَن يَسْبِقُونَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ○(سورۃ العنکبوت:۴)

"کیا وہ لوگ جو بُرے کام کرتے ہیں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے؟ جو یہ خیال کرتے ہیں بُرا ہے۔"

ہاں اہلِ ایمان کے لیے تو یہ دنیا قید خانہ ہی ہے اور کافروں کے لیے یہ دنیا باغ و بہار ہے:

"اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ." (الحدیث)

"دنیا اہل ایمان کے لیے قید خانہ ہے اور کافروں کے لیے باغ و بہار ہے۔"

بالآخر کفّار و مشرکین اور منافقین و مرتدین سب ہی کو یومِ حساب کے لیے اِکٹھا کیا جائے گا۔ ربِّ کائنات کا اعلان ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ○(سورۃ الانفال:۳۶)

"اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں جہنم کی طرف جمع کیا جائے گا۔"

منافقین تو جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (سورۃ النساء:۱۴۵)

"بلاشبہ منافقین آگ کے نچلے طبقے میں ہوں گے۔"

اور جن لوگوں نے دین سے ارتداد کیا یعنی دین سے پھر گئے ان کا حشر دنیا و آخرت میں بہت ہی بھیانک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○(سورۃ البقرۃ:۲۱۷)

"اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر کر (کافر ہو) جائے گا اور کافر ہی مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

محترم بھائی! آج مغربی تعلیم و تہذیب نے دنیائے انسانیت پر جو اثرات چھوڑے ہیں وہ ناقابلِ بیان ہیں۔ اس تعلیم اور ننگی تہذیب نے مسلمانوں کو بھی اپنے دین سے بے گانہ کر کے رکھ دیا ہے اور خصوصاً نام نہاد دانش وروں کی عقل پر تو پانی ہی پھیر دیا۔ انہیں مغرب کی ہم نوائی کے علاوہ کوئی اور چیز سوجھتی ہی نہیں۔ اس تعلیم نے جس تہذیب کو جنم دیا ہے اس نے مسلم معاشرے میں ایک فرد کے لیے ایمان کے ساتھ اور ایمان بچا کر چلنا دوبھر کر دیا اس لیے با شعور اہلِ ایمان ہمیشہ چوکس و چوکنّا رہتا ہے اور اُسے اِسی طرح چوکس و چوکنّا ہی رہنا چاہیے، اس کے سوا اس کے لیے کوئی اور چارہ ہی نہیں۔ اس دجّالی تعلیم و تہذیب نے کوئی ایک شعبہ بھی نہیں چھوڑا جس میں ایک مسلمان اطمینان کا سانس لے اور اپنا ایمان بچا کر زندگی گزارے۔ یہ باتیں تو آپ بخوبی جانتے ہی ہیں پھر بھی تذکیر کے لیے لکھ رہا ہوں کہ

؎ شاید کہ تیرے دل میں اُتر جائے میری بات

اور حکمِ خداوندی بھی یہی ہے کہ

فَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ○(سورۃ الذاریات:۵۵)

"اے نبی (ﷺ)! یاد دہانی کیجیے پس یاد دہانی اہلِ ایمان کو فائدہ دیتی ہے۔"

ہمیں ہر معاملہ میں دنیاوی لوگوں سے ہٹ کر سوچنا ہوگا، خواہ وہ معاملہ بچوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق ہو یا کسی اور سے متعلق۔ ورنہ ہمیں اندیشہ یہ ہے کہ ہم کہیں دنیا میں خوش حال ہونے کے چکر میں آخرت گنوا نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُس دن کی تمام رسوائی سے محفوظ فرمائے۔ آمین! ثم آمین!!

جب میں اپنے بارے میں سوچتا ہوں کہ ساری زندگی دجالی ماحول میں، اس کے اثرات سے متاثر ہو کر مغربی تعلیم و تعلّم میں گزار دی اور آج عمر کی اس اسٹیج پر پہنچ گیا ہوں، تب مجھے سمجھ آئی کہ تعلیم و تعلّم شریعت کے تقاضے کے مطابق کیا ہے؟ مگر مجھے صد افسوس! جب اللہ تعالیٰ کی راہ مجھ سے کچھ تقاضے کرتی ہے تو اُسے پورا کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتا ہوں، نہ اب مجھ میں شریعت کے نظریاتی پہلو اُجاگر کرنے کی سکت ہے اور نہ ہی اس کے عملی پہلو میں حصہ لینے کی ہمت ہے۔ سوائے شباب اور پچھلے دنوں میں جو کچھ کمی کوتاہی مجھ سے ہو گئی ہے اُسے یاد کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں شاید کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں وہ تو الغفور الرحیم ہے، اور تمنّا کرتا ہوں کہ لَيْتَ الشَّبَابُ يَعُوْدُ، کاش جوانی لوٹ آتی مگر آگے سے عرب شاعر جواب دیتا ہے: لَيْسَ الشَّبَابُ قَطُّ يَعُوْدُ "جوانی کبھی (دوبارہ) لوٹ کر آنے والی نہیں!"۔

قرآنِ کریم بھی یہی جواب دیتا ہے:

وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ ○ وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ..... (سورۃ المنافقون)

"اور ہم نے جو کچھ (رزق) تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اور پھر کہے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا؟ حالانکہ جب کسی شخص کی مدت پوری ہونے کا وقت قریب آجاتا ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا۔"

آپ خود ہی سوچیے کہ اس تعلیم کا کیا فائدہ جس میں بیس پچیس سال لگائے گئے؟ پھر جب حالات یہ ہوں کہ گھر میں آگ لگ گئی ہو یا ڈاکو گھس آیا ہو اور ہر گھر کا مالک اپنے لاڈلے کو یہ کہے کہ 'بچے! گھر کے پچھلے دروازے سے نکل جاؤ اور آگ بجھانے یا ڈاکو کو پکڑنے کی ترکیب سیکھ آؤ' تو ایسے ناعاقبت اندیش لوگوں کو کیا کہا جائے گا؟ جہاں تک گھر کی آگ بجھانے یا گھر میں گھسا ہوا ڈاکو پکڑنے کا تعلق ہے، وہ آگ کیا بجھائے گا یا ڈاکو کیا پکڑے گا؟ (باقی صفحہ نمبر 27 پر)

جمہوریت سے متعلق اکابر علمائے حق کے منتخب اقوال

انتخاب: محمد مقبول

آیئے دیکھتے ہیں کہ جمہوریت کے بارے میں اسلافِ امت اور اکابرینِ ملت کیا فرماتے ہیں۔ یہ اقوال ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں اور یہ ان لوگوں کے اقوال ہیں جو ہم سے زیادہ اس دین کی سمجھ رکھنے والے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ "حجت اللہ البالغہ" کے باب "سیاست المدینہ" میں فرماتے ہیں:

"جبکہ شہر انسانوں کے بڑے ہجوم کا نام ہے، سو ان سب کی رائے کا سنت کی حفاظت پر متفق ہو جانا ممکن ہے۔"

معلوم ہوا کہ جمہوری نظام جو اکثریت کی موافقت کا محتاج ہوتا ہے اس میں اسلام و مسلمانوں کی کامیابی ثابت کرنا دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"غرض اسلام میں جمہوری سلطنت کوئی چیز نہیں ...... یہ مخترعہ متعارفہ جمہوریت محض گھڑا ہوا ڈھکوسلہ ہے، بالخصوص ایسی جمہوری سلطنت جو مسلم و کافر ارکان سے مرکب ہو وہ تو غیر مسلم سلطنت ہی ہو گی۔"[1]

مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مزدور اور عوام کی حکومت ہے، ایسی حکومت بلاشبہ حکومت کافرہ ہے۔" بحوالہ: عقائد الاسلام ص ۲۳۰

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اسلامی جمہوریت کے تصور کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جمہوریت اور جمہوری عمل کا اسلام سے کیا تعلق اور خلافتِ اسلامی سے کیا تعلق؟ موجودہ جمہوریت تو سترہویں صدی کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ یونان کی جمہوریت بھی موجودہ جمہوریت سے الگ تھی، لہٰذا اسلامی جمہوریت ایک بے معنی اصطلاح ہے...... ہمیں تو اسلام میں کہیں بھی مغربی جمہوریت نظر نہیں آئی اور اسلامی جمہوریت تو کوئی چیز ہے ہی نہیں ...... جمہوریت ایک خاص تہذیب و تاریخ کا ثمرہ ہے، اسے اسلامی تاریخ میں ڈھونڈنا معذرت خواہی ہے۔" بحوالہ: ماہنامہ سنابل کراچی مئی ۲۰۱۳ جلد نمبر ۸ شمارہ نمبر ۱۱ ص ۲۷، ۲۸

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ (جمہوریت) رب تعالیٰ کی صفت ملکیت میں بھی شرک ہے اور صفت علم میں بھی شرک ہے۔" بحوالہ: فطری حکومت از قاری محمد طیب رحمہ اللہ

فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"یہ تمام برگ و بار مغربی جمہوریت کے شجرۂ خبیثہ کی پیداوار ہے۔ اسلام میں اس کافرانہ نظام کی کوئی گنجائش نہیں۔" بحوالہ: احسن الفتاوی؛ جلد ۲ ص ۲۶

شہیدِ اسلام حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"جمہوریت کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظریے کی ضد ہے۔" بحوالہ: آپ کے مسائل اور ان کا حل؛ جلد ۸، ص ۲۶

مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں یہ مسئلہ بھی موجود ہے:

سوال: "حرام کو قصداً حلال کہنا بلکہ اسلامی کہنا کہاں تک لے جاتا ہے؟ میں آپ کی توجہ مئی ۱۹۹۱ء میں ہماری قومی اسمبلی کے منظور شدہ شریعت بل کی شق ۳ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ شریعت، یعنی اسلام کے احکامات، جو قرآن و سنت میں بیان کیے گئے ہیں، پاکستان کا بالادست قانون ہوں گے، بشرطیکہ سیاسی نظام اور حکومت کی موجودہ شکل متاثر نہ ہو۔ یعنی ملک کے سیاسی نظام اور حکومت کی موجودہ شکل کے متاثر ہونے کی صورت میں قرآن اور حدیث کو رد کر دیا جائے گا، نہیں مانا جائے گا۔ سیاسی نظام اور حکومتی شکل کے سلسلے میں سپریم لاء آئین ۱۹۷۳ ہی ہو گا۔

مولانا صاحب! اس بل کا بنانے والا، اس کے منظور کرنے والے، اس کو ملک میں رائج کرنے والے اور ان تمام حضرات کی معاونت کرنے والے علمائے کرام کس زمرے میں آئیں گے؟"

جواب: "ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ بغیر شرط اور بغیر استثنا کے اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام کو دل و جان سے تسلیم کرے۔ یہ کہنا کہ: 'میں قرآن و سنت کو بالادست مانتا ہوں بشرطیکہ میری فلاں دنیوی غرض متاثر نہ ہو'، ایمان نہیں بلکہ کٹر نفاق ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا

[1] ملفوظات تھانوی ص ۲۵۲ نیز دیکھیے احسن الفتاوی، کتاب الجہاد، باب سیاست اسلامیہ

بندہ ہونے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے سے صریح انکار و انحراف ہے۔"

شیخ الحدیث والتفسیر مفتی حمید اللہ جان صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ اپنے ایک نہایت اہم فتوے میں فرماتے ہیں:

"مشاہدے اور تجربے سے ثابت ہے کہ موجودہ مغربی جمہوری نظام ہی بے دینی بے حیائی اور تمام فسادات کی جڑ ہے اور خصوصاً اس میں اسمبلیوں کو حق تشریع (آئین سازی، قانون سازی کا حق) دینا سراسر کتاب وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہے......اور ووٹ کا استعمال مغربی جمہوری نظام کو عملاً تسلیم کرنا اور اس کی تمام خرابیوں میں حصہ دار بننا ہے، اس لیے موجودہ مغربی جمہوری نظام کے تحت ووٹ کا استعمال شرعاً ناجائز ہے۔"بحوالہ: ماہنامہ سنابل، کراچی، مئی ۲۰۱۳ جلد نمبر ۸، شمارہ نمبر ۱۱، ص ۳۲

مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اگر کسی ایک قبر (والے) کو مشکل کشا ماننا شرک ہے تو کسی اور نظام ریاست، امپریل ازم، ڈیموکریسی، کمیونزم، کیپٹل ازم اور تمام باطل نظام ہائے ریاست کو ماننا کیسے اسلام ہو سکتا ہے؟......قبر کو سجدہ کرنے والا مشرک، پتھر لکڑی اور درخت کو مشکل کشا ماننے والا، حاجت روا ماننے والا مشرک، اور غیر اللہ کے نظاموں کو مرتب کرنا اور اس کے لیے تگ و دو کرنا اور اس نظام کو قبول کرنا، یہ توحید ہے؟

کہاں ہے جمہوریت اسلام میں؟ نہ ووٹ ہے، نہ مفاہمت ہے، نہ ان کا وجود برداشت ہے نہ ان کی تہذیب برداشت ہے......اسلام آپ سے اطاعت مانگتا ہے آپ سے ووٹ نہیں مانگتا، آپ کی رائے نہیں مانگتا من يطع الرسول فقد اطاع الله!"(خطاب بموقع توحید وسنت کانفرنس، ۲۶ ستمبر ۱۹۸۷ء، جامع مسجد برمنگھم برطانیہ، بحوالہ ماہنامہ سنابل کراچی)

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسلام میں جمہوریت کوئی چیز نہیں کہ جدھر زیادہ ووٹ ہو جائیں ادھر ہی ہو جاؤ، بلکہ اسلام کا کمال یہ ہے کہ ساری دنیا ایک طرف ہو جائے لیکن مسلمان اللہ ہی کا رہتا ہے......

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کی پہاڑی پر نبوت کا اعلان کیا تھا تو الیکشن اور ووٹوں کے اعتبار سے کوئی بھی نبی کے ساتھ نہیں تھا۔ نبی کے پاس صرف اپنا ووٹ تھا، لیکن کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغام کے اعلان سے باز آگئے کہ جمہوریت چونکہ میرے خلاف ہے، اکثریت کی ووٹنگ میرے خلاف ہے اس لیے میں اعلان نبوت سے باز رہتا ہوں؟"(خزائن معرفت و محبت، صفحہ ۲۰۹)

مفتیٔ اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

سوال: "کیا ہمارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہوریت کو قائم کیا تھا اور کیا خلفائے اربعہ بھی اسی پر چلے یا انہوں نے کچھ تغیّر و تبدّل کیا ہے؟"

الجواب حامداً و مصلیا: "حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جمہوریت کی تردید فرمائی ہے۔ وہاں قوانین واحکام کا دارومدار دلائل پر نہیں بلکہ اکثریت پر ہے، یعنی کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا ہے۔ پس اگر کثرتِ رائے قرآن و حدیث کے خلاف ہو تو اسی پر فیصلہ ہوگا۔ قرآن کریم نے اکثریت کی اطاعت کو موجب ضلالت فرمایا۔ (وان تطع اكثر من في الارض يضلوك عن سبيل الله الآية) اہل علم اہل دیانت اہل فہم کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے تھے، انہوں نے اس کے خلاف کوئی دوسری راہ اختیار نہیں کی ہے۔"

(فتاوی محمودیہ، جلد چہارم، کتاب السیاسۃ والہجرۃ؛ باب جمہوری وسیاسی تنظیموں کا بیان)

استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان نوّر اللہ مرقدہٗ سے پوچھا گیا کہ:

"کیا انتخابی سیاسی نظام یا جمہوری نظم کے تحت اسلامی نظام کا نفاذ ممکن ہے؟"

تو آپ نے فرمایا:

"نہیں ایسا ممکن نہیں ہے۔ نہ انتخابات کے ذریعے اسلام لایا جاسکتا ہے، نہ جمہوریت کے ذریعے اسلام لایا جاسکتا ہے۔ جمہوریت میں کثرت رائے کا اعتبار ہوتا ہے اور اکثریت جہلا کی ہے جو دین کی اہمیت سے واقف نہیں۔ ان سے کوئی توقع نہیں ہے۔"(ماہنامہ سنابل، کراچی، مئی ۲۰۱۳، جلد نمبر ۸ شمارہ نمبر ۱۱)

حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین ووٹ کے ذریعے سے، مغربی جمہوریت کے ذریعے سے غالب نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس دنیا کے اندر اللہ کے دشمنوں کی اکثریت ہے، فساق وفجار کی اکثریت ہے اور جمہوریت جو ہے وہ بندوں کو گننے کا نام ہے تولنے کا نہیں......دنیا میں جب بھی اسلام غالب ہوگا تو اس کا واحد راستہ وہی ہے جو راستہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا اور وہ جہاد کا راستہ ہے۔"(ماہنامہ سنابل کراچی مئی ۲۰۱۳، جلد نمبر ۸ شمارہ نمبر ۱۱ ص ۳۳، ۳۴)

کابل ادارہ جنگ ہار چکا ہے!

جلال الدین حسن یوسف زئی

۵ رجب ۱۴۴۱ھ کو اٹھارہ سال پر محیط جہادی معرکوں کے بعد امارت اسلامیہ افغانستان اور امریکہ کے مابین وہ تاریخی معاہدہ طے پایا جس میں اُمتِ مسلمہ اور اس کے مجاہد بیٹے فاتح بن کر اُبھرے اور امریکہ اور اس کے اتحادی ماضی کے صلیبیوں کی مانند ناکام و نامراد ہوئے، وللہ الحمد!

اس تاریخی معاہدے کے بعد افغانستان و دنیا بھر میں اہلِ ایمان نے خوشیاں منائیں اور اس مبارک دن کو فتح کے دن سے تعبیر کیا گیا۔ عالی قدر امیر لمومنین شیخ ہبۃ اللہ اخوندزادہ حفظہ اللہ نے فتح مبین کے موقع پر اپنے بیان میں فرمایا:

> "امریکیوں کے ساتھ جنگ کے خاتمے کا معاہدہ، جس کے نتیجے میں ہماری عوام نے جنگ سے نجات پائی ہے؛ ایک عظیم فتح، اللہ تعالیٰ کا احسان، نصرت اور بڑا انعام ہے۔ لہٰذا ہم اس کامیابی کو کسی اور کا کمال نہ سمجھیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور مجاہد عوام کی قربانیوں کا حاصل ہے۔
>
> امارت اسلامیہ کے کسی بھی مسئول، فرد اور شہری کو اجازت نہیں کہ ان معاہدات کے خلاف کوئی عمل کرے۔ سب لوگ اس حوالے سے اپنے آپ کو مکلف جانیں کیونکہ اسلام میں فریب اور غدر کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ بڑے گناہ کی بات ہے۔ البتہ اگر مقابل کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی ہو تو سب عوام پر لازم ہے کہ ماضی کی طرح مقابلے کے لیے تیار رہیں!"

اس مبارک فرمان کے بعد امارت اسلامیہ افغانستان کے مجاہدین اپنے وعدوں پر قائم و دائم ہیں۔ امارت اسلامیہ افغانستان کے مجاہدین نے اپنی پوری توجہ افغان حکومت[1] کی طرف مبذول کر دی۔

امریکہ کے افغانستان پر حملے سے قبل افغانستان میں ایک اسلامی نظام قائم تھا۔ لیکن امریکی حملے کے بعد افغانستان پر ظلم اور فساد سے بھرا ایک ایسا نظام مسلط کیا گیا جس میں حکومت کی باگ ڈور امریکہ کے نمک خواروں اور امریکہ نوازوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ ایسے وقت میں جب امریکہ امارت اسلامیہ افغانستان پر حملہ آور ہوا اور امارت کے اصل دشمن غیر ملکی افواج تھیں اور اس میں بھی سرِ فہرست امریکہ؛ جس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگین ہیں...... کابل ادارہ (افغان حکومت) اول دن سے اپنے آپ کو امارت اسلامیہ کے مقابل حریف سمجھتا ہے اور یہ دکھانا چاہتا ہے کہ حکومت کے معاملے میں تمام فیصلوں کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن ان اٹھارہ سال میں عموماً اور امریکہ کے خلاف اس جنگ کے اختتام پر خصوصاً یہ بات واضح طور پر سامنے آ گئی کہ اصلاً حکومت کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ یہ حکومت صدر اور وزیروں کے انتخاب سے لے کر حکومت میں ادنیٰ تبدیلیوں کے لیے بھی امریکہ کی تائید کی محتاج رہتی ہے۔ کابل ادارے کی اسی حالت کو دیکھتے ہوئے امارت اسلامیہ افغانستان ہمیشہ اس بات پر قائم رہی ہے کہ محض ان کے ساتھ ملک کے مستقبل کے حوالے سے مذاکرات کرنا وقت کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں اور امریکہ کو اصل حریف جان کر ان کے ساتھ مذاکرات مسئلے کا اصل حل ہے۔

کابل ادارے کی حیثیت، امارت اسلامیہ اور امریکہ کے مابین مذاکرات کے دوران اور بھی واضح ہو کر سامنے آ گئی۔ مذاکرات کے دوران اس حکومت نے جو بیان بھی دیا اور بعد میں امریکہ نے اس بیان پر ناراضگی کا اظہار کیا تو انہیں اپنے مالک کی خوشی کے لیے اپنی بات واپس لینا پڑی۔ مثال کے طور پر اشرف غنی ہمیشہ اس بات پر اڑا رہا کے بگرام میں امارت اسلامیہ کے ایک اہم ذمہ دار انس حقانی کی رہائی کا اختیار میری حکومت کے ہاتھ میں ہے، لیکن ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ امریکہ نے اس حکومت کے جھوٹے نعروں کو کوئی توجہ نہیں دی اور اپنے فائدے اور حالات کے تناظر کو دیکھتے ہوئے ان کی رہائی کا قدم اُٹھایا۔ افغان حکومت اور اس کا صدر اشرف غنی اپنی بات پر قائم نہ رہ سکا کیونکہ اس میں اتنی جرأت نہیں کہ امریکہ کی مخالفت کر سکے۔ اس موقع پر جب حکومت کے ایک بڑے عہدہ دار نے مخالفت کی تو اس کو امریکیوں کے ساتھ ملاقات سے محروم رکھا گیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ غلام کا اختیار اس کے مالک کے ہاتھ میں ہوتا ہے، تو کابل حکومت کا اختیار بھی اس کے مالک امریکہ کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا افغان عوام اس غلام حکومت کو کبھی بھی اپنا نمائندہ نہیں سمجھتی اور اس حکومت کو جڑ سے اکھاڑ کر ایک اسلامی نظام کا قیام اپنا فریضہ سمجھتی ہے۔

جب امارت اسلامیہ افغانستان کے مجاہدین نے معاہدے کے بعد افغان حکومت کے خلاف کارروائیاں تیز کر دیں تو امریکہ اپنی ناکامی کو چھپانے کی خاطر معاہدے کی اہم شقوں کو بالائے طاق رکھ کر ظلم پر اتر آیا اور امارت اسلامیہ افغانستان کے مجاہدین پر بد عہدی کا جھوٹا الزام لگا کر

[1] اشرف غنی کی حکومت، حکومت نہیں بلکہ اس کی زیادہ سے زیادہ حیثیت ایک ادارے جیسی ہے جس کا اثر و رسوخ کابل میں بھی کلیتاً نہیں، لہٰذا مضمون میں جہاں کہیں بھی کابل ادارے کا ذکر آئے گا تو اس سے مراد اشرف غنی کی کٹھ پتلی حکومت ہے۔

خود معاہدے کی خلاف ورزیاں شروع کر دیں۔ قندھار، ہلمند اور ارزگان سمیت افغانستان کے کئی صوبوں میں رات کے چھاپے مارے گئے۔ افغان عوام کے گھروں، جنازوں اور بازاروں پر بمباریاں کر کے ان کو مالی و جانی نقصان دیا گیا۔ بھلا ان یہود و نصاریٰ کے جھوٹے وعدوں پر ایک مومن کیسے یقین کر سکتا جب اس کے رب نے اپنی کتاب میں واضح طور پر بیان فرمایا:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○(سورۃ التوبہ:۱۲)

”اور اگر عہد کرنے کے بعد یہ پھر اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر حملے کرنے شروع کر دیں تو کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ شاید کہ (پھر تلوار ہی کے زور سے) وہ باز آئیں گے۔“

اپنے مظلوم مسلمان عوام پر امریکہ کے ہاتھوں ظلم و ستم کو دیکھتے ہوئے امارت اسلامیہ افغانستان کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے اپنے بیان میں کہا کہ اگر امریکی حملوں کا اسی طرح سلسلہ جاری رہا، تو پھر ہم بھی اپنے عوام کے دفاع کی خاطر میدان میں اتریں گے۔ اس بیان کے کچھ ہی دن بعد بگرام ائیر بیس پر راکٹ حملے ہوئے[1]۔ ان حملوں کو دیکھتے ہوئے افغانستان میں امریکی افواج کا چیف جنرل سکاٹ ملر حواس باختہ ہو کر قطر پہنچا اور امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کے مسئول اور امیر المومنین کے نائب برائے امورِ سیاسی ملا عبد الغنی برادر سے ملاقات کی۔ امارت کے سیاسی دفتر کے ترجمان سہیل شاہین نے ملاقات ختم ہونے کے بعد میڈیا کو بتایا کہ سکاٹ ملر کے ساتھ امریکہ کی طرف سے حالیہ معاہدے کی خلاف ورزیوں اور جنگ میں کمی کے موضوعات پر بات ہوئی۔

پھر کچھ ہی عرصہ بعد جنرل سکاٹ ملر نے یہ بیان دیا کہ طالبان نے افغان حکومت پر حملوں میں تیزی لائی ہے اور اگر حملوں میں شدت اسی طرح جاری رہی تو ہم جوابی کارروائی کریں گے۔

امریکی جرنیلوں کا اپنے شکست خوردہ اتحادیوں کو جھوٹا حوصلہ دینا بلاشبہ ایک مجبوری ہے۔ لیکن اس طرح کے بیانات جس مقصد کے لیے بھی ہوں اس سے افغانستان کا مسئلہ حل نہیں ہونا بلکہ یہ بیانات آگ پر تیل ڈالنے کے مترادف ہیں۔ امریکی جرنیلوں کو چاہیے کہ اپنے شکست خوردہ اتحادیوں کے دفاع کی خاطر، امارت اسلامیہ کے ساتھ معاہدے کی تطبیق کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں۔ امارت اسلامیہ افغانستان یہ جانتی ہے کہ امریکیوں نے دوحہ کے معاہدے کی بار بار خلاف ورزیاں کی ہیں؛ بمباریاں، چھاپے اور میزائل حملے کیے ہیں اور قیدیوں کو رہا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ معاہدے اور صلح کے دوران دھمکی آمیز زبان استعمال کرنا امریکہ کے فائدے میں نہیں۔ امارت اسلامیہ افغانستان کے مجاہدین شریعتِ مطہرہ کے تحت معاہدے کی پاسداری کرتے ہوئے، بدعہدی سے اپنے آپ کو بچا رہے ہیں، لیکن وہ کسی کی دھمکیوں سے ڈرنے والے نہیں، اگر امریکہ کی دھمکیوں سے ڈرتے تو انیس سال اپنے جسموں کے ساتھ بارود باندھ کر میدان میں نہ اترتے، گوانتاموبے، بگرام اور پل چرخی میں اپنے نظریے پر نہ ڈٹتے۔ امارت اسلامیہ افغانستان کبھی بھی افغان حکومت کے ساتھ جنگ بندی اور جنگ میں کمی پر راضی نہیں ہوئی۔ دوحہ کے معاہدے میں ہر ایک چیز واضح طور پر لکھی ہوئی موجود ہے، اگر امریکہ اس کی تعمیل کرتا تو یہ دو مہینوں سے جاری جنگ بھی رک جاتی۔

کابل ادارے کے سربراہ اشرف غنی نے چند دن پہلے ایک ویڈیو پیغام میں اعلان کیا کہ اس کی افواج امارت اسلامیہ افغانستان کے مجاہدین کے خلاف دفاعی حالت کو ترک کر کے اقدامی حملوں کا آغاز کریں گی۔ اشرف غنی نے یہ اعلان ایسے موقع پر کیا کہ صوبۂ کابل، ننگرہار اور بلخ میں تین ایسے خونریز حملے عوامی جگہوں پر کیے گئے جس کا مجاہدین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ صوبہ ننگرہار کے ضلع خیوا میں ایک جنازے پر قاتل گروہ داعش کے ہاتھوں خونریز دھماکے، صوبہ بلخ کے ضلع بلخ میں ایک قومی اجتماع پر دشمن کی طرف سے فضائی بمباری اور کابل کے علاقے دشت برچی میں ریڈ کراس کے ہسپتال میں سیکورٹی فورسز کے لباس میں ملبوس داعشیوں کا حملہ، ان سب حملوں میں تقریباً سو بے گناہ عوام لقمۂ اجل بنے۔

اشرف غنی نے ننگرہار اور کابل میں خوں خوار گروہ داعش کے اُن حملوں کے بعد امارت اسلامیہ سے انتقام لینے کا اعلان کیا جو حملے خود افغان حکومت کی استخبارات کی ہدایات پر داعش نے سر انجام دیے تھے۔ لیکن اصل میں اس اعلان کی حقیقت یہ ہے کہ اشرف غنی امارت اسلامیہ کی ان جہادی ضربوں سے حواس باختہ ہے جو ضربیں پچھلے عرصے میں اس کی حکومت پر لگی ہیں۔

کچھ دن قبل صوبۂ لغمان میں مجاہدین کے زیرِ قبضہ علاقے ضلع علی شنگ میں نئے مورچے اور فوجی کیمپ بنانے کی غرض سے فوجی قافلہ آیا۔ مجاہدین نے قافلے کا راستہ روک کر شدید حملے کیے، جس کے نتیجے میں پچپن (۵۵) فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے۔

اس کارروائی سے پانچ دن قبل صوبہ بلخ کے ضلع چمتال کے علاقے آسیاخان میں مجاہدین نے ملی فوج کے ایک اہم دفاعی مرکز کا محاصرہ کیا۔ طویل محاصرے کے بعد یہ مرکز مجاہدین کے ہاتھوں فتح ہوا اور فوجیوں نے بھاگنے میں اپنی عافیت جانی۔ دوسری طرف صوبۂ فراہ کا سابقہ سیکورٹی چیف جنرل عبد الجلیل بختاور مجاہدین کو تسلیم ہو گیا۔ اسی طرح صوبۂ خوست کے لیے کابل ادارے کا وفادار جنگ جو اور سیکورٹی چیف بابازئی مجاہدین کے مائن حملے میں اپنے محافظین سمیت قتل ہوا۔ انہی مبارک کارروائیوں سے خوف زدہ ہو کر اشرف غنی نے ماضی کی مانند اپنے ناکام تجربے کو پھر دہراتے ہوئے امارت اسلامیہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور جنگ کے اعلان کے ساتھ مجاہدین سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ وہ جنگ کو روک دیں۔

[1] اگرچہ ان حملوں کی ذمہ داری امارت اسلامیہ نے قبول نہیں کی۔

امارت اسلامیہ نے بار بار اپنے موقف کو واضح کیا ہے کہ جنگ کا خاتمہ اور اسلامی نظام کا قیام ہمارا اساسی ہدف ہے۔ اسی کی خاطر غیر ملکی افواج کے ساتھ ان کے انخلا کا معاہدہ کیا گیا۔ چھ ہزار قیدیوں کی رہائی کے بعد فوراً بین الافغانی مذاکرات کے آغاز کا وعدہ کیا گیا جس میں جنگ بندی سمیت باقی اہم موضوعات پر بحث ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال نئی عسکری عملیات کا اعلان بھی نہیں ہوا۔ معاہدے کے بعد کسی بھی بڑے یا چھوٹے شہر میں کوئی بڑا حملہ بھی نہیں کیا گیا سوائے اُن علاقوں میں جہاں کابل حکومت کے اہل کار مجاہدین کے علاقوں میں کارروائی کی غرض سے آئے ہوں، جس طرح کا واقعہ کچھ دن پہلے صوبۂ لغمان میں پیش آیا۔

اشرف غنی کے اعلانِ جنگ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کابل ادارہ صلح اور غیر ملکی افواج کے انخلا میں اپنی خیر نہیں دیکھتا بلکہ جنگ میں اپنا فائدہ دیکھتا ہے، یعنی جنگ ہو گی، امریکہ ہو گا تو اشرف غنی کی حکومت چل پائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ داعش نامی باغی گروہ پورے ملک سے اکٹھا ہو کر دشمن کے استخباراتی مراکز میں حکومت کو تسلیم ہونے کے بعد جمع ہو چکا ہے، جس سے فائدہ اُٹھا کر کابل حکومت کے استخباراتی ادارے عوامی مقامات پر خونریز حملے کر کے حالات کی خرابی اور صلح میں رکاوٹ بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جب اشرف غنی نے اپنی افواج کو امارت اسلامیہ کے خلاف کارروائیاں تیز کرنے کا آرڈر دیا، تو امارت اسلامیہ کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے اپنے بیان میں واضح طور پر کہہ دیا کہ اشرف غنی کے اعلان کے بعد جنگ میں جتنی تیزی بھی آئے گی اس کا قصوروار خود کابل ادارہ ہو گا۔ مجاہدین مکمل دفاع اور مقابلے کے لیے تیار ہیں۔

اس بیان کے اگلے دن امارت اسلامیہ افغانستان کے مجاہدین نے صوبۂ پکتیا کے شہر گردیز میں ایک فوجی بیس پر فدائی حملہ کیا جس کے نتیجے میں دسیوں فوجی ہلاک ہوئے۔

یہ امارت اسلامیہ کے مجاہدین کی جہادی ضربیں اور حکمت و دانائی ہے جس کی برکت سے امریکہ اور کابل ادارہ خود ہزاروں کی تعداد میں مجاہدین کو قید خانوں سے رہا کر رہا ہے اور مجاہدین رہا ہو کر جہادی قافلے کے ساتھ جڑ کر کابل ادارے کے لیے دوبارہ دردِ سر بن رہے ہیں۔

ابھی کچھ دن پہلے امریکی صدر ٹرمپ نے اپنے بیان میں کہا کہ 'افغان حکومت کو اپنا دفاع خود کرنا ہو گا، ہماری افواج پولیس نہیں کہ دوسروں کے ملکوں میں جا کر اُن کی حفاظت کرے'۔ اسی طرح چند مہینے قبل امریکی صدر ٹرمپ سے ایک صحافی نے پوچھا کہ 'امریکہ کے انخلا کے بعد افغان حکومت میں اتنی سکت نہیں کہ طالبان کا مقابلہ کر سکیں اور یوں طالبان غالب آجائیں گے'۔ ٹرمپ نے جواب میں کہا 'میں نہیں چاہتا کہ ایسا ہو لیکن لگتا اس طرح ہی ہے کہ ایسا ہی ہو گا!!!'

اپنے غلاموں کو استعمال کر کے ٹشو پیپر کی طرح پھینک دینا یہ وہ پرانا طریقہ ہے جو ان یہود و نصاریٰ نے ہر دور میں اپنے اتحادیوں کے ساتھ روا رکھا ہے۔ پس سبق ہے ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہوں اور اپنے دشمن و دوست کو پہچان لیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس نے امارت اسلامیہ کے ہاتھوں امریکہ کو شکست دی۔ امریکی شکست خوردہ قافلے افغانستان کی سرزمین سے روانہ ہو چکے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد، امیر المومنین ملا اختر محمد منصور اور شیخ جلال الدین حقانی رحمہم اللہ کی امارت......امارت اسلامیہ پورے افغانستان پر چھائے گی اور یہاں پورے خطے پر شریعت کا نفاذ ہو گا، ان شاء اللہ!

انتخاب: مہتاب یاور جالندھری

اجتہاد!

"اجتہاد سے ہماری مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیادت و امامت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہو وہ نئے پیش آنے والے مسائل زندگی میں اجتماعاً یا انفراداً صحیح فیصلہ کرنے کی اہلیت اور استعداد رکھتے ہوں، اور روح اسلام اور اسلامی قانون سازی کے اصول سے اتنی واقفیت اور مسائل کے استنباط کی قوت رکھتے ہوں جس سے وہ امت کی مشکلات کو حل کر سکیں، اور اشتباہ اور تحیر کے موقع پر ان کی رہنمائی کر سکیں، نیز وہ اتنی ذکاوت و مستعدی اور علم رکھتے ہوں اور محنت کرنے کے لیے تیار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جو طبعی قوتیں پیدا کی ہیں، اور زمین میں دولت و قوت کے جو چشمے اور دفینے رکھ دیے ہیں ان سے کام لے سکیں اور ان کو اسلام کے مقاصد کے لیے مفید بنائیں، بجائے اس کے کہ اہل باطل ان کو اپنی خواہشات کے حصول کے لیے استعمال کریں اور زمین میں سربلندی اور اور فساد کے لیے ان سے مدد لیں، اہل حق ان سے وہ کام لیں جن کے لیے اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے۔"

(مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

(بحوالہ: انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر)

چیز وہ جو ولایت میں بنے!

محمد سعید حسن

ہم ایک گلوبل ویلیج میں رہتے ہیں۔ ہماری جوتوں کی پالش سے لے کر ہماری انڈسٹری کے آلات اور روزمرّہ کی ضروریات سات سمندر پار سے آتی ہیں۔ اس قسم کی تجارت اور دو سو سالہ غلامی نے ایک خاص قسم کی ذہنیت کو جنم دیا ہے۔ آپ اسے ''برانڈ کلچر'' (brand culture) کہہ سکتے ہیں۔ جنرل الیکٹرک، ووڈافون، سیم سنگ، ایپل، نائیکی، ارمانی، گوچی وغیرہ چند مثالیں ہیں۔ چنانچہ جب کہیں معیار کی بات ہوتی ہے تو معیار یہی برانڈ ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جس بلا کا نام ولایت تھا وہ آج بھی اسی آن بان سے موجود ہے۔ کسی زمانے میں کہا جاتا تھا:

چیز وہ جو ولایت میں بنے
خبر وہ جو پائنیر میں چھپے

مسئلہ جوتوں کی پالش اور دوائیوں سے آگے بڑھ کر اب دین تک پہنچ چکا ہے۔ یہ بالکل بھی کوئی جذباتی دعویٰ نہیں ہے۔ یہ ایک برہنہ حقیقت ہے کہ ہمارے دین کا بھی ایک ''برانڈڈ'' ورژن مارکیٹ میں دستیاب کروایا جا چکا ہے۔ ثبوت سے پہلے اس کا پس منظر ملاحظہ فرمالیں:

کلیسا (church) کی تاریخ میں ملحدینِ کلیسا کے لیے heretic کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔ اسی طرح heresy اس عقیدے، ایمان یا نظریے کو کہتے تھے جو کلیسا کے عقائد، ایمانیات اور نظریات سے ٹکر کھاتا تھا۔ یہ یورپ کی بدنامِ زمانہ تفتیشی عدالتوں (inquisitions) کا دور تھا جب کلیسا کے غیر سائنسی اور غیر منطقی نظریات سے بغاوت کرنے کی سزا آگ میں زندہ جلا دیا جانا تھی۔ ایسے لوگوں کے لیے heretic کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ اردو میں، عموماً، اس کا ترجمہ ''ملحد'' کیا جاتا ہے۔ ملحد کا لفظ لحد سے نکلا ہے۔ لحد اس قبر کو کہتے ہیں جو ایک طرف کو نکلی ہوئی ہو۔ عام طور پر قبریں زمین میں سیدھی کھودی جاتی ہیں۔ ایسی قبر جس میں قبر کی ایک دیوار کھود کر اس میں ایک الگ سے چھوٹی سی جگہ بنا دی جاتی ہے جس میں مردے کو رکھا جاتا ہے، اسے لحد کہتے ہیں۔ چنانچہ الحاد کا مطلب باقی سب سے الگ ہو کر ایک دوسری طرف کو نکل جانا ہے۔ آپ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ mainstream (مرکزی دھارے) سے الگ تھلگ ہو کر اپنی کوئی خاص سوچ اور اپنی کوئی خاص فکر بنا لینا اور پھر اسے دین کا نام دے لینا دین میں اِلحاد ہے۔ اب یہ طے کون کرے گا کہ اصل دین کیا ہے اور اس میں اِلحاد یا heresy کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات اس دین کے جاننے والے، اس کا علم رکھنے والے ہی طے کرنے کا نہ صرف حق رکھتے ہیں بلکہ صرف اور صرف یہی لوگ طے کر سکتے ہیں کہ دین کس شے کا نام ہے اور اس میں الحاد کس فکر، کس نظریے اور کس رویّے کو کہا جائے گا۔ دین میں اِلحاد کو طے کرنا اس دین پر جی جان سے عمل پیرا اور اس کے لیے قربانیاں دینے والے لوگوں کا کام ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو معمولی سی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

یہ تو تھا پس منظر۔ منظر کیا ہے؟ منظر یہ ہے کہ جابجا مغربی میڈیا پر، خصوصاً دستاویزی فلموں میں، اپنے ملکوں پر قابض غیر ملکی فوجوں کے خلاف لڑنے والوں کے لیے some heretic mullahs (کچھ ملحد ملا) کی description (تعریف) استعمال کی جارہی ہے۔ گویا ہمارے دین کی تشریح اور اس میں الحاد کو اب کوئی بیان کرے گا تو وہ مغرب ہے۔ دین اصل میں کیا ہے؟......اس میں الحاد کیا ہے؟......یہ باتیں اب مغرب مار کہ اسلام بتائے گا۔ الحاد کو طے کرنے کے لیے تعریف علمائے اسلام کی جانب سے نہیں بلکہ مغرب کی جانب سے دی جائے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ جب وہاں سے تعریف لا کر یہاں دھر دی جاتی ہے تو پھر بہت سے نمک خوار اس کی تاویلیں کرنے میں مگن ہو جاتے ہیں۔ ''تاجِ برطانیہ'' کی وفاداری کا دم بھرنے میں بہت سے صاحبان پیش پیش تھے۔ یہ نمک حلالی ابھی تک ویسی کی ویسی ہے۔ تلخ نوائی پر معذرت۔ یہ کہنا کہ ''مغرب اسلام کے خلاف نہیں ہے'' اس سے یہی مراد ہے کہ مغرب اسلام کی اس تشریح کے خلاف نہیں ہے جس سے اس کی جہاں گیری پر زد نہیں پڑتی۔ جس سے اس کی supremacy (اقتدارِ اعلیٰ) چیلنج نہیں ہوتی۔ جس سے اس کی قبضہ جماؤ پالیسی پر حرف نہیں آتا اور جس سے اس کی نو آبادیاتی ذہنیت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ رہا وہ اسلام جس سے ان میں سے کسی ایک پر بھی زد پڑتی ہے تو وہ اسے ''اسلام'' ہی نہیں مانتا اور ہم سب سے اس کا مطالبہ یہی ہے کہ اسے اسلام نہ مانو۔ اس کے لیے اس نے ایک اور اصطلاح متعارف کروائی ہے اور وہ ہے: دہشت گردی۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک جانب وہ اسلام کی حمایت کرے اور دوسری جانب وہ اس کے عائد کردہ ایک فریضے کو دہشت گردی کہے جس سے مظلوم کو ظالم کو نکیل ڈالنے کی اجازت ملتی ہے! اس کا مطلب عقل والوں کے لیے بہت واضح ہے کہ وہ اسلام کی ایک خاص تشریح مجھے اور آپ کو تھما رہا ہے۔ اس بے ضرر اور submissive (تسلیم ہونے والے) دین کے علاوہ جو کچھ دین کے نام پر کیا جائے گا وہ دین میں اِلحاد ہو گا اور اس کا کرنے والا ملحد ہو گا۔ گویا اب ہمارے دین کے اصول وہ ہوں گے جن پر مغرب کی جانب سے رضامندی کی مہر لگے گی۔ رینڈ کارپوریشن امریکہ میں ایک تھنک ٹینک ہے۔ اس کی رپورٹیں امریکہ کی خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ ادارہ کچھ عرصے بعد مختلف امور پر رپورٹیں شائع کرتا رہتا ہے۔ اس کی 11/9 کی دہائی پر آنے والی رپورٹ میں اس نے مسلمانوں کو لبرل، ماڈریٹ اور بنیاد پرستوں میں تقسیم کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک دین کی تشریح اپنے اپنے انداز میں کرتا ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 100 پر)

سپاہی

ضرغام علی حبیب

سپاہی چاہے فوج کا ہو یا پولیس کا، معاشرے کا بڑا ہی عجیب کردار ہے۔

آنے جانے والی حکومتیں چاہیں فوجی ہوں یا سویلین، اہلِ اقتدار چاہے دنیا بھر کے بدنامِ زمانہ لٹیرے ہوں، سپاہی کی ڈیوٹی یہی رہتی ہے کہ وہ پوری طرح حکومت کا وفادار رہے اور آرڈر ملتے ہی عمل درآمد شروع کردے۔ چاہے حکومت اسے کسی پریس کلب کے سامنے یا کسی سڑک پر بھوک کے خلاف احتجاج کرنے والوں کی ٹھکائی کا آرڈر کرے، چاہے ختمِ نبوتؐ کے جلوس پر گولی چلانے کا، چاہے کسی مہاجر و مجاہد فی سبیل اللہ کو پکڑ کر امریکہ کے ہاتھ بیچنے کا، چاہے بش اور اوبامہ کو سکیورٹی فراہم کرنے کا اور چاہے نہتے مسلمانوں پر بم برسانے کا۔

مصر، شام، یمن، لیبیا، تیونس، پاکستان......ہر جگہ جہاں امریکی اشاروں پر امت کے خائن حکمران کرسی پر بیٹھے ہوں سپاہی کی یہی ڈیوٹی ہے۔ حیرت والی بات ہے کہ جس معاشرے سے عوام ہیں یہ بھی تو اسی معاشرے سے ہے، بھوک سے بلکنے والے اس کے بھی تو کچھ لگتے ہیں، شریعت کا مطالبہ اور اسلام سے محبت کا یہ بھی تو دعویٰ دار ہے، ختمِ نبوّت کے لیے آواز اٹھانے والوں کی طرح یہ بھی تو نبی اکرم ﷺ کو آخری نبی مانتا ہے، گم شدہ افراد کے اہلِ خانہ کو اسلام آباد کی سڑکوں پر رلتے دیکھ کر اس کا بھی تو دل پسیجتا ہو گا، عافیہ صدیقی سے ہمدردی پوری قوم کی طرح اسے بھی تو ہو گی......لیکن! خلافتِ اسلامیہ کو توڑ کر قومی ریاستوں کی تشکیل ہو چکنے کے بعد کسی بھی جگہ اس سپاہی نے قوم کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ اسے ہمیشہ ہر جابر و ظالم حکمران کی کرسی کی خدمت کرتے دیکھا گیا۔ ان کے خلاف اگر کوئی آواز اٹھی تو وہ عوام ہی کی آواز ہے جس نے سپاہیوں کے ہاتھوں مظالم سہہ کر حکمرانوں کے خلاف جنگ لڑی۔

مہمند میں ایف سی اہلکاروں کو امریکی فوجیوں کی خدمت کرتے دیکھا، بڑی حیرت ہوئی کہ کیا ایک بھی سپاہی ایسا نہیں جو ان صلیبیوں پر گولی چلا دے۔ پتہ نہیں کتنی جگہ ایسے ہی امریکی فوجی پاکستانی سپاہیوں کی حفاظت میں رہ رہے ہوں گے۔ لیکن آج تک ایک بھی ایسی خبر نہیں آئی کہ کسی سپاہی نے دینی غیرت میں کسی امریکی اہل کار کو ٹھکانے لگا دیا۔ کوئی ریمنڈ ڈیوس کے ساتھ ہی ایسا کر دیتا۔ وہ بھی امریکہ میں بیٹھا پاکستانی سپاہیوں پر ہنس رہا ہو گا۔

لوگوں سے سنا ہے کہ یہ سپاہی بھی حکمرانوں کو گالیاں ہی دیتے ہیں۔ خود بھی سپاہیوں کے منہ سے حکمرانوں اور نظام کے خلاف ایسی باتیں سننے کو ملیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس کا اور عوام کا دکھ ایک ہے، جب یہ عوام ہی میں سے ہے، جب اس کے گھر کے مسائل بھی دیگر لوگوں ہی کی طرح ہیں تو یہ کس وجہ سے حکومت کو تحفظ فراہم کرتا ہے، کیوں یہ عوام کا مددگار نہیں بنتا؟ کیا صرف تنخواہ کے لیے؟ یہ تو بڑی خود غرضی ہے۔ لوگوں کی بے کفن لاشیں مل رہی ہوں، مسلمان کفار کے ہاتھوں بیچے جا رہے ہوں، غریب عوام بھوک سے بلک رہی ہو، ملک کی دولت انگریز کے ایجنٹ لوٹ کر لے جا رہے ہوں، سٹیٹ بینک سے وزارتِ خزانہ تک کالے انگریز بیٹھے ہوں، ملک میں امریکی ایجنسیاں دندناتی پھر رہی ہوں......اور یہ سپاہی صرف تنخواہ کے لیے اس سب پر نہ صرف چپ رہے بلکہ ان سارے کاموں میں برابر کا شریک بنا رہے!! بعض سپاہیوں کو کہتے ہوئے سنا کہ معاشرہ ہماری عزت نہیں کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ سپاہی یہ ثابت کر دے کہ وہ نہ تو حکمرانوں کا ہے اور نہ ہی اپنی ذات کا بندہ پھر دیکھے معاشرہ اس کی کیسی عزت کرتا ہے۔

ایک غازی ممتاز قادریؒ نے گستاخِ رسول پر گولی چلائی تو کیسے قوم نے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا۔ لیکن اگر معاشرے کو اپنا خون سپاہی کی وردی پر لگا نظر آ رہا ہو تو وہ کیسے اس کو کندھوں پر اٹھا سکتا ہے؟ مجھے سپاہی سے اس سب کے علاوہ ایک اور شکایت ہے کہ اگر وہ اب بھی کچھ نہیں کر سکتا، اگر اسے ابھی بھی غریب کا احساس نہیں ہوتا اور اگر وہ ابھی بھی خود کو آرڈر کے سامنے مجبور پاتا ہے تو پھر کم از کم اپنی وردی پر کلف نہ لگایا کرے، کیونکہ اس کی اکڑ دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ ہم میں سے ہے ہی نہیں!

رباط کیا ہے؟

”رباط کے بارے میں امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ 'یہ جہاد کی اصل بھی ہے اور فرع بھی'۔ پس جن لوگوں کا گمان ہے کہ جہاد محض کسی معرکے میں شرکت یا دشمنوں پر کچھ گولیوں کی بوچھاڑ کرنے کا نام ہے تو اس کے بعد وہ آرام سے دنیا سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس کی طرف لوٹ سکتے ہیں وہ بے چارے جہاد کو نہیں سمجھ سکے۔ جہاد تو طویل عرصوں تک رباط کرنے اور میدانوں میں جمے رہنے کا نام ہے جس کے دوران معرکوں میں شرکت کا موقع بھی ملتا ہے لیکن ان معرکوں کا وقت رباط میں گزرنے والے وقت کے بالمقابل بہت ہی تھوڑا ہے رباط کی اس طویل مدت میں اس نفس کو اللہ کی خاطر تنہائی سہنا پڑتی ہے اور اہل و عیال و عزیز و اقارب سے دوری کا کڑوا گھونٹ بھی پینا پڑتا ہے، ہو سکتا ہے کہ آپ پورا سال رباط کریں اور اس دوران ایک بھی کارروائی میں شرکت کا موقع نہ ملے لیکن انتظار میں گزرا یہ ہر لمحہ آپ کی نیکیوں کے پلڑے میں لکھ دیا جاتا ہے، یاد رکھیے! عجلت پسند لوگ کبھی بھی جہاد نہیں کر سکتے۔“

(شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ)

موسیٰ موسیٰ......ذاکر موسیٰ!

میر محب اللہ

برادرِ محترم 'میر محب اللہ' ایک مجاہد فی سبیل اللہ ہیں اور آپ کا تعلق مقبوضہ کشمیر کے ضلع بڈگام سے ہے۔ آپ نے ۲۰۰۱ء میں جہاد میں شمولیت اور تربیت کی غرض سے ہجرت کی اور ایک کشمیری تنظیم سے وابستہ رہے۔ بعد ازاں جہادی نظم پر انٹیلی جنس ایجنسیوں کے تسلط کو دیکھتے ہوئے اور ایجنسیوں کی ماتحتی سے آزاد جہاد کی غرض سے آپ جماعت القاعدہ میں شامل ہو گئے۔ (ادارہ)

آج کے اس مادیت کے دور میں، انسان انتہائی مصروف نظر آرہا ہے۔ مصروفیت کی وجہ یہ ہے کہ انسان نے اپنی زندگی کا مقصد روٹی، کپڑا اور مکان بنالیا ہے۔ جبکہ اس انسان کے خالق ومالک نے انسان کے مقصدِ حیات کو اپنی پاک کتاب میں اس طرح بیان فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ (سورۃ الذاریات:۵۶)

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا اور کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔"

جب دورِ حاضر میں دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو اکثر حاملِ قرآن بھی، قرآن کے بتائے ہوئے مقصدِ حیات کے بجائے اور نبیٔ ملاحم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے طریق کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی دکھائی ہوئی رنگین دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے نظر آتے ہیں، اور دورِ حاضر میں اس رنگین دنیا کو حاصل کرنا روشن مستقبل قرار پایا ہے۔

نوجوانانِ اسلام! دراصل ہمارے نبیٔ مکرم ﷺ ہمیں دنیا اور اس کی رنگینیوں کی حقیقت، ناکامی و کامیابی اور حقیقی مستقبل کے معنی سمجھا کے گئے ہیں۔ لیکن ہم کامیابی کسی اور چیز کو سمجھ بیٹھے۔ ہم نے کامیابی کے معیارات کوئی اور مقرر کیے۔ اور ہم بھول گئے کہ ہمارے آقا نبیٔ اکرم ﷺ نے اس رنگین دنیا کو، مرے ہوئے بدبودار بکری کے بچے سے بھی حقیر قرار دیا۔ اور ہمارے خالق و مالک کے نزدیک کامیابی کوئی اور چیز ہے۔ اللہ مالک الملک ارشاد فرماتے ہیں:

فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (سورۃ آل عمران:۱۸۵)

"کامیاب دراصل وہ شخص ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دنیا، تو یہ محض ایک ظاہری فریب کی چیز ہے۔"

لیکن افسوس کہ ہم نے کامیابی کا مفہوم قرآنِ عظیم وشان، اپنے آقا محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور اسلاف سے سمجھنے کے بجائے مغرب اور یہود و نصاریٰ سے سمجھا۔ ہم نے سمجھا کہ جس کا بڑے سے بڑا بزنس وہ کامیاب، جس کا زیادہ سے زیادہ بینک بیلنس وہ کامیاب، جس کو حکومتوں میں بڑا عہدہ ملا وہ کامیاب، جو تعلیم میں ماسٹرز اور پی ایچ ڈی لیول تک گیا وہ کامیاب، جس نے ڈاکٹری اور انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی وہ کامیاب۔ لیکن اللہ رب العزت ہمیں کامیابی کے معنی اور کامیابی کے معیار کچھ اور ہی سمجھاتے ہیں۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچادے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا فرمائے گا۔ (ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ) یہ ہے بڑی کامیابی۔" (سورۃ الصف:۱۲،۱۱،۱۰)

لیکن نوجوانانِ کشمیر اور مسلم نوجوانانِ ہند! وہ سلیم العقل اور سلیم الفطرت نوجوان جس کو اللہ رب العزت نے مقصدِ حیات، دنیا کی رنگینیوں کی اصل حقیقت، ابدی نفع والی تجارت، اور عظیم کامیابی ......سب ہی چیزیں سمجھادیں، اس کا کچھ ذکر موضوعِ سخن ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔" (مسند احمد: جلد ہفتم: حدیث نمبر ۶۲)

نوجوانانِ کشمیر اور مسلم نوجوانانِ ہند! یہ نوجوان بھی دوسرے نوجوانوں کی طرح پنجاب یونیورسٹی میں سول انجینئرنگ کا سٹوڈنٹ تھا اور کشمیر میں ذہین طالبِ علموں میں شمار ہوتا تھا۔ امیر اور تعلیم یافتہ گھرانے سے اس کا تعلق تھا۔ لیکن اس نے جب کشمیر و دیگر مسلم خطوں میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ہو رہے ظلم و جبر کو دیکھا تو اس نے اپنے ہاتھ روکے نہیں رکھے۔ جب اس نوجوان کی سمجھ میں آگیا کہ دنیا میں ایک چپے پر بھی اسلام نافذ نہیں، اسلام اقتدار میں نہیں تو اس نے آنکھیں بند نہیں کیں۔ جب اس زیرک نوجوان نے کشمیر اور دنیا کے دیگر خطوں کی جیلوں سے اپنے بھائیوں، بزرگوں اور اپنی مظلوم بہنوں کی درد بھری اور فلک شگاف چیخیں سنیں تو اپنے کانوں میں انگلیاں نہیں ٹھونسیں۔ جب اس بطل نے قرآن عظیم وشان کی یہ پکار سنی کہ:

"کیا وجہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے واسطے اپنے ہاں کوئی حمایتی کر دے اور ہمارے واسطے اپنے ہاں سے کوئی مددگار بنادے۔" (سورۃ النساء:۷۵)

تو اس کی غیرتِ ایمانی نے اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیا بلکہ اسے غلبۂ اسلام اور مظلوم مسلمانوں کی امداد کے لیے جہاد کی صف میں لا کھڑا کیا!

اور اس طرح یہ نوجوان، ذاکر رشید بھٹ سے، ذاکر موسیٰ بن گیا۔

ذاکر موسیٰؒ ایک ایسا سالارِ قافلہ تھا جس نے قرآن کے دیے ہوئے تصورِ امت "إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ" (الانبیاء:۹۲) کو اجاگر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے آڈیو پیغاموں میں صرف کشمیر کے مظالم کی نہیں بلکہ ہند، برما، اور برّصغیر کے دیگر ممالک میں مسلمانوں پر ہو رہے مظالم کی بات کرتے نظر آتے تھے۔

نوجوانانِ کشمیر! راقم نے خود مشاہدہ کیا کہ ہزاروں کشمیری نوجوانوں نے اخلاص کے ساتھ کشمیر سے برائے جہاد ہجرت کی لیکن نام نہاد محسنوں نے انتہائی چالاکی کے ساتھ ان کا یہ ذہن بنایا کہ ایجنسیوں کی ماتحتی کے بغیر جہاد و قتال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ذاکر موسیٰؒ ہی تھے جنہوں نے نوجوانانِ کشمیر میں عملی طور پر اس سوچ کو بیدار کیا کہ ہم دشمن سے اسلحہ چھین کر، حکمت و دانائی کے ساتھ اور کسی کی ماتحتی قبول کیے بغیر دیگر وسائل بروئے کار لاتے ہوئے، جنگلوں میں پناہ لے کر نہ صرف جہادِ فی سبیل اللہ کو جاری رکھ سکتے ہیں بلکہ اس طرح ہم جہادِ کشمیر کو دوسروں سے آزاد کر کے خالصتاً شریعت کے تابع کر سکتے ہیں۔ ذاکر موسیٰؒ نے عملی طور پر جہاد کشمیر کی درست قبلے کی طرف رہنمائی کی۔ ذاکر موسیٰؒ نے قوم پرستی اور عصبیت کے نعروں کو رد کر کے شریعت یا شہادت کا عظیم نعرہ لگایا۔ اور ذاکر موسیٰ ہی تھے جنہوں نے شہید افضل گوروؒ کی سوچ و فکر کو عملی جامہ پہنا کر کشمیری قوم کی حق راستے کی طرف رہنمائی کی۔ واقعتاً ذاکر موسیٰ ایسے قائد تھے جنہوں نے کشمیری قوم کو آزادئ کشمیر کے لیے صحیح راستہ دکھایا۔

گزشتہ اٹھائیس سالوں سے جو ظالم خائنوں نے کشمیریوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا تھا کہ یہ خائن انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکیں، تو یہی قائد ہے جس نے اس پردے کو حق کی دعوت کے ذریعے سے چاک کیا۔ اللہ رب العزت ذاکر موسیٰؒ کی کوششوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

مومنین اور مومنات کی جرأت کس سے مخفی ہے۔ وہ صحابہؓ کا دور ہو، تابعین و تبع تابعین کا دور ہو، اس کے بعد کا دور ہو یا دورِ حاضر ہو، ہر دور میں مومنین کے ساتھ ساتھ مومنات کی جرأت کے کارنامے کچھ کم نہیں، خنساءؓ کا جرأت مندانہ کارنامہ کس کو معلوم نہیں۔ اور دورِ حاضر میں ذاکر موسیٰؒ کی ماں کی جرأت کو دیکھیں۔ کیا عظیم خاتون ہے۔ جب شہید بیٹے کی میت اس کے پاس لائی گئی تو اس جرأت مند خاتون کے الفاظ یہ تھے:

> "میرے بیٹے کو زندگی کی ہر آسائش میسر تھی، کیا تھا جو اس کے پاس نہیں تھا، لیکن اس نے اللہ کے راستے پر چلنے کا انتخاب کیا، میں سمجھتی ہوں کہ اللہ نے مجھے اسے دیا ہی اس لیے تھا کہ وہ اس سے اپنے مشن کی خدمت لے۔"

اس عظیم ماں نے بیٹے کا چہرہ دیکھنے سے انکار کیا اور کہا:

> "مجھے اپنے بیٹے پر فخر ہے، میں نے آخری دفعہ اس کا چہرہ ۲۰۱۶ء کے ہنگاموں میں شیروں کی طرح احتجاج کرتے دیکھا ہے۔ میری نظروں میں وہی چہرہ رہنے دو۔"

اور پھر اس باہمت ماں نے چند لمحوں بعد ہی شہید کے تابوت کو رخصت کر دیا۔ یقیناً اس جرأت کی پیکر ماں نے کشمیر و برصغیر کی مسلمان ماؤں کو اپنے ماضی کا سبق یاد دلایا ہے۔ ماضی میں مسلمان مائیں اپنے بیٹوں کے حصولِ دنیا پر فخر نہیں کرتی تھیں، بلکہ وہ اپنے بیٹوں کی قتال کے میدان میں جرأت اور بہادری پر فخر کیا کرتی تھی۔ وہ اپنے بچوں کی تربیت اس نہج پر کرتی تھیں کہ ان کا بیٹا شریعت کا پاسبان ہو، اپنے رب کا سپاہی ہو۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ کشمیر و برصغیر کی عفت مآب مسلمان مائیں اپنے بچوں کو جرأت کا سبق آج بھی پڑھائیں، اپنے بچوں کو قرآن عظیم کی تعلیم دیں۔ اپنے بچوں کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ محبت کرنے والا بنائیں، ایسی محبت جو دنیا کی تمام چیزوں سے حتیٰ کہ ماں باپ اور جان سے بھی زیادہ ہو۔ اپنے بچوں میں جہاد فی سبیل اللہ کی روح پھونکیں تاکہ اسلام کو جرأت مند اور بہادر سپاہ میسر آ جائے اور شریعت کا نفاذ ہو، اسلام کا دفاع ہو۔ تاکہ مظلوم کی مدد ہو اور ظالم کا ہاتھ روکا جائے۔ تاکہ آپ کی عزت کی حفاظت بھی ہو اور آپ اور ہماری ان بہنوں کو محافظ میسر آ جائیں جن کی آوازیں کفار کے زندانوں سے آتی ہیں کہ بھائیو اگر تم ہمیں ان جیلوں سے آزاد نہیں کرا سکتے تو کم از کم آ کر ہمارے اوپر ان جیلوں کی دیواریں گرا دو تاکہ...... تاکہ...... ہم ان دیواروں تلے دب کر مر جائیں!

میری قوم کے نوجوان بھائیو! ذاکر موسیٰؒ کے سامنے دو راستے تھے ایک یہ کہ وہ حکومتِ ہند کے کسی ادارے میں کوئی عہدہ حاصل کرتا یا فورسز میں بھرتی ہو جاتا۔ اور حزب الشیطان کا سپاہی کہلاتا۔ اور دوسرا حزب اللہ کا راستہ تھا۔ اور اس سلیم الفطرت نوجوان نے حزب اللہ کے راستے کو پسند کر کے کشمیر کی youth کے لیے نمونۂ عمل پیش کیا۔ میرے بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ بھارت ایک سازش کے تحت وقتاً فوقتاً کشمیر کی youth کے لیے فورسز میں بھرتی کی مہم چلاتا رہتا ہے۔ دراصل کشمیری youth جو بھارت کے لیے دردِ سر بنی ہوئی ہے، بھارت اس بھرتی کے ذریعے سے کئی فائدے اٹھانا چاہتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ دنیا کو کہے کہ کشمیری youth کا روزگار کا مسئلہ ہے وہ ہم ان کو فراہم کر رہے ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ کشمیریوں کو فورسز میں بھرتی کر کے کشمیریوں کے مقابلے میں کھڑا کیا جائے۔ اور سب سے بڑا نقصان یہ کہ کافر تب تک مسلمانوں سے خوش نہیں ہوں گے جب تک مسلمان اپنا دین نہ چھوڑ دیں اور یہ بھارت کے لیے انتہائی آسان ہے کہ بھارت کشمیری youth کو فورسز میں نوکریوں کا جھانسا دے کر، ان سے ان کا ایمان چھین لے۔ ہمارے بعض کشمیری بھائی سمجھتے ہیں کہ اگر ایک نان بائی اپنا کام کر سکتا ہے، اگر ایک ٹیکسی والا اپنا روزگار کما سکتا ہے، اگر سبزی والا سبزی بیچ کر اپنی روزی کما سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں اپنا Talent دکھا سکتے؟ یعنی اگر ہم بھارت کی فوج، سپیشل فورسز یا پولیس فورسز میں روزگار کی غرض سے جائیں تو کیا حرج ہے۔ نہیں میرے محبوب بھائیو! یہ ایک

خطرناک سازش ہے اس کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ یقیناً حصولِ رزق میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ہم مسلمان ہیں۔ مسلمان کا ہر کام شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔ ہمیں کاروبارِ زندگی علمائے کرام سے پوچھ کر چلانا چاہیے۔

میرے بھائیو! یہ مسئلہ روزگار کا نہیں، مسئلہ کفر اور ایمان کا ہے، مسئلہ الولاء والبراء کا ہے۔ دین منہ موڑ لینے اور ارتداد پر قرآن و حدیث اور فقہ کی کتابوں میں دلائل موجود ہیں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان چاہے وہ کتنا ہی تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو، اس کے لیے کافر فوج میں بڑے سے بڑے عہدے سے یہ بہتر ہے کہ وہ حصولِ رزق کے لیے سڑک پر ریڑھی لگا لے۔ ایک مومن کے لیے ایمان سے بڑھ کر کوئی چیز قیمتی نہیں ہو سکتی! ایک بندہ اپنے آپ کو مسلمان کہے، اللہ تعالیٰ کا دوست کہے، اس کے دین کا مددگار اور رسول ﷺ سے محبت کرنے والا کہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کافر فوج میں شامل ہو کر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر تشدد اور قتلِ عام کرے اور اپنے عمل سے کافروں کے ایجنڈوں کو اپنے علاقے و ملک میں نافذ کرنے والا ہو اور کفار کے مفادات کو تحفظ فراہم کرنے والا ہو؟ مسلمانوں اور مومنوں کے خلاف برپا کی جانے والی جنگ میں وہ کافروں کے شانہ بشانہ کھڑا ہو؟ جس شخص کا یہ حال اور معاملہ ہو گا وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا حمایتی نہیں ہو سکتا بلکہ ایسا شخص تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اہلِ ایمان کے دشمنوں میں سے بدترین اور خطرناک ترین دشمن ہو گا اور اللہ رب العزت کا عملاً انکار کرنے والا ہو گا۔ میرے بھائیو اپنے ایمان کی حفاظت کیجیے۔ شہید افضل گوروؒ، شہید غازی باباؒ، شہید برہان وانیؒ، شہید مفتی ہلالؒ، شہید سبزار احمد بھٹؒ، شہید ذاکر موسیٰؒ اور دیگر ہزاروں شہیدوں کا عمل آپ کے سامنے ہے۔ میرے بھائیو اس اللہ کی دشمن بھارتی فوج، سپیشل فورسز اور پولیس فورسز میں شامل ہونے کے بجائے ان کے خلاف قتال کرنے والے بن جائیے۔ اور جو نوجوان ان فورسز میں بھرتی ہو چکے ہیں ان کے لیے توبہ کرنے کا اور اپنے رب کو راضی کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی بندوقوں کا رُخ ان فورسز کے افسروں کی طرف پھیر دیں، جس کی مثالیں دنیا میں بہت موجود ہیں۔ امریکہ کے میجر نضال حسن ہوں یا سعودی فوج کے امریکی کیمپ میں تربیت حاصل کرتے محمد سعید شمرانی شہیدؒ یا افغانستان میں سیکڑوں ملی فوج میں شامل فوجی ہوں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ محبت کا ثبوت رب کے ان دشمنوں کو انہی کی صفوں میں بظاہر شامل رہتے ہوئے قتل کر کے دیا۔

شہید ذاکر موسیٰؒ نے نبیٔ ملاحم ﷺ اور صحابہؓ کے راستے کو چنا اور یقیناً بدر والوں کی طرح ان کے سامنے بھی جہاد و قتال کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہی تھا۔ اور اللہ پاک نے اس کی قدر کی۔ اس شیرِ اسلام کی شہادت کا دن بھی وہی چنا جس دن زمین پر تمام نبیوں سے افضل نبی محمدِ مصطفیٰ ﷺ کی قیادت میں اور انبیا کے بعد تمام انسانوں سے افضل انسانوں (صحابہ کرامؓ) نے، حق و باطل کو واضح کرنے والی جنگ لڑی۔ جس دن کو اللہ رب العزت نے یوم الفرقان کہا۔ یہ فیصلہ کن غزوہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری میں ہوا۔ اور ۱۷ رمضان المبارک ہی کو اللہ رب العزت نے کشمیر کے اس بطلِ عظیم کو شہادت سے سرفراز فرمایا۔ ہمارا گمان ہے کہ اللہ رب العزت اس شاہسوار کا حشر بھی بدری صحابہؓ کے ساتھ کرے گا۔ نحسبہ کذالک واللہ حسیبہ!

بقیہ: میدان پکارتے ہیں!

کفر کے سرداروں پر ضرب لگانے کے بہترین مواقع مقامی افواج سے منسلک ان لوگوں کو اکثر میسّر ہوتے ہیں جو ان کی حفاظت پر مامور ہوتے ہیں، خواہ وہ پاکستانی فوجی ہوں یا ملی فوجی۔ ہم انھیں بالخصوص دعوت دیتے ہیں کہ اپنے دشمنوں کو پہچانیں اور ان پر حملے کریں اور انھیں ان مقامات پر نشانہ بنائیں جہاں وہ اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتے ہیں۔

جہاد امت کے محض ایک قلیل طبقے پر فرض نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایک فرد پر فرض عین ہے۔ افغانستان میں امارتِ اسلامیہ کی فتح کسی کو مطمئن نہ کر دے کہ بس مقصد پورا ہو گیا اور منزل حاصل ہو گئی۔ نہیں! بلکہ یہ تو صرف ایک کڑی ہے۔ جہاد جاری رہے گا جب تک شرق و غرب میں اللہ کے دین کا بول بالا نہ ہو جائے۔ واللہ! موت کا خوف کسی کو جہاد کی صفوں میں شمولیت سے نہ روکے۔ کیا اتنے لوگ اتنے قلیل وقت میں جہاد میں شہید ہوئے ہیں جتنے آج کورونا کا شکار ہو چکے ہیں؟ کیا مجاہدین کی زندگی دشمن کے خوف سے اس قدر جامد اور اجیرن کبھی ہوئی ہے جتنی آج پوری دنیا میں کورونا کے خوف سے ہو چکی ہے؟ زندگی اور موت اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے، پس اللہ ہی پر توکل کیجیے۔ آج بھی ہم پوری دل سوزی اور اخلاص کے ساتھ امت کے علما و طلبا کو، اس کے نوجوانوں کو، باصلاحیت افراد کو، اہلِ ثروت کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے دین کی نصرت کے لیے اٹھیں۔ جو جہاں اور جتنا اللہ کے دین کی خدمت میں اپنا حصہ ڈال سکتا ہے وہ اپنا حصہ ڈالے جو جس صلاحیت کے ذریعے دین کی خدمت کر سکتا ہے وہ کرے، جو میادینِ جہاد کی جانب ہجرت کر سکتا ہے وہ کرے اور یوں اپنا نام بھی اس قافلے کے شرکا میں لکھوائے جو ان شاءاللہ کامیاب ہو کر رہے گا۔

زمیں کی جنت بلا رہی ہے، خدا کی جنت یہاں سے لے لو!

وادیٔ کشمیر سے رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ میں پیش آنے والے چند واقعات کی روداد

محمد شاکر ترالی

دشمن کے محاصرے میں موجود مکان، جس کو پچاسیوں مشرک فوجی بغیر کسی وقفے کے چھوٹے بڑے ہتھیاروں سے نشانہ بنا رہے ہیں، اس میں پناہ گزین نوجوانوں میں سے ایک تکبیر کا نعرہ لگاتے ہوئے، کسی بھی آڑ کے بغیر بالکونی میں آتا ہے، اپنے پاس موجود واحد جی ایل (Grenade Launcher) کا گولہ کروڑوں خداؤں کے پچاسیوں پجاریوں پر پھینکتا ہے اور رب کی وحدانیت کی صدا لگاتے واپس اسی آتشیں اسلحے کے ہدف مکان میں غائب ہو جاتا ہے۔ مشرک فوجی بھاگتے دوڑتے جان بچاتے پھرتے ہیں۔ یہ نوجوان وادی و ہند میں شریعت یا شہادت کے علمبردار مجاہدین کا نائب امیر برہان مجید تھا۔ اسی رمضان المبارک کا چوتھا روزہ جب میں اور آپ پوری آب و تاب سے افطار کر رہے تھے، تب بوقتِ افطار یہ شہزادہ فضا میں اڑتے بارود کے ذرات نگل رہا تھا۔ ایک مشرک فوجی سے اس کی SLR بندوق چھین کر کاروانِ در بدراں میں شامل ہوا یہ شوقین مسافر آج اس کاروان کے رہبروں میں سے ایک تھا، چند گولیاں، ایک GL کا گولہ، دو ساتھی جن میں سے بندوق صرف ایک ہی کے پاس تھی، دوسرے کے پاس گنی چنی گولیوں کے ساتھ صرف ایک پستول ہی تھی۔ اللہ...... یہ پستول جس کے پاس ہے اس کا جہادی نام عمار ہے، ناصر احمد بٹ، اس نے مشرکین کے ہاتھوں عصمتِ اسلام لٹتی ہوئی دیکھی اور ایجنسیوں کی ماتحت پالیسیاں اور باہمی معاملات بھی، کچھ سمجھ نہ آتا تھا، مگر کیا کیا جائے؟ جہاد تو فرض عین ہے، تنظیموں کے طریقۂ کار سے اتفاق ہو تب بھی، اختلاف ہو تب بھی! جہاد تو نہیں چھوڑا جا سکتا، عمار بھائی امت کے ان تمام بہانہ ساز جوانوں پر حجت ہیں جو جہادی مجموعات کی پالیسیوں سے اختلاف کو راہِ جہاد میں نکلنے کی رکاوٹ بتاتے ہیں۔ آپ کو بھی کشمیر کا ایک بھی نظم پسند نہیں تھا، گو کہ یہ آپ کی ذاتی سوچ تھی مگر آپ نے اس بات کو راہ جہاد سے پیچھے رہنے کی وجہ نہیں بنایا۔ ذاتی حیثیت میں ایک پستول اور چند گولیاں خریدیں، اور اکیلے ہی، جی ہاں بالکل تنہا ہی خود بخود میدان میں اتر آئے۔ بالآخر اللہ رب العزت نے منہجِ شریعت یا شہادت کے حامل مجموعے کا ساتھ نصیب فرمایا۔

سبحان اللہ...... ذرا گمان تو کیجیے اس مجاہد کے عزم کا، اللہ پر اس کے توکل کا، اس کی نظریاتی پختگی کا کہ اکیلا ہی میدان میں اتر آیا۔ کیا اللہ ملائکہ کی مجلس میں اپنے اس کمزور سے بندے پر فخر نہیں کرتے ہوں گے، نحسبه كذالك۔ پھر یقیناً اللہ نے عمار بھائی کو انعام بھی ویسا ہی دیا...... جب محاصرہ ہوا آپ نے اسی پستول اور چند گولیوں سے مشرک فوج پر حملہ کیا، ایک مشرک فوجی سے اس کی بندوق غنیمت کی اور تمام معرکہ اسی سے سر کیا۔ جب یہ محاصرہ شروع ہوا تو میڈیا پر جاری خبریں کہہ رہی تھیں کہ محصور تینوں مقامی ہیں اور کسی ایک نے بھی گوریلا تربیت نہیں کر رکھی، مقصد وہی تھا، جو میڈیا وار کا ہوتا ہے، مسلمانوں کا مورال گرانا، جذبات کمزور کرنا، مگر کفار کے دعووں کے مقابلے میں بحمد اللہ ہمارا عمل بولتا ہے۔ سہ پہر چار سے اگلے دن دو پہر گیارہ بجے تک فدائین کتاب و سنت کے اس سہ رکنی دستے نے پچاسیوں سے بڑھ کر سینکڑوں مشرک فوجیوں سے جس طرح مقابلہ کیا اس منظر نے الحمدللہ اپنوں اور غیروں سب ہی کو حیران کر دیا۔ گوریلا تربیت...... یہ مشرک کیا سمجھتے ہیں کہ گوریلا تربیت وہی ہے جو سرحد پار کے کیمپوں سے لی جائے، واللہ ہماری ہر قسم کی تربیت کے لیے ہمیں آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ کافی ہے، تربیت، تیاری، اعداد یہ سب حسبِ استطاعت ہے۔ نظریہ ہم وہاں سے، سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیتے ہیں اور بحمد اللہ ایسا مضبوط نظریہ کہ تم دو سالوں میں چار بار رسمی اعلان کر کے بھی ہمیں ختم نہیں کر سکے۔ اور عسکریت گزشتہ دو معرکوں میں ہماری اللہ تمہیں دکھا ہی چکے ہیں۔ ہم نے گوریلا جنگ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دو شاگردوں ابو بصیر اور ابو جندل رضی اللہ عنہما اور ان کے آج تک بر سرِ عمل لشکر سے سیکھی ہے۔ ہم نے تمہارے اندر سرایت کر کے تمہارے سرداروں کو قتل کرنا آنحضرتؐ کے ایک اور شاگرد و غلام محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے سیکھا۔ اور یہ سب کچھ ہم تک اللہ نے ہمارے نافع علم کے ذریعے پہنچایا، بحمد اللہ۔

نائب امیر برہان مجید رحمہ اللہ کے ساتھ شہید ہونے والے پلوامہ سے بھائی عمر اسی علم کے طالب اور متلاشی تھے۔ اس کے باوجود آپ نے اس اہم طلب اور تلاش کو فرض عین جہاد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا بلکہ اس پیاس کو اس پر کٹھن راہ میں اپنا ساتھی اور ہم نشین بنا لیا۔ راہ جہاد کی روپوشیوں اور در بدریوں کے باوجود دینی علم کے حصول کا جذبہ ماند نہ پڑ سکا، کتب کا ذخیرہ آپ کی پناہ گاہ میں آپ کے ہمراہ رہتا۔ ساتھیوں سے فرمائشیں کر کر کے کتابیں منگوانا آپ کی عادت تھی۔ اور آپ اللہ کے اذن سے حصول علم کے حقیقی پیاسوں کو سمجھا گئے کہ واللہ ان سب اہم ضروریات کے باوجود جہاد کیسے کیا جائے اور اس میں قربانیاں کیونکر دی جائیں۔ آج بھی درجۂ مشکوٰۃ تک پڑھے میرے ایک مہاجر مجاہد دوست کو جب بھی انٹرنیٹ کی سہولت میسر آتی ہے وہ مختلف عجمی و عرب مفتیان کرام اور شیوخ سے رابطے کر کر کے اور کبھی سوالات کی صورت اپنے علم کی پیاس کو بجھاتے ہیں۔ اکثر علمائے کرام سے باقاعدہ یونہی دوران تعلیم ڈانٹ ڈپٹ کا سلسلہ اور امتحانات بھی چلتے رہتے ہیں۔ امت کے یہ در بدر بیٹے دین کے کسی بھی شعبے کو پس پشت نہیں ڈالتے، ہاں مگر ذروۃ سنام الاسلام بہر صورت ترجیح ہی ہے۔ اسی علم نے عمر بھائی کو جہاد پر ابھارا اور بالآخر سخت امتحان کا شاندار نتیجہ جام شہادت کی صورت مل ہی گیا۔ پھر ان مجاہدین کی نصرت کرتے ہوئے جس طرح بحمد اللہ شوپیاں کی مسلمان عوام نے سینوں پر گولیاں کھائیں وہ نہ صرف دیدنی و قابل تحسین و رشک ہے بلکہ قابل پیروی بھی ہے۔

بہت سے نوجوان اور ہماری ایک معزز ماں بھی مجاہدین کی خاطر مشرک فوج کی گولیوں کا شکار ہوئیں۔ تکبیر کے نعرے لگاتے جوق در جوق یہ نوجوان کیوں چودہ گھنٹے انتھک مشرکوں سے پتھروں اور اینٹوں سے لڑتے رہے؟ کیا ان کی تعلیم، ان کا مستقبل، ان کی ملازمتیں، ان کی تنخواہیں، والدین یا خاندان نہیں تھے، ہیں مگر ان کی ترجیحات ان کے ایمان پر باذن اللہ گواہ ہیں۔ اللہ ان کے ایمان میں برکت دیں اور ان کو اپنے برگزیدہ بندوں میں شمار کرلیں اور دنیا و آخرت کی نعمتیں ان کا مقدر کردیں۔

چار اور پانچ رمضان المبارک کے معرکے میں تمام مجاہدین کی ہر پل دعا یہی تھی کہ اللہ کسی طرح برہان مجید بھائی کو سلامت محاصرے سے نکال دیں۔ ان کے ساتھ غزوۂ ہند لڑتے مجاہدین کی بہت اہم ترتیبات اور ذمہ داریاں وابستہ تھیں۔ آپ نائب امیر جو تھے۔ مگر اللہ نے آپ کو اور ساتھیوں کو شہادت کے رتبے سے سرفراز کیا تو غم تو بہت زیادہ ہوا مگر دشمن اور عامۃ المسلمین دونوں کے تاثرات نے کافی کچھ مزاج تبدیل کیا۔ وادی میں وہ معزز بھائی جو انصار کے نظریے سے تو متفق تھے مگر پہلے کچھ کام کے منتظر تھے بحمد اللہ مان گئے کہ واقعی آزاد جہادی ترتیب بھی ایک ممکن امر ہوسکتا ہے۔ اوپر سے سونے پر سہاگہ ایک اور واقعے نے کیا جو کہ ہمارے لیے تو ناخوشگوار ہی تھا۔ کہ ایک عامی کی معمولی غلطی سے وادی میں مجاہدین کے ایک معسکر کی ویڈیو لیک ہوگئی اور سماجی رابطوں پر وائرل ہوئی۔ ان سب معرکوں، معسکروں پر خونی لکیر کے دونوں جانب طاغوتی حلقوں میں ایک مصیبت سی برپا ہے اور دونوں جانب ہی مجاہدینِ کرام باہم منظم و مضبوط ہوئے جاتے ہیں۔ بے شک اللہ ہی بہترین ترتیب کرنے والے ہیں۔ اور اس سے چند دن قبل یعنی شعبان المعظم کے اواخر میں شوپیاں کے اسی گاؤں ملہورہ میں دو دیگر ذمہ دار بھائیوں سمیت چار مجاہدین کی دشمن سے طویل جنگ اور شہادت اپنے اندر امتِ غمزدہ کے لیے عظیم دعوت لیے ہوئے ہے۔ یہ چاروں شہدائے کرام ایک انتہائی اہم ترتیب کی تکمیل کے لیے یہاں ایک مقام پر موجود تھے۔ اور انہیں کی اس عظیم قربانی کی بدولت جہاد کشمیر کے مستقبل سے متعلق یہ ترتیب بحمدللہ نہ صرف سنگ بنیاد کا مرحلہ طے کرچکی ہے بلکہ پورے زور و شور سے جاری بھی ہے اور اگر اللہ رب العزت کی کرم نوازی رہی تو عنقریب اسی ترتیب کی بدولت امت اللہ کے فضل سے خوشخبریاں سنے گی۔ ان بھائیوں میں مجاہدینِ شوپیاں کے مسئول لقمان بھائی رحمہ اللہ اور مجاہدینِ پلوامہ کے مسئول اسامہ بھائی اپنے پلوامہ اور بارہ مولا سے دو مامورین عاصم بھائی اور قاسم بھائی رحمہم اللہ اجمعین تھے۔ قاسم بھائی کے علاوہ تینوں بھائی سابقہ ایک ہی نظم سے تعلق رکھتے تھے گو کہ مختلف روابط اور اوقات میں انہوں نے اس صفِ مجاہدین میں شمولیت اختیار کی اور قاسم بھائی سابقاً ایک علیحدہ مجموعے سے تھے۔ پلوامہ کے مسئول بھائی اسامہ اور ہمارے شہید ترجمان بھائی ابو عبیدہ رحمہ اللہ اکٹھے ہی اس کاروان میں شامل ہوئے تھے۔ آپ دونوں حضرات طویل مدت سے شریعت یا شہادت کی صفوں میں شامل ہونا چاہتے تھے مگر طویل مدت رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے بہت تاخیر ہوگئی اور امیر ذاکر موسیٰ رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد ہی آپ حضرات کو تنظیم میں اہم ذمہ داریاں دی گئیں جو سبحان اللہ آپ بھائیوں نے کمال اخلاص اور محنت سے نبھائیں۔ جبکہ قاسم بھائی رحمہ اللہ شہید مجاہد جہانگیر رفیق وانی کے ہمراہ شامل ہوئے تھے۔

آپ دونوں بھائی اپنی سابقہ جماعت کے ایک عہدیدار سے منہج و طریق کی بابت محوِ گفتگو تھے کہ آپ کے ایک سوال کے جواب میں وہ کہہ بیٹھا کہ آزادی کشمیر کے بعد ہم تنظیم کو ہتھیار واپس کردیں گے اور گھروں میں جاکر بیٹھ جائیں گے۔ یہ بات آپ دونوں بھائیوں کو کھٹکی اور آپ حضرات مجاہدین شریعت یا شہادت کے ساتھ آن شامل ہوئے۔ جن کا اپنے رب سے وعدہ ہے کہ اے رب آپ ہمیں توفیق دیجیے ہم نہ صرف وادی و جموں کو مشرک فوج کے لیے جہنم بنادیں بلکہ خود داخلِ ہند میں دوبارہ اسلامی سلطنت کے احیا کے لیے آپ کی راہ میں قربانیاں دیں گے۔ پھر یہ صرف ان کے دعوے ہی نہیں بلکہ ہند میں ہمارے اس بے سروسامان مجاہد دستے کے ہتھیاروں سمیت گرفتار ہوتے مجاہدین ہماری اس بات پر گواہ بھی ہیں۔ پھر صرف ہند میں ہی کیوں؟ تمام دنیا میں جہاں جہاں خالق دوجہاں نے توفیق دی ہم خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے لیے عالمی جہادی ترتیب کے تحت رہتے ہوئے لڑنے کا عزم رکھتے ہیں باذن اللہ۔ یہی کچھ تھا جو ان دو بھائیوں کو ہم تک کھینچ لایا اور یہ دونوں تو اپنی منزل پاگئے جیسا کہ ہمارا ان کے بارے میں گمان ہے۔ اور ہمیں یہ پیغام دے گئے کہ ہم غزوۂ ہند کے ابتدائی مراحل طے کرتا یہ مبارک راستہ کہیں چھوڑ ہی نہ دیں۔ تمام تر مشقتوں اور تکالیف کا نتیجہ محض دو میں سے ایک ہی ہوسکتا ہے، جبکہ دونوں نتیجے ہی ہمارے لیے مبارک و مطلوب ہیں۔

جب دشمن نے ان چاروں بھائیوں کا محاصرہ کیا تب یہ دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے، تمام رات ملہورہ کی گلیاں اور چوراہے ان کی تکبیروں سے گونجتے رہے، یہ مختلف اطراف اور جہتوں سے مشرک فوج کو ہزیمت کا شکار کرتے اور ایک شام سے اگلے دن دیر تک یہ دشمن سے برسرپیکار رہے۔ یہ پہلا موقع تھا جب کچھ ”غیر تربیت یافتہ“ مقامی مجاہدین نے ان کو اس طرح سے ذلیل کیا تھا، جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا۔ پھر یہ ملعون مشرک فوج غصے میں پاگل ہمارے شہید بھائیوں کے اجسام کو بگاڑتی رہی، ان جسموں کو فوجی گاڑیوں سے روندا گیا، ایک شہید بھائی کے چہرے پر فائر کیے گئے۔ ہم اپنا بھائیوں کی بارگاہِ ایزدی میں اس ’رسائی‘ پر محض اللہ کے شکر گزار ہیں۔ اور مشرکین ہند کو یہی کہنا چاہیں گے کہ باذن اللہ تمہارا یہ خبط اور یہ اندر ہی جلنا کُڑھنا ابھی مزید بڑھے گا۔ ہمارے ہاتھوں مرنے کٹنے کے بعد تم اپنے ہی غیظ وغضب کی آگ میں بھی جلو گے۔ ان شاء اللہ امریکی فوجیوں کی مانند تم میں بھی خودکشیوں کا سلسلہ عنقریب شروع ہوگا۔ ہماری لاشوں کے یہ مثلے ہمارے لیے قابل فخر اور باعث خوشی ہیں کیونکہ یہ ہمارے رب سے ہماری قربت بڑھاتے ہیں، ہمیں اس کی مزید رضا کی سمت لے جاتے ہیں، مگر تمہارا کیا؟

امیر المجاہدین، حکیم الامت حضرت اقدس شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ فیصلے تمہارے اپنے ہی خلاف جائیں گے، جتنا ظلم کر سکتے ہو کر لو، یہ ظلم تمہاری اپنی ہی جانوں پر ہو گا، اور جتنی سر کشی دکھا سکتے ہو دکھالو!، اس کا وبال تمہیں خود ہی بھگتنا ہو گا۔

ربِ کائنات کی قسم ہم تم سے تب تک لڑتے رہیں گے جب تک قیامت برپا نہ ہو جائے یا پھر تم اپنے جرائم سے باز نہ آجاؤ۔ تم جسے چاہو قید کر لو، جسے چاہو قتل کر دو، جس پر چاہو بارود کی بارش برسادو، جتنا تکبر کر سکتے ہو کر گزرو!

امتِ مسلمہ تمہیں چھوڑنے والی نہیں!

بم باری کے بدلے بم باری ہو گی!

قتل کا بدلہ قتل ہو گا!

تباہی کے بدلے تباہی ہو گی!

تمہاری ہر سرکشی کا جواب اتنی ہی شدت سے دیا جائے گا! (ان شاء اللہ)“

جبکہ وادی سے امت کو جاتی خوشخبریاں اس کے علاوہ ہیں۔ محض ایک ماہ میں ایک کرنل اور ایک میجر سمیت ایک درجن سے زیادہ مارے جا چکے مشرک اہلکار یہ بتا رہے ہیں کہ ہند کے قدم ان شاء اللہ وادی سے اکھڑ کر رہیں گے۔ اور اس بار یہ جنگ باذن اللہ ان بنیادوں پر کھڑی ہے کہ کہیں پنڈی، مظفر آباد اور کوٹلی کے ڈیٹوں سے آنے والی ہدایات سے اس کا رخ تبدیل نہیں ہو گا، ان شاء اللہ۔ اب امریکی فرنٹ لائن اتحادی فوج اور خفیہ اداروں کا چہرہ نہ صرف مجاہدین بلکہ ساری دنیا کے سامنے واضح ہے، پہلے مجاہدین کشمیر کے مراکز اور ڈیٹ پر حملہ آور یہ فوج اب باقاعدہ مجاہدین کشمیر سے جنگ پر اتر آئی ہے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ سیالکوٹ میں بھارتی افواج سے پھولوں اور مٹھائیوں کا تبادلہ کرتی اسی فوج نے مقبوضہ جموں میں داخل ہونے کی کوشش کرنے والے حزب المجاہدین کے ساتھیوں پر فائرنگ کی اور بیشتر مجاہدین کو زخمی حالت میں گرفتار کیا۔ ہمیں البدر مجاہدین کے وہ دو شہید ساتھی بھی یاد ہیں جنہیں پاکستانی زیرِ قبضہ کشمیر میں ان کا مرکز خالی نہ کرنے پر اس فوج نے گولیاں مار کر شہید کیا اور ہمیں یہ اطلاعات بھی مل رہی ہیں کہ یہ غدار فوج اور آئی ایس آئی ایک مرتبہ پھر مجاہدین کے بچے کھچے مراکز پر حملہ آور ہیں اور بہت سے مجاہدین اس وجہ سے در بدر ہیں۔ ماہ رمضان میں انکے پاس اس ”آزاد اسلامی ملک“ میں کوئی ٹھکانہ نہیں کہ وہ اپنی سحری و افطاری ہی کی کوئی مناسب ترتیب بنا سکیں، یہ مجاہدین ہماری آخری اطلاع تک جنگلوں وغیرہ میں دربدر پھرتے ہیں اور ایسے میں جب ہم یہ سطور رقم کر رہے ہیں ہمیں غم و حزن میں ڈوبی ایک اور خبر ملی کہ وادی میں ہمارے سینئر ساتھی اور حزب المجاہدین کے قائد، محترم ریاض نائیکو اپنے گھر کے قریب بھارتی فوج سے جھڑپ میں شہید ہو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ آپکی نیکیاں، جہاد اور رمضان المبارک میں آپ کی شہادت اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔

عزیز قارئین!، یہ کشمیر ہے شرک و الحاد اور نفاق و فسق سے مسلسل نبرد آزما۔ خون کے بہتے دھاروں سے مسلسل بلند ہوتے تکبیر کے نعروں کا منبع، مرشد غازی بابا کی صدائے شریعت یا شہادت کا قوی جواب، پاکیزہ نوجوانوں کی مقدس ہڈیوں پر قائم ہونے والی اسلام سے وفا کی آہنی عمارت۔ فردوسِ بریں کی سمت جاتا غزوۂ ہند کا قافلہ۔ میراثِ ایمان کی حفاظت کرتی سیسہ پلائی ہوئی فصیل۔ امتِ بے کس کے مقہوروں لیے نمونہ و مثالِ دعوت و عمل۔ وادیٔ جنت نظیر میرا مقدس و محبوب کشمیر۔

کیا آج بھی امت کے مجاہد بیٹے اس سمت رخ نہیں کریں گے؟ اور کیا یہاں مصروف عمل مجاہدین اس قدر واضح ہوتی 'محسنوں' کی غداریوں کے باوجود آزاد جہاد کے علم بردار نہ بنیں گے؟ ایسا ہو گا اور ان شاء اللہ ضرور ہو گا۔ اس قلیل عرصے میں شہید ہونے والے کثیر مجاہدین اور یہ شہادتوں کی رُت امت کے نوجوانوں کو یہی پیغام دے رہی ہے کہ

زمیں کی جنت بلا رہی ہے، خدا کی جنت یہاں سے لے لو
یہاں سے لو غازیوں کے رتبے، یا پھر شہادت یہاں سے لے لو!

☆☆☆☆☆

'غزوۂ ہند' تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس 'غزوے' کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔
'غزوۂ ہند' کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام 'نوائے غزوۂ ہند' (سابقہ 'نوائے افغان جہاد') ہے۔ لہٰذا 'نوائے غزوۂ ہند' کے تمام معزز قارئین سے گزارش ہے کہ مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کو تمام مکاتبِ فکر سے وابستہ علمائے کرام، طلبائے علمِ دین، داعیانِ دین...... اور اہلِ فکر و دانش، طلبہ، اساتذہ، صحافیوں، سماجی کارکنوں، ملازمت پیشہ حضرات...... الغرض ہر شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ اہلِ ایمان تک پہنچایئے اور اس فریضے کی ادائیگی میں حصہ ڈالیے!

ایک حیدر آبادی مجاہد کی داستان

محمد راشد دہلوی

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝ (سورۃ البقرۃ:۱۵۴)

"اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔"

قاری ہدایت اللہ شہید (قاری عمر) کا تعلق جنوبی ہندوستان کے شہر حیدر آباد سے تھا۔ آپ ایک بہادر مجاہد، بہترین قاری اور ہر دل عزیز شخص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو صبر و استقامت سے ایسے مضبوط کر دیا تھا کہ بڑی بڑی مشکلات، حادثات اور غم آپ کو راہِ حق سے نہ ہٹا سکے۔ قاری صاحب کی ہجرت (ہندوستان سے افغانستان) کا سفر بڑا ہی کٹھن تھا۔ ہندوستان سے افغانستان کی طرف ہجرت کرنے والے مجاہدین کے لیے راستے میں مگرمچھ ایک چنوتی (چیلنج) بنے رہتے ہیں، جو امت کے مخلص نوجوانوں کو اچک لینے کے لیے گھات لگاتے ہیں۔ یہ مگرمچھ پاکستانی ایجنسیوں اور فوج کی شکل میں موجود ہیں۔

ملت کے یہ غدار صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پاکستان، بنگلہ دیش اور نہ جانے کتنے ہی ملکوں کے، عجم و عرب کے مجاہدین کا خون اپنے سر لیے بربادی کے گڑھوں میں گر رہے ہیں۔ ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے یہ ایک بڑی چنوتی ہے کہ جب دنیا کے غیرت مند مسلمانوں نے اپنے اپنے خطوں میں جابر و باطل حکمرانوں کی ناک میں دم کر رکھا ہے، ان کی معیشت، ترقی، دولت اور ان کا دفاعی نظام، جسے کفار سر پر اٹھائے پھرتے تھے اور تماشہ کرتے تھے، آج انھی مجاہدین کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان کی ترقی کو ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ افغانستان کے محاذوں پر ہندوستانی مجاہدین کم ہی نظر آتے ہیں۔ جس کے نتائج ہم ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف بڑھتی بربریت اور ظلم کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ مودی اور امت شاہ کو شاید ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے یہ اطمینان سا ہو رہا ہے کہ ہم ان کے ساتھ کچھ بھی کر لیں، کتنے ہی ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیں لیکن یہ گیت وطن کے ہی گائیں گے، لیکن یہ اطمینان جھوٹے گمان سے زیادہ کچھ نہیں۔

قاری صاحب ایسے مجاہد تھے جو امت کا غم دل میں لیے، بھری جوانی میں، اپنے عزیز والدین، محبوب بہن بھائی، رشتے داروں اور دوستوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر افغانستان کے پہاڑوں میں امریکہ کی گرتی دیوار کو دھکا دینے آگئے۔ ہندوؤں کے مظالم نے، دین کی بے حرمتی نے اور مسلمانوں کی بے بسی نے آپ کو گھر پر چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔

جہادی سفر

قاری صاحب نے افغانستان کی طرف ہجرت کی۔ ایک ایسی سر زمین جہاں حق اور باطل کا تاریخی معرکہ عروج پر ہے۔ سفر کی مشکلات، خوف و ڈر اور دربدری کے بعد قاری صاحب پاکستان پہنچے۔ جہاں بد قسمتی سے وہ آئی ایس آئی کی ماتحت بعض تنظیموں کے ہتھے چڑھ گئے۔ ہندوستان میں یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کی سب سے بڑی دشمن آئی ایس آئی اور پاکستانی فوج ہے جو ہندوستان کو برباد کرنا چاہتی ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ پاکستانی خفیہ ایجنسیاں اور فوج اپنے زیرِ اثر تنظیموں کے ذریعے ہندوستان کو وقتاً فوقتاً پریشان تو کرتی ہیں، لیکن دراصل صرف اور صرف اپنے مفاد کے لیے۔ اور ان کا یہ مفاد نہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کی ہمدردی کے لیے ہے نہ ہندوستان کو اسلامی حکومت کا حصہ بنانے کے لیے۔ بلکہ ہندوستان میں بسنے والے مظلوم مسلمانوں کے اصل خیر خواہ وہ مجاہدین ہیں جو افغانستان میں امارتِ اسلامیہ کی سرپرستی میں میدانِ جنگ کو اپنے خون سے گرم کر رہے ہیں اور وہ مجاہدین جنھوں نے کشمیر کی سخت سردی میں چناروں کو اپنا خون دے کر سرخ کیا ہے۔ قاری صاحب نے جب ان پاکستانی زیرِ اثر تنظیموں کا رویہ اور مفاد دیکھا تو انھیں بہت دھچکا لگا۔ آپ نے وہاں سے نکلنے کا ارادہ کر لیا، لیکن قاری صاحب کے منصوبے کی خبر ایجنسیوں کو ہو گئی اور انھوں نے قاری صاحب کو ایک کمرے میں بند کر دیا۔ جیسے تیسے کر کے قاری صاحب وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اس دوران قاری صاحب نے ایک خواب دیکھا۔

قاری صاحب کا خواب

قاری صاحب نے خواب دیکھا کہ آپ ایک کمرے میں ہیں اور چاروں طرف سے بچھوؤں نے گھیر رکھا ہے، بیدار ہو کر آپ نے ایک عجیب سی گھبراہٹ اور بے چینی محسوس کی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے اس گھیرے سے نکلنے کی دعا مانگنے لگے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور پھر آپ نے وزیرستان کی طرف ہجرت کی۔

وہ شام مجھے ابھی بھی اچھی طرح یاد ہے جب قاری صاحب سے پہلی مرتبہ میری ملاقات ہوئی۔ آپ کچے راستوں سے گرمی میں سفر کر کے آئے تھے، جس کی وجہ سے آپ کی حالت بہت خستہ معلوم ہوتی تھی۔ میں اس وقت تک نہیں جانتا تھا کہ آپ کا تعلق ہندوستان سے ہے، اور جو آپ کے اوپر بیتی تھی اس سے بھی میں واقف نہیں تھا۔ میں نے قاری صاحب سے فوراً پوچھا کہ گرمی زیادہ ہے اور آپ پر دھول مٹی کے اثرات بھی زیادہ ہیں۔ کیا آپ غسل کرنا چاہیں گے؟ قاری صاحب نے نفی میں سر ہلایا اور کمرے کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے اور ایم پی تھری میں بیان سننے میں مصروف ہو گئے۔ ہم نے سوچا شاید بھائی تھکے ہوئے ہیں اور کم گو بھی

ہیں اور طبیعتاً سنجیدہ بھی معلوم ہوتے ہیں۔ بعد میں ہمیں علم ہوا قاری صاحب تو بہت خوش مزاج اور گپ شپ لگانے والے بندے ہیں اور خوب ہنساتے ہیں، اور جب قاری صاحب شروع ہو جاتے ہیں تو ان سے کہنا پڑتا ہے کہ بھائی جان اب خاموش ہو جائیں، پیٹ میں شدید درد ہو گیا ہے۔

عسکری تربیت اور کسرتیں

قاری صاحب کو مطالعہ کے ساتھ ساتھ عسکری تربیت کا بھی بہت شوق تھا وہ اکثر کچھ نہ کچھ سیکھنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ جب قاری صاحب نے دورۂ تاسیسیہ (بنیادی تربیت) مکمل کیا تو قاری صاحب تمام ساتھیوں میں ڈنڈ نکالنے میں سب سے آگے تھے انھوں نے ایک منٹ میں پچپن (۵۵) ڈنڈ نکال کر اول پوزیشن حاصل کی۔ قاری صاحب نے تربیت کے دوران عجیب محبت و خدمت کا مظاہرہ کیا۔ پورا دن ورزش اور خدمت کے بعد جن ساتھیوں کو ٹانگ میں یا کسی جگہ درد کی شکایت ہوتی تھی تو آپ بڑی محنت و محبت سے زیتون کے تیل کی مالش کرتے تھے۔ دورۂ تاسیسیہ کے آخری دن قاری صاحب کے سارے نشانے دورانِ رمایہ (نشانہ بازی) ہدف پر ہی لگے۔ ایک مرتبہ میں نے قاری صاحب سے پوچھا کہ یار آپ قاری ہیں اور مطالعہ کا بھی آپ کو بہت شوق ہے، لیکن عسکریت کا آپ کو اتنا کیوں شوق ہے؟ انھوں نے کہا، یار میاں راشد! بات یہ ہے اگر دشمن کے خلاف زبان چلانے کا وقت آیا تو یہ زبان خوب چلے گی اور اگر ہاتھ پاؤں چلانے کا موقع ہاتھ لگا تو ان شاءاللہ اس سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔

تلاوت

قاری صاحب ایک بہترین قاری تھے آپ کو قرآن بہت اچھا حفظ تھا۔ اکثر ہم انھیں قرآن کی تلاوت کرتے دیکھتے تھے۔ رمضان المبارک میں قاری صاحب تراویح میں قرآن سنانے کا اہتمام کرتے تھے۔ ایک برمی بھائی، جن کو لوگ ریحان بھائی شہید کے نام سے جانتے تھے، ایک بار مجھ سے کہنے لگے کہ یار چلو قاری صاحب کے پاس چلتے ہیں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے، قاری صاحب سے قرآن سننا چاہتا ہوں، ان سے قرآن سننے کے بعد میری طبیعت بہت بہتر ہو جاتی ہے۔ قاری صاحب سے ہم نے بھی یہ درخواست کی کہ یار قاری صاحب آپ ہماری بھی تجوید درست کریں، قاری صاحب نے بڑی خوشی سے یہ کام سرانجام دیا۔ تو اس طرح مرحوم ہمارے استاد بھی تھے۔ لیکن قاری صاحب اس چیز کو زیادہ پسند کرتے تھے کہ ان سے بے تکلفی سے پیش آیا جائے اور ان کے ساتھ دوست کی ہی طرح مرکز میں رہا جائے۔

سر درد

قاری صاحب کو سر کے درد کی شکایت بہت رہتی تھی۔ ایک مرتبہ قاری صاحب کو اتنا شدید سر درد ہوا کہ بے چارے درد سے بدحال ہو گئے۔ بعد میں چیک اپ کے بعد یہ معلوم ہوا کہ قاری صاحب کے چشمے کا نمبر بڑھ گیا ہے جس کی وجہ سے ان کے سر میں شدید درد تھا۔ اللہ تعالیٰ مجھے مجاہدین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ لیکن صحیح معنیٰ میں قاری صاحب کی خدمت ہمارے ایک اور چھوٹے ساتھی نے کی۔ اللہ بھائی کی حفاظت فرمائے۔ کم عمر اور کم گو یہ بھائی انتہائی خدمت گزار ہیں۔ قاری صاحب اکثر رات کو ان بھائی کو جگا دیتے اور کہتے کہ بھائی میرے سر میں درد برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔ وہ بھائی ساری ساری رات قاری صاحب کا سر دباتا رہتا۔ ایک یا دو نظر کے چیک اپ کے بعد قاری صاحب کا سر درد جاتا رہا اور الحمد للہ شہادت تک ان کو دوبارہ سر درد کی شکایت نہیں ہوئی۔

میدانِ جنگ

یہ قندھار کے گرم محاذ ہیں جنھیں مجاہدین اپنا خون دے دے کر اور گرم کر رہے ہیں۔ طالبان کے سخت حملوں نے دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے۔ تعارض، کمین، توپ خانے اور مائن کاروائیوں نے دشمن کو اپنے کیمپوں میں محصور کر دیا ہے۔ کارروائی کے لیے طالبان ہمارے مرکز سے اکثر چار یا پانچ ساتھیوں کو تشکیل پر لے جاتے تھے۔ یہ گوریلا قسم کی کاروائیاں تھیں جسے مجاہدین کی ایک قلیل تعداد انجام دیتی تھی۔ تین ساتھی کلاشن کوف کے ساتھ، ایک راکٹ اور ایک پیکا کے ساتھ طالبان کی صفوں میں موجود رہتے تھے۔

تشکیلات کا موسم شروع ہوا، پہلے تعارض کی خبر امیر صاحب نے سب ساتھیوں کو دی۔ جسے سن کر سب ساتھی اللہ سے استقامت اور اپنے نمبر کی دعا کرنے لگے۔ پہلے تعارض میں قاری صاحب کا نام نہیں آیا جس سے قاری صاحب بہت اداس ہو گئے اور استغفار کرنے لگے کہ اللہ میرے گناہ تُو معاف کر اور مجھے اپنی راہ میں کھپا لے۔ تعارض میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو نصرت عطا فرمائی۔ ۱۰ یا ۱۲ دنوں میں ہی دوسرے تعارض کی ترتیب بن گئی۔ اللہ پاک امارتِ اسلامی کو مزید طاقت عطا فرمائے، طالبان کہاں اللہ کے دشمنوں کو چین سے بیٹھنے دیتے ہیں۔ **اس بات کا ثبوت تو امریکہ کے صدر 'صاحب' ٹرمپ نے بھی دیا ہے یہ کہہ کر کہ 'جس طرح ہمیں فٹ بال پسند ہے اسی طرح طالبان کو جنگ پسند ہے اگر یقین نہ آئے تو روس سے پوچھ لو'۔**

سر پر کفن باندھ کر، سینے پر جعبہ سجا کر، ہاتھوں میں بندوق اٹھا کر، یہ چلے قاری ہدایت اللہ، اللہ کے دشمنوں کو بتانے کہ تم لوگوں نے اللہ سے بغاوت کر کے دنیا و آخرت میں ذلت کا سامان اکٹھا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم باغیوں کو ہمارے ہاتھوں سے عذاب میں مبتلا کریں گے۔

میدانِ قتال میں مجاہدین صف آرا ہو گئے۔ قاری صاحب کی تشکیل ہشتاد دو (بیاسی ایم ایم قطر کی ہلکی توپ) کے گروپ کے ساتھ طے پائی۔ گھمسان کی جنگ شروع ہوئی گئی، مجاہدین نے اللہ کے فضل سے یکے بعد دیگرے حملے کر کے دشمن کا ستیاناس کر دیا۔ اور جیسے تیسے دشمن نے زیرِ زمین خندقوں میں گھس کر اپنی جان بچائی۔ لیکن طالبان نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو یہ واضح پیغام دے دیا کہ اس زمین پر صرف اور صرف اللہ کا دین ہی نافذ ہو گا۔ باطل نظام ایک لمحہ بھی برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ہم مرکز میں مجاہدین اور قاری صاحب کے لیے دعا گو تھے کہ اللہ پاک مجاہدین کو استقامت عطا فرمائے۔ شاید یہ قاری صاحب کا پہلا معرکہ تھا، واپسی پر قاری صاحب بہت مسرور تھے اور مرکز میں پہنچ کر پوری رات گزری اس جنگ کے حالات

سنانے میں۔ کچھ ہی عرصے بعد قاری صاحب کی تشکیل ہلمند کی طرف ہوگئی۔ ہلمند سے قاری صاحب نیمروز باطل قوتوں سے ٹکرانے چلے گئے۔ جلد ہی ایک معرکے میں قاری صاحب نے طالبان کے ساتھ دشمن کے قلعے پر ہلہ بول دیا۔ قاری صاحب کے ساتھ ہمارے پانچ سے چھ ساتھی تھے۔ اس قسم کی گوریلا کارروائیوں میں مجاہدین کی قلیل تعداد ہی دشمنوں پر حملہ کرتی ہے۔ جس کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرنا آسان ہوتا ہے۔ قاری صاحب کے پاس اس بار راکٹ لانچر تھا اور ساتھ ہی چھ گولے بھی تھے۔ مجاہدین نے جنگ شروع ہوتے ہی شیروں کی طرح دشمن پر شدید حملے کیے۔ قاری صاحب نے تاک تاک کر دشمن پر راکٹ داغے۔ قاری صاحب دشمن پر حملہ کرتے اور آگے بڑھتے جاتے اور ساتھ ساتھ یہ نعرہ بھی بلند کرتے جاتے کہ مجاہدو آگے بڑھو! دشمن پر حملہ کرو! اللہ اکبر اللہ اکبر!

ایک بھائی نے بعد میں قاری صاحب سے کہا کہ قاری صاحب جنگ میں پشتو بولنے والے مجاہدین کی تعداد زیادہ تھی اس لیے آپ نے پشتو میں نعرے لگانے تھے نا۔ قاری صاحب نے کہا ارے بھئی! جب جنگ شروع ہوئی تو میں یہ بھول گیا اور مجھے ایسا لگا کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن میرے سامنے ہیں اور مجھے انھیں ختم کرنا ہے۔ اس لیے میں اردو اور پشتو میں فرق نہ کر سکا۔

قاری صاحب کے ساتھ گزرے لمحات

قاری صاحب کے ساتھ میرا وقت رباط میں زیادہ گزرا۔ ہم اکثر ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت پر ہی گفتگو کرتے تھے۔ قاری صاحب مرکز میں ساتھیوں کا بہت خیال کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہمارے امیر صاحب کے سر میں شدید درد ہوا۔ دوائی لینے کے باوجود بھی سر کا درد تھا کہ کم ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ جب قاری صاحب کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے کہا کہ امیر صاحب میں آپ کے لیے سوجی کی ایک چیز بناتا ہوں جس کو کھا کر آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ قاری صاحب نے سوجی میں پیاز شامل کر کے امیر محترم کے سامنے پیش کیا۔ امیر صاحب کے ساتھ سارے ساتھی اس ظاہری 'حلوے' میں پیاز دیکھ کر حیران تھے اور یہ کہہ بھی اس کو حلوہ رہے تھے اور اس حلوے میں اوپر سے چینی کے بجائے نمک...... مزید اس پر قاری صاحب کا اصرار کہ یہ حلوہ میں نے بہت محنت سے بنایا ہے اور اس کو کھا کر آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ اب بے چارے امیر صاحب لگے دائیں بائیں دیکھنے، کہ ایک تو طبیعت خراب اور اوپر سے قاری صاحب کا نمکین حلوہ۔ امیر صاحب قاری صاحب کا دل بھی نہیں توڑ سکتے تھے اور حلوہ کھانے کی ان کی طبیعت بھی نہ تھی کرتے تو کیا کرتے؟ امیر صاحب نے تھوڑا سا حلوہ چکھا اور کہا لو بھئی میں بالکل ٹھیک ہو گیا۔ اس کے بعد قاری صاحب میری متوجہ ہوئے اور فرمایا یہ لو بھئی آپ بھی حلوہ چکھیں۔ میں ذرا قاری صاحب سے بے تکلف تھا میں نے کہا، قاری صاحب مجھے معاف کریں میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے یہ حلوہ آپ ہی کھائیں۔

ایک مرتبہ اوطاق میں طالبان کے ولسوال (ضلعی کمشنر) تشریف لائے، جو بعد میں ایک مائن کی زد میں آ کر شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائے، آمین۔ ہوا یوں کہ جب ہم رات کے کھانے سے فارغ ہو کر طالبان کو رخصت کرنے لگے تو اچانک سے قاری صاحب ولسوال شہید کی طرف بڑھے اور بڑی محبت سے <u>ستڑے ماشے</u> (پشتو کا ایک دعائیہ جملہ یعنی 'کبھی نہ تھکو') کہا اور کہا کہ انھیں کوئی چیز یادگار کے لیے تحفے میں دے دیں۔ قاری صاحب اصل میں برکت اور محبت کی وجہ سے ان سے کوئی چیز لینا چاہتے تھے۔ ٹھیک سات دن بعد وہ ولسوال شہید ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد جب طالبان کے ذمہ دار مرکز میں آتے تو ہم شغل میں قاری صاحب سے فرماتے کہ خدا کے لیے کوئی چیز ان سے یادگار نہیں مانگنی ہے۔ جسے سن کر قاری صاحب بہت ہنستے۔

گرمیوں کی راتوں میں گرمی کی شدت سے ہم اکثر اوطاق کے باہر صحن میں سوتے تھے۔ اس رات ہمارے استاد، ہمارے مہمان تھے۔ رات کو ہم کاموں سے فارغ ہو کر سبز چائے پینے کے ساتھ ساتھ گپ شپ کر رہے تھے۔ ایک ساتھی نے قاری صاحب سے ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت اور ہندوؤں کے ظلم کے حوالے سے گفتگو کی۔ گفتگو کرتے کرتے قاری صاحب نے کہا کہ جب ہندوستان میں ظالموں کے ہاتھوں کو کاٹا جائے گا اور ان کے غرور کو چکنا چور کیا جائے تو ہندو بنیے کی حالت دیکھنے والی ہو گی۔ پھر قاری صاحب نے مزاحیہ انداز میں کہا کہ جب مجاہدین ہندو ظالموں کی مار لگائیں گے تو مجاہدین کہیں گے لو بھئی حکومت کرو، ہندو جواب دیں گے نہیں بھئی، نہیں بھئی نہیں۔ پھر مجاہدین کہیں گے لو بھئی حکومت کر لو ناں۔ لیکن ہندو نفی میں ہی جواب دیں۔ یہ جواب سن کر سارے ساتھی خوب ہنسنے لگے۔

قاری صاحب کے پاس ایک چھوٹی سی کیتلی تھی۔ جس میں سمسوک کا قہوہ بنا کر اکثر ساتھی مغرب کی نماز کے بعد پیتے تھے اور گپ شپ کرتے تھے۔

شہادت

قاری صاحب نے آخر شہادت جیسی عظیم نعمت پالی، اللہ ان کی شہادت کو قبول کرے، آمین۔ قندھار میں ایک امریکی چھاپے کے دوران قاری صاحب نے جام شہادت نوش فرمایا۔ امریکیوں میں خوف وڈر کا یہ عالم تھا کہ بزدل فوج پوری رات، جیٹ جہاز، ہیلی کاپٹروں، ڈرون اور دیگر طیاروں سے بمباری کرتے رہے اور جب انھیں مکمل یقین ہو گیا کہ اب کوئی زندہ نہیں بچا، تب یہ 'بہادر' فوج میدان میں اتری۔ چھاپے کے بعد ہمارے ایک ساتھی تباہ شدہ مرکز پہنچے اور شہید بھائیوں کی تدفین کا کام انجام دیا۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ قاری صاحب کس حال میں تھے۔ تو سبحان اللہ بھائی نے بتایا کہ قاری صاحب کے سینے پر میگزین سے بھرا جعبہ اور ہاتھوں میں لوڈڈ بندوق تھی۔ قاری صاحب ایک بڑے پتھر کے پیچھے پوزیشن لے کر بیٹھے تھے کہ اگر دشمن کا سامنا ہوا تو اسے لگ پتہ جائے گا۔ لیکن دشمن مقابلہ کرنا تو دور کی بات شہید بھائیوں کے مبارک جسموں سے بھی ڈر گیا تھا۔

یوں شہدا کی فہرست میں ایک اور نام جڑ گیا تھا۔ جو اپنے آباؤ اجداد ٹیپو سلطان کے اس قول کو کہ شیر کی ایک دن کی زندگی، گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے کو عملی جامہ پہنا گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

آخری بات

پچھلے دنوں ایک رپورٹ نظروں سے گزری، جس میں ایک ایسی تصویر کا نظارہ ہوا جسے دیکھ کر میں بہت پریشان ہو گیا اور دل میں کئی سوالوں نے جنم لے لیا۔ ہندوستان کے صوبے کیرالا سے تعلق رکھنے والے اٹھانوے (۹۸) ہندوستانی افغان ملی فوج کے سامنے سرنڈر ہو گئے۔ یہ لوگ (کنڑ اور ننگرہار) کے علاقوں میں آباد تھے اور ان لوگوں کا تعلق داعش سے تھا جو امتِ مسلمہ کے خلاف فساد کر رہے تھے اور جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے امارت اسلامیہ نے ان داعشیوں کو شکست دی تو یہ لوگ حکومت کے آگے سرنڈر ہو گئے۔ اگر ہم اور آپ غور کریں کہ امارتِ اسلامیہ جس نے پوری دنیا کے مہاجرین مجاہدین کی میزبانی کی اور پوری دنیا کے کفار کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شکست دی اور جس کا مقصد نفاذِ شریعت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ جس نے بامیان کے بتوں کو توڑ کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ بت شکن ہیں بت فروش نہیں۔ جس نے شیخ اسامہ شہید کے ساتھ کھڑے ہو کر پوری دنیا سے جنگ کی ہو۔ تو خاکم بدہن بھلا ہماری زبانیں، ہماری بندوقیں ایسی امارت کے خلاف اٹھنی چاہیے یا ان کی مدد کے لیے؟ بھلا ہم سرنڈر جیسے خطرناک عمل کر کے کیا حاصل کریں گے۔ کیا اس سے ہماری جدوجہد کو تقویت ملے گی؟ یا اس سے ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے آسانی ہو گی؟ ایسے لوگوں کے ساتھ فساد کر کے، دشمن کے سامنے سرنڈر ہو کر صرف اور صرف دنیا اور آخرت میں ذلت ہی ذلت ہمارے مقدر میں آئے گی۔ ہندوستان جہاں پر ظلم و ستم، بے بسی، خوف و ڈر، غربت و لاچارگی، ذلت و رسوائی اور دین و نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی فضا پھیلی ہے۔ پھر کچھ لوگ کا گھروں سے جہاد کے نام پر نکل کر فساد کرنا، مسلمانوں کی مدد تو دور ان کے خلاف لڑ کر انھیں کمزور کرنے کی کوشش کرنا، یقیناً اس سنگین جرم ہے۔ ہندوستان یا دنیا کے کسی بھی خطے میں مسلمانوں کو مسلمانوں کی ضرورت ہے۔ تو ان کی مدد کی جائے نہ یہ کہ ان کے خلاف جنگ کی جائے۔

اے ہندوستان کے، بالخصوص جنوبی ہند سے تعلق رکھنے والے مسلمانو!

آپ اپنے آپ کو حق والوں کے ساتھ ملا لیجیے، میڈیا کے جال میں نہ آئیے بلکہ سب سے پہلے اللہ رب العزت سے اپنے تعلق کو مضبوط کیجیے۔ اللہ سے رو رو کر دعا مانگیے۔ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیجیے۔ اور سب سے اہم بات امت کو کاٹنے، نقصان پہنچانے یا تکفیر کرنے والوں سے بچیں۔ امت کے غم کو اپنا غم بنا لیجیے، ان کے خادم بن جائیے، ان میں اصلاح کی فکر کیجیے جس طرح آپ اپنے سگے بھائیوں کی اصلاح کرتے ہیں۔ امارتِ اسلامیہ کے جھنڈے تلے کشمیر کے چناروں کو اپنے خون سے ایسے رنگ دیجیے کہ کوئی اور رنگ اس پر نہ چڑھ سکے۔ جس کا اثر ہندوستان میں بھگوے (زعفرانی) رنگ کو پھیکا کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم امت کی مدد کرنے والے اور ظالموں کے ہاتھوں کو روکنے والے بن جائیں، آمین۔

★★★★★

آؤ سچ بولیں!

کھلا ہے جھوٹ کا بازار، آؤ سچ بولیں
نہ ہو بلا سے خریدار، آؤ سچ بولیں

سکوت چھایا ہے انسانیت کی قدروں پر
یہی ہے موقعۂ اظہار، آؤ سچ بولیں

ہمیں گواہ بنایا ہے وقت نے اپنا
بنامِ عظمتِ کردار، آؤ سچ بولیں

سنا ہے وقت کا حاکم بڑا ہی منصف ہے
پکار کر سرِ دربار، آؤ سچ بولیں

جو وصف ہم میں نہیں کیوں کریں کسی میں تلاش
اگر ضمیر ہے بیدار، آؤ سچ بولیں

چھپائے سے کہیں چھپتے ہیں داغ چہروں کے
نظر ہے آئینہ بردار، آؤ سچ بولیں

قتیلؔ جن پہ سدا پتھروں کو پیار آیا
کدھر گئے وہ گنہ گار، آؤ سچ بولیں

(قتیلؔ شفائی)

کچھ یادیں 2

ابرار احمد

اس تحریر میں کچھ ایسے واقعات ہیں جو مجھے کبھی نہیں بھولتے ان میں سے کچھ تو میرے ساتھ پیش آئے یعنی میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کچھ دوسروں سے سنے۔ یہ واقعات کسی خاص موضوع سے تعلق نہیں رکھتے؛ ان میں مجاہدین کے ایثار، بہادری، تقویٰ وغیرہ کے واقعات ہیں، کچھ انصار کے مہاجر مجاہدین کے ساتھ محبت کے قصے ہیں اور کچھ کافروں کے مظالم کی داستانیں بھی۔ بس ملے جلے واقعات ہیں، اللہ سے دعا ہے کے وہ اس تحریر کو اپنے حضور قبول فرما لے، آمین۔ (ابرار احمد)

تم جتنی بھی ٹیکنالوجی استعمال کرلو!

ہم ایک کارروائی میں کمین گاہ میں بیٹھے تھے کہ دشمن کہ دو جیٹ جہاز آگئے۔ ڈرون تو پہلے سے ہی گھوم رہا تھا۔ تمام مجاہدین ایک باغ میں منتشر ہو کر بیٹھ گئے کیونکہ اندیشہ تھا کہ ابھی جیٹ بمباری کرے گا۔ ہم دو ساتھی ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ ایک زوردار آواز گونجی۔ کافی فاصلے پر دھواں بھی دکھائی دیا، ہمیں اندازہ نہیں ہوا کہ کون شہید ہوا ہے؟ زبان پر اذکار اور تیزی کے ساتھ شروع ہوگئے کیونکہ ایسے وقت میں خوف ایک فطری چیز ہے۔ ہم اسی انتظار میں بیٹھے تھے کہ دوسری آواز کب آتی ہے کہ میں نے ایک عجیب منظر دیکھا جو آج بھی مجھے اس جوان کی بہادری کی یاد دلاتا ہے۔

میں نے دیکھا کہ ایک سترہ یا اٹھارہ سال کا لڑکا سامنے ایک چھوٹے سے ٹیلے پر چڑھا، اس کے کندھے پر ایک چادر تھی۔ اس نے اپنی چادر کو جھاڑا، نیچے بچھایا اور اس پر بیٹھ گیا اور لگا کرنے جیٹ کا نظارہ۔ اس کے چہرے پر تھوڑے سے بھی خوف کے آثار نہیں تھے۔ اسی اثنا میں جیٹ نے ایک اور میزائل فائر کیا۔ اس لڑکے نے اشارہ کر کے کہا: وہ سامنے مارا ہے۔ میں اور میرے ساتھ موجود ساتھی ہم حیران تھے کہ عجیب ہے کہ اس کو ذرہ برابر بھی ٹینشن نہیں ہے۔ جیٹ بمباری کرتا رہا مگر وہ لڑکا بدستور بیٹھا رہا اور ہمیں معلومات دیتا رہا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو اقوام، کفار سے جہاد کے لیے ثابت قدمی اختیار کرتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو حوصلہ بھی عطا فرماتے ہیں۔

اناس اذا لا قوا عدی فکانھا
سلاح الذی لا قوا غبارا السلاھب

”یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب دشمن سے ٹکراتے ہیں تو حریف کا اسلحہ ان کی نگاہوں میں گھوڑوں کا گرد و غبار معلوم ہوتا ہے۔“

افغانستان کے باشندوں کی یہ حمیتِ ایمانی ہی ہے جس کی وجہ سے کل کا متکبر فرعون آج گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوا ہے۔ یہ بہادری ایسے ہی کسی کو عطا نہیں ہوتی اس کے پیچھے ایک روشن تاریخ ہوتی ہے جو اس قوم کے بچے بچے کو دشمن سے بِھڑ جانے کا حوصلہ دیتی ہے اور آگے جتنی بڑی قوت بھی آئے ان کا صرف ایمان ہی بڑھتا ہے!

یا اللہ تو ہمارے انصار پر رحم فرما

یہ واقعہ انصار کا مہاجر مجاہدین سے محبت کے متعلق ہے جو مجھے ایک ساتھی نے سنایا۔ وہ ساتھی ادھر خود موجود تھے اور انہوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس نے کہا کہ ہم کچھ ساتھی جن میں قاسم بھائی (کماندان خرم سعید کیانیؒ) بھی موجود تھے ایک انصار کے گھر گئے۔ ہم لوگ انصار کے مہمان خانے میں رات سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ میں کسی کام سے باہر نکلا۔ جب میں نکلا تو انصار موجود تھے۔ کمرے سے روشنی بھی تھوڑی تھوڑی باہر آ رہی تھی۔ میں چونکہ اندھیرے میں تھا اس لیے کمرے والے ساتھیوں کو میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ جو ہمارے انصار تھے وہ کمرے سے نکلے انہوں نے دروازہ بند کیا اور آہستہ سے نیچے جھکے۔ میں نے سوچا کچھ گر گیا ہو گا وہ اٹھا رہے ہوں گے۔ لیکن یہ کیا انہوں نے ایک ساتھی کا جوتا اٹھایا اسے چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ اس کے بعد انہوں نے دوسرا جوتا اٹھایا اس کے ساتھ بھی وہی کیا۔ انہوں نے تقریباً سارے جوتوں کا بوسہ لیا اور پھر آہستہ سے اپنے گھر کو روانہ ہو گئے، شاید یہ سوچتے ہوئے کہ انہیں کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ مگر اللہ نے تو یہ منظر ضرور دیکھا ہو گا اور ان شاءاللہ مجاہدین سے اس محبت کے بدلے ان کو آخرت میں اپنی رضا سے نوازے گا۔

میرے مجاہد بھائیو! یہ انصار ہم سے محبت کے بدلے تو ان شاءاللہ جنت میں ضرور جائیں گے۔ یہ سادہ دل لوگ ہیں۔ لیکن ہمارے لیے سوچنے کا مقام یہ ہے کہ کیا ہم اس معیار پر پورا اترتے ہیں جیسا یہ ہمیں سمجھتے ہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تو ہماری خدمت کرنے کی وجہ سے جنت کے اعلیٰ درجوں پر پہنچ جائیں پر ہم ان سے بہت پیچھے رہ جائیں۔

اے خطۂ ’خراسان‘ کے سادہ مزاج لوگو!

ایک بھائی بتا رہے تھے کہ ایک دفعہ کسی سفر سے واپسی پر ان کا کسی کے مکان پر رکنا ہوا۔ ہم تمام ساتھی مہمان خانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ گپ شپ چل رہی تھی۔ جو ذمہ دار ساتھی تھے وہ کوئی چیز لینے کے لیے گاڑی کی طرف گئے۔ وہ گاڑی کے قریب جیسے ہی پہنچے انہوں نے دیکھا کہ ایک بزرگ خاتون گاڑی کے قریب بیٹھی تھیں اور اپنی چادر سے گاڑی کے ٹائر صاف کر رہی تھیں کیونکہ ٹائروں پر کیچڑ لگا ہوا تھا۔

وہ خاتون جنگ تو نہیں کر سکتی تھیں لیکن شاید جہاد میں اپنا حصہ ڈالنا چاہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی نیت کا اجر دیں۔ گاڑی کے ٹائر صاف کرنے سے شاید گاڑی پر کوئی فرق نہیں پڑا ہو گا مگر اللہ تعالیٰ نیت کا بھی اجر دیتے ہیں اور اپنی استطاعت کے بقدر سعی کرنا تو ضروری ہے۔ ہم اگر کچھ بھی نہیں کر سکتے، ان خاتون سے بھی کمزور ہیں اتنا تو کر سکتے ہیں کہ مجاہدین کی کامیابی کے لیے دعا ہی کر لیا کریں۔ پتا نہیں اللہ کو کسی کا یہ چھوٹا سا عمل پسند آ جائے۔

اللہ نے اس قوم کو عجیب خصوصیات عطا فرمائی ہیں ابھی آج کا ہی واقعہ ہے یہ بھی قارئین کو سنائے دیتا ہوں۔

کل ہمارے مرکز میں ایک بزرگ آئے، ویسے ہی گپ شپ کرنے کے لیے، جو ادھر کے لوگوں کا معمول ہے۔ ان کی موجودگی میں ساتھی نے ویسے ہی دوسرے ساتھی سے کہہ دیا کہ یار لکڑی بھی ختم ہو گئی ہے۔ وہ بابا جی بھی سن رہے تھے۔ اس وقت تو انہوں نے کچھ نہیں کہا بس سرسری انداز میں پوچھا کہ آپ لوگوں کی لکڑی ختم ہو گئی ہے؟ ہم نے بھی اثبات میں جواب دیا۔ آج صبح ہم ناشتہ کر کے بیٹھے ہی تھے کہ وہ حاجی صاحب اپنا گدھا جس پر لکڑیاں لدی ہوئی تھیں لے کے آ گئے۔ میں ان کو دیکھتا ہی رہا اور سوچنے لگا کہ اللہ نے ان دشتوں، صحراؤں اور پہاڑوں میں بیٹھے لوگوں کو کیسا جذبۂ ایمانی عطا فرمایا ہے۔ کسی دنیاوی غرض کے بغیر مجاہدین کی خدمت کے لیے تیار رہتے ہیں اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جب وہ لکڑی لائے تو مستقل ہمیں ایسی تواضع سے دعاؤں کا کہتے رہے کہ ہم شرمندہ ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ بابا جی کے ساتھ ہمیں جنت الفردوس میں اکٹھا فرمائیں، آمین۔

یا اللہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بس تو قبول فرما لے

قندھار کہ ایک علاقے میں ہم لوگ دشمن کی ایک چوکی پر حملے کے لیے گئے۔ دشمن کا مورچہ ایک پہاڑ پر تھا۔ اس جنگ میں میرے ساتھ استاد بلال[1] اور صابر بلوچ (جو ایک امریکی چھاپے میں استاد بلال کے ساتھ قندھار کے مقام شراوک میں شہید ہوئے) بھی تھے۔ میں قارئین کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ صابر بھائی کے ایک بھائی بھی ان کے ساتھ شہید ہوئے تھے جن کے دونوں ہاتھ نہیں تھے۔ جن بھائی کے دونوں ہاتھ نہیں تھے یہ سہیل بھائیؒ (انجینئر عادل بھائی) کے شاگرد تھے۔ ان کا نام سجاد تھا اور ان کے ہاتھ سنہ ۲۰۱۰ء میں بارود کا تجربہ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں کے نہ ہوتے ہوئے بھی تقریباً چھ سال جہاد میں مصروف رہے اور مصنوعی ہاتھوں سے بعض جہادی خدمت کے کام کرتے رہے۔ آخر کار اللہ نے ان کو شہادت سے نوازا۔

تو میں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک کارروائی پر گئے۔ دشمن کے مورچے کے قریب پہنچ کے ہم نے ہی سب سے پہلے حملہ کرنا تھا۔ پھر دوسری طرف سے ساتھیوں نے دشمن کی چوکی میں گھسنا تھا۔ جیسے ہی ہماری طرف سے پہلا راکٹ فائر ہوا جو مورچے کے قریب ہی لگا تو راکٹ فائر ہوتے ہی دشمن کی طرف سے جوابی فائر آنا شروع ہو گیا جو کہ بہت سخت تھا۔ ہمارے اور دشمن کے درمیان تقریباً پچاس میٹر کا فاصلہ تھا۔ جوابی فائر اتنا زیادہ تھا کہ ہم سر بھی نہیں اٹھا پا رہے تھے۔ ہمارے ساتھ ایک اور پاکستانی مجاہد بھی تھے جو مقامی مجاہدین کے ساتھ تھے۔ وہ اللہ سے رو رو کر دعا کرنے لگے کہ یا اللہ مجھے قبول فرما لے اور کھڑے بھی ہو گئے۔ ہمیں یقین تھا کہ ان کو کوئی گولی لگ جائے گی مگر اللہ تعالیٰ نے جس کی موت نہ لکھی ہو اسے کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مگر اس بھائی کی شہادت کی اس تڑپ اور بہادری کو دیکھ کے ہم سب ساتھی بہت حیران ہوئے۔ کارروائی کے امیر صاحب نے ہمیں پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ وہ مورچہ تو فتح نہ ہو سکا مگر یہ واقعہ ہمارے لیے ایک مثال ہے کہ اللہ نے موت جنگ میں نہیں رکھی۔ ہر انسان کا وقت معیّن ہے۔ اس جوان کی مجھے آج بھی یاد آتی ہے کہ اس سخت وقت میں بھی اس کا اللہ سے کیسا تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی ایسی محبت عطا فرمائیں، آمین۔

جتنی تیاری ہو بس نکلو!

ہم لوگ کارروائی میں ایک دفعہ کچھ ساتھیوں کے دفاع پر بیٹھے تھے، جو ایک ولسوالی (گومل) پر حملے کے لیے گئے تھے۔ مجاہدین دشمن کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ہمیں پتا چلا کہ پوسٹ کی مدد کے لیے کچھ ٹینک نکلے ہیں۔ ہمارے مجموعے کے جو امیر تھے انہوں نے کہا کہ تمام ساتھی اپنے اپنے مورچوں میں پہنچ جائیں۔ ہمارے مورچے میں مقامی اور مہاجر ساتھی اکٹھے تھے۔ ٹینک قریب آ رہے تھے۔ اسی اثنا میں میرے پاس ایک ساتھی آیا جو مقامی مجاہد تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ کلاشنکوف کا برسٹ (گولیوں کی بوچھاڑ) کیسے مارا جاتا ہے اور سنگل فائر کہاں سے کیا جاتا ہے؟ میں نے اس کو بتا تو دیا مگر میں حیران تھا کہ نہ کوئی تیاری نہ کوئی سبب بس اللہ کی راہ میں یہ کیسے نکل آئے بس ایک پکار پر......

یاد رہے کلاشن کا برسٹ یا سنگل فائر ابتدائی تربیت میں ہی سکھایا جاتا ہے۔ ہم نے بارہا یہ مشاہدہ کیا کہ جنگ میں ایسے لوگ آئے ہوتے ہیں جن کو بندوق بھی چلانی نہیں آتی اور بندوق چلانا وہ جنگ میں ہی سیکھتے ہیں۔ سبحان اللہ، یہ بھائی جس نے ہم سے پوچھا تھا وہ اسی جنگ میں ہی شہید ہو گئے۔ ایک ڈرون نے ان کو نشانہ بنایا اور یہ خلدِ بریں کی طرف پرواز کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے برّصغیر کے مسلمانوں کو بھی یہ توفیق عطا فرمائے کہ جن کی تیاری مکمل ہی نہیں ہو رہی کہ وہ بھی کچھ نہ کچھ تیاری کر کے نکل ہی آئیں۔

[1] استاد بلال؛ جنہوں نے سرگودھا میں آئی ایس آئی کے ایک بریگیڈیئر کو مارا تھا اور اس کارروائی کی ویڈیو بہت مشہور ہوئی تھی اور یہ ویڈیو ادارہ السحاب برّصغیر کی ویڈیو نیوز رپورٹ الحدید میں بھی دکھائی گئی ہے۔

داعش کے خلاف جنگ کی روداد

امارتِ اسلامیہ افغانستان کے دستوں میں شامل ایک مہاجر مجاہد کے قلم سے

حافظ معاذ بدر

گل خان مائن پر چڑھ گیا

ہم مخابرے پر کان لگا کر ساری کارروائی سن رہے تھے۔ اچانک آواز آئی گل خان مائن پر چڑھ گیا۔ گل خان صوبہ ارزگان کا رہنے والا تھا اور نہایت ہنس مکھ طالب (مجاہد) تھا۔ سارے محبت سے اسکو 'لالا بریتو' کہتے تھے کیونکہ اس کی بڑی مونچھیں تھیں اور پشتو میں مونچھوں کو بریت کہتے ہیں۔ وہ داعشیوں کی طرف سے بچھائی گئی ایک مائن (بارودی سرنگ) پر چڑھ گیا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں تقریباً اڑ چکی تھی اور اس کو تکلیف کا احساس نہیں تھا۔ مگر ذہن میں ایک خیال کلبلا رہا تھا جس کی تکرار وہ ساتھی مجاہدین سے بار بار کر رہا تھا کہ مجھے بھول کر نہیں جانا (کیونکہ اگر زخمی مجاہدین طالبان داعشیوں کے ہاتھ لگتے تو داعشی ان کو ذبح کر دیتے تھے)۔ گل خان کو ساتھی اٹھا کر تھوڑا دور لے کر آگئے، پھر گاڑی والے آئے اور اس کو اٹھا کر طالبان کے علاقے کی طرف بنی عارضی ڈسپنسری کی طرف لے گئے۔ انہوں نے عارضی طبی امداد کے بعد زخمی کو آگے بھیج دیا مگر گل خان راستے میں خون زیادہ بہنے کی وجہ سے شہید ہو گیا، نحسبه كذلك !

گل خان کے علاوہ کچھ اور مجاہدین بھی مائن پر چڑھ گئے تھے۔ وہ بھی راستے میں خون بہنے کی وجہ سے شہید ہو گئے۔

اب رات ختم ہو رہی تھی۔ صبح ہوتے ہی طالبان دو دو، چار چار کی ٹولیوں میں واپس آنا شروع ہو گئے۔ ہم نے ٹھنڈے یخ پانی سے وضو کر کے صبح کی نماز پڑھی اور میں نے جلدی جلدی اذکار کیے اور دعائے انس بن مالک رضی اللہ عنہ پڑھی اور دیگر حفاظت کی دعائیں بھی پڑھیں۔

میں صبح کے اذکار کر کے فارغ ہو چکا تھا اور رات والا گروپ بھی واپس آچکا تھا اور ابھی ہم نے روانہ ہونا تھا۔ اذکار کر کے فارغ ہوئے ہی تھے کہ تھوڑی دیر بعد گاڑی آئی اور ہم چھ ساتھیوں کو جن میں تین ہماری جماعت کے ساتھی شامل تھے لے کر اگلے مورچوں پر چلی گئی۔

جب ہم جا رہے تھے تو رات کو تعارض (اقدامی حملہ کرنے) والے کچھ ساتھی راستے میں ملے۔ ساری رات جنگ کرنے کی وجہ سے تھکن سے ان کا برا حال تھا اور آنکھیں بے خوابی کا شکار تھیں۔ ابتدائی سلام دعا کے بعد انہوں نے ہمیں رخصت کیا اور چلے گئے۔ گاڑی والے نے ہمیں جنگی مسئول کے حوالے کیا۔ اس مسئول نے ہمیں ایک اور مسئول کے حوالے کیا۔ اس ذمہ دار نے ہمیں ایک تنگ گلی میں بٹھا دیا اور کہا اگلے مورچوں سے جب ضرورت ہو گی تو میں آپ کو آگے بھیج دوں گا۔ اس گلی کے پیچھے دو مورچے تھے۔ وہ رات کو داعشیوں سے چھڑائے گئے تھے۔ یہ وہی مورچے تھے جہاں پر ایک داعشی نے اپنے آپ کو اڑایا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اگلے مورچوں سے دو ساتھیوں کا بلاوا آگیا۔ ذمہ دار نے مجھے اور ہمارے دوسرے ساتھی حسین بھائی کو آگے بھیج دیا۔ تیسرے ساتھی معاویہ کو ادھر ہی ہم نے طالبان کے پاس چھوڑ دیا۔

تنگ گلی میں جنگ

ہم جب اس گلی کے آخر میں پہنچے تو طالبان پتھروں کی آڑ لے کر سنائپر اور پیکا سے سامنے نظر آنے والے مورچوں کی طرف فائر کر رہے تھے۔ ہم جب پہنچے تو ہمیں کہا گیا کہ داعشی دن کو تعارض کرتے ہیں۔ آپ لوگوں نے ان کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنی ہے ہم کل چھ مجاہد تھے اور ہم نے ایک گلی میں بیٹھ کر ان کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھی ہوئی تھی ہماری سامنے والی چوٹی پر بھی طالبان مورچے بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

معاویہ مائن پر چڑھ گیا

اس تنگ گلی میں بیٹھے ہوئے کچھ دیر ہوئی تھی کہ اتنے میں ایک طالب نے آکر بتایا آپ لوگوں کا ایک ساتھی معاویہ مائن پر چڑھ گیا ہے۔ تفصیل بتاتے ہوئے اس نے کہا وہ پہاڑ پر بیٹھے ہوئے طالبان کی طرف جا رہا تھا تو راستے میں اس پر مائن پھٹ گئی۔ اس کو ایک اور طالب اٹھانے کے لیے آیا تو اس پر بھی مائن پھٹ گئی اور اس کی دونوں ٹانگیں شدید زخمی ہو گئیں۔ زیادہ خون بہنے کی وجہ سے وہ راستے میں شہید ہو گیا ان دونوں کو تیسرے مجاہد نے اٹھانا چاہا اس پر بھی مائن پھٹ گئی اور اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ تقریباً انگلیاں اڑ چکی تھیں جو بعد میں ڈاکٹروں نے کاٹ دیں۔

داعشیوں کا تعارض

ہم اس تنگ گلی میں بیٹھے ان کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ طالبان وقفے وقفے سے ان کے مورچوں کی طرف فائرنگ کر رہے تھے۔ ظہر کی نماز ہم نے تیمم کر کے اپنے مورچوں میں ادا کی۔ تقریباً تین بجے داعشیوں نے اچانک چوٹی پر بیٹھے ہوئے طالبان پر حملہ کر دیا۔ داعشیوں کا تعارض کا طریقہ عجیب تھا۔ لڑنا تو ان کا مقصد نہیں تھا صرف زچ کرنا مقصد تھا۔ اچانک تعارض کرتے اور غائب ہو جاتے۔ پہلے کچھ داعشی لائن بنا کر آتے، کلاشن سے جنگ کرتے پھر وہ ہٹ جاتے۔ پھر پیکا والے آجاتے وہ کچھ دیر جنگ کرتے پھر وہ ہٹ جاتے۔ پھر راکٹ والے آتے، وہ جنگ کرتے پھر بھاگ جاتے۔ اس طریقۂ جنگ نے طالبان کو مستقل پچھلے پانچ ماہ سے تنگ کیا ہوا تھا۔ مگر اب صورت حال بدل چکی تھی۔ تینوں اطراف میں طالبان تھے۔ داعشی جو نہی تعارض کے لیے آگے بڑھے تو سامنے پہاڑ پر لگی داعشیوں کی زیکویک (اینٹی ایئر کرافٹ گن) نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ گولیاں ہمارے اوپر سے جا رہی تھیں لیکن طالبان تیار تھے اور انہوں نے جوابی جنگ شروع کر دی۔ داعشی بالکل جم کر نہیں لڑ سکے اور

اپنے دو ہلاک شدگان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ میں جس مورچے میں تھا اس میں میرے علاوہ دو طالب اور تھے۔ میں نے تقریباً سات کے قریب کلاشن کے میگزین چلائے (کلاشن کوف کے ایک میگزین میں تیس گولیاں ہوتی ہیں)۔ میرے ساتھ والے بھائی نے بھی تقریباً اتنے ہی راؤنڈ فائر کیے۔ جس قطار میں ہم جنگ کر رہے تھے اس قطار میں اور طالبان بھی اپنے مورچے بنا کر جنگ کر رہے تھے۔ دور سے زیکو یک کی گاڑیاں بھی فائر کر رہی تھیں۔ ہمارے برابر والے مورچے سے اچانک ایک طالب جنگ کے دوران اپنے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے اپنی پیکا چھوڑ کر بھاگ گیا۔ بعد میں پتا چلا وہ زخمی ہو گیا تھا اس کے ہاتھ پر گولی لگی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی پیکا چھوڑ پیچھے چلا گیا۔ اب اس طالب کی پیکا بھی ہمارے مورچے میں آگئی۔ پیکا دوسرے طالب نے لی اور اس کے پاس موجود امریکی بندوق میرے پاس آگئی۔ میں کبھی اپنی بندوق سے فائر کرتا کبھی اس کی امریکی بندوق سے۔ گولیاں وافر مقدار میں موجود تھیں اس لیے ایمونیشن ختم ہونے کی کوئی فکر نہیں تھی۔ امر بھی آچکا تھا کہ گولیوں کی فکر نہیں کرو۔ تھوڑی دیر پہلے ایک ساتھی ہمارے پاس بڑی چادر میں گولیاں چھوڑ کر جا چکا تھا خیر کچھ دیر کی شدید جنگ کے بعد داعشی پسپا ہو گئے۔ لیکن مجاہدین وقفے وقفے سے ان عمارتوں کی طرف فائرنگ جاری رکھے ہوئے تھے جن میں داعشیوں نے پناہ لی ہوئی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے تھوڑی دیر بعد ایک طالب ہشتاد دو (ہلکی توپ) لے کر آگیا اس نے تین گولے نشانہ لے کر ان کی طرف داغے جو سیدھے مورچوں میں جا کر لگے، الحمدللہ!

داعشیوں کا پسپا ہونا

داعشی اس علاقے میں اب ہر طرف گھیرے میں آچکے تھے یہ بات طالبان کو مخابرے پر داعشیوں کی گفتگو سننے سے معلوم ہوئی۔ داعشی اپنے مسئول کو یہ کہہ رہے تھے 'ہماری ترتیب بناؤ...... ہم پھنس چکے ہیں...... ہمارے نکلنے کی ترتیب بناؤ'۔ ان کے مسئول نے جواب دیا 'محاصرہ بہت سخت ہے رسائی بہت مشکل ہے اپنی ترتیب خود بناؤ'۔

فائرنگ کا سلسلہ تقریباً رک چکا تھا۔ کبھی کبھی گولی چلنے کی آواز ماحول کی خاموشی کو توڑ دیتی۔ عصر کی نماز سے تھوڑی دیر پہلے اچانک سامنے والے گھر سے ایک داعشی نے چھت پر کھڑے ہو کر پیکا سے فائرنگ کرنے کی کوشش کی لیکن اس کو یہ کوشش مہنگی پڑی۔ طالبان نے تینوں اطراف سے اس پر فائر کھول دیا۔ میں نے بھی بغیر کوئی وقفہ کیے ایک میگزین اس کی طرف فائر کر دیا۔ 'ٹھک' کی آواز سے پتا چلا کہ میگزین خالی ہو چکا تھا۔ میں نے جلدی سے میگزین اتار کر دوسرا میگزین لگا لیا۔ داعشی فوراً نیچے اتر گیا لیکن اس کی لوکیشن (مقام) معلوم ہو گئی تھی۔ اس کا طالبان کو رات کی تلاشی میں بہت فائدہ ہوا۔

حضرت عمر بن عبسہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''جو شخص اسلام میں بوڑھا ہو گیا تو قیامت کے دن وہ بڑھاپا اس کے لیے نور کی شکل میں ہو گا اور جس نے اللہ کے راستے میں ایک تیر مارا وہ دشمن تک پہنچا یا نہ پہنچا تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملے گا اور اس غلام کا ہر عضو اس کے ہر عضو کو دوزخ سے بچانے کا ذریعہ ہو گا۔''

عصر کی نماز تقریباً قضا ہونے کو تھی جب ہم تینوں ساتھیوں نے باری باری اپنی جگہ پر تیمم کر کے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ مجھے رہ رہ کر غزوۂ احزاب یاد آرہا تھا کہ کس طرح شدید جنگ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی نمازیں قضا ہو گئی تھیں۔ آپ نے مشرکین کو بد دعا دیتے ہوئے کہا تھا، اللہ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ میں نے بھی دل ہی دل میں ان بد بختوں کے لیے بد دعا کی جن کی وجہ سے ہماری نمازیں قضا ہوتے ہوتے رہ گئی تھیں اور جن کے فساد برپا کرنے کے سبب ہمارا اصلی دشمن اپنے کیمپوں میں بیٹھ کر آرام سے اس سال کی کارروائیوں میں اپنے بچ جانے کی خوشیاں منا رہا تھا، اناللہ وانا الیہ راجعون!

دن والے مجموعے کی واپسی

مغرب کی نماز اپنے مورچوں میں ادا کرنے کے بعد ہمیں واپس پیچھے بلا لیا گیا کیونکہ رات کو تعارض والے ساتھی آگئے۔ جب ہم پچھلے مورچوں کی طرف آئے۔ تو ہمیں ادھر ہی بٹھا دیا گیا کہ اگر رات کو کوئی زخمی ہو جائے تو اس کو پیچھے کی طرف لے جایا جا سکے۔ سارا دن فائرنگ کی وجہ سے میرے کان بالکل کام نہیں کر رہے تھے۔ اس میں سب سے بڑا کمال میرے پاس موجود کلاشن کا تھا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ اس کی بیرل زنگ کے سبب خراب ہو چکی تھی۔ وہ جب چلتی تو ایسے لگتا جیسے کوئی توپ چل رہی ہو۔ اس نے دوسرے ساتھی حسین کی بھی سماعت پر کافی اثر ڈالا۔ کبھی کبھی اس کا ٹرائیگر لاک بھی کھل جاتا جس کو میں اپنے ساتھ رکھے پتھر سے ٹھونک کر ٹھیک کر لیتا۔ سبحان اللہ! یہ ہے وہ اسلحہ جس سے امریکہ اور ان کے حواریوں کو شکست ہوئی اور ان داعشیوں کو بھی۔ اصل میں حقیقت یہ ہے کہ داعشیوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے شکست ہوئی۔

رات کا تعارض (دھاوا)

رات کو تعارض والا گروپ آیا۔ اس میں ہمارا ایک ساتھی حاجی الیاس بھی شامل تھا۔ اس کے پاس نائٹ وژن بھی تھی۔ اس گروپ کے ذمے رات کو پیش قدمی بھی تھی تاکہ آگے بڑھ کر علاقے کو بازیاب کرایا جائے۔ ساتھی اس جگہ پہنچے جس جگہ ہم بیٹھے تھے۔ سلام دعا کے بعد ساتھی آگے جانے لگے، تو میں نے حاجی الیاس سے پوچھا آپ کو دعائے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ آتی ہے تو اس بھائی نے جواب دیا نہیں آتی۔ میں نے جلدی جلدی اس کو دعا پڑھوائی۔ ساتھی جانے لگے تو میرے دل سے دعا نکلی یا اللہ ان کی حفاظت فرما اور ان کو صحیح سلامت لوٹا دے۔ خیر ساتھی آگے چلے گئے۔ اللہ اللہ کر کے ہم نے ادھر ہی کھلے آسمان کے نیچے رات گزاری۔ صبح جب ساتھی واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ رات کو کسی جگہ بھی مزاحمت نہیں ہوئی داعشی وہ علاقہ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور نہ ہی رات کو کسی ساتھی کے مائن پر چڑھنے کا واقعہ پیش آیا۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

اونٹ اور صحرا

پہلا سفر

معین الدین شامی

یہ ایک سال میں پیش آنے والے تین اسفار کی کہانی ہے۔ پہلا سفر پاکستان و افغانستان کے سرحدی علاقے کے صحرا میں پیش آیا، دوسرا ہلمند کے صحرا میں اور تیسرا افغانستان کے برفاب پہاڑوں اور دشتوں میں پیش آیا۔ رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفہوم تو سن رکھا تھا کہ جب ایک شتربان کو اس کا اونٹ گم جانے کے بعد ملا تو وہ ساری کائنات کے پالنے والے کی مدح وثنا میں بے ساختہ، فرطِ جذبات میں کہہ بیٹھا کہ "اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا ربّ!"، غالباً روایت میں آتا ہے کہ یہ سن کر اللہ پاک اس شخص کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ اکثر سوچتا تھا کہ یہ فرطِ جذبات کیا ہوتے ہوں گے کہ خوشی سے نڈھال انسان ایسے الفاظ کہہ جائے۔ یہاں تک کہ چند اسفار جو میری دانست میں اس سے ملتے جلتے تھے پیش آ گئے۔

پہلا سفر جب پیش آیا اور میں اپنی منزلِ مقصود کے قریب پہنچ گیا تو ارادہ تھا کہ اس سفر کی کہانی لکھوں گا، لیکن موقع نہ مل سکنے کے سبب یہ کام نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ چند ہی ماہ بعد دوسرا سفر درپیش ہوا، جس میں ایک آزمائش پیش آئی۔ اس آزمائش سے سرخرو ہوتے ہی ہمارے شہید شیخ اور قائد، حسین بھائی نے کہا کہ نوائے افغان جہاد (مجلّہ نوائے غزوۂ ہند کا سابقہ نام) کے لیے اس سفر کی کہانی لکھ دیجیے۔ تیسرا سفر حال ہی میں پیش آیا[29] جس پر پکا ارادہ کیا کہ اس بار ان تینوں اسفار کو اکٹھا لکھوں گا۔ سو سفر نامۂ مختصر پیش ہے۔

انتساب

اس مختصر سفر نامے کا انتساب، میں دو شہید مجاہدین کے نام کرتا ہوں۔ سو ان دونوں مجاہدین کے متعلق چند کلمات لکھنا صائب معلوم ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ یہ کلمات لکھنا باعثِ برکت ہو گا۔ سب سے پہلے یہ تحریر اپنے شہید بھائی جان، رانا عمیر افضال رحمہ اللہ ہی کے نام کرتا ہوں، جنہوں نے مجھے دوسرے سفر میں پیش آنے والے حالات کو قلم بند کرنے کا کہا۔ رانا عمیر افضال کو میدانِ جہاد اولاً حسین اور ثانیاً مزمّل کے ناموں سے جانتا ہے۔ حسین بھائی قریباً ڈیڑھ دہائی سے زیادہ مصروفِ جہاد رہے۔ ان کا تعلق مرکزی جماعت القاعدہ سے وابستہ ایک مجموعے سے تھا جس کے امیر فیصل آباد سے تعلق رکھنے والے ہارون بھائی رحمہ اللہ تھے۔ ہارون بھائی کی شہادت کے بعد حسین بھائی اس مجموعے کے امیر بنائے گئے۔ سنہ ۲۰۱۱ء میں کلیتاً قبائل و افغانستان کی جانب ہجرت کر کے آنے کے بعد حسین بھائی نے اپنی اِمارت، مجموعے سے وابستہ افراد و اموال غرض جملہ وسائل، جہاد کو تقویت پہنچانے کی خاطر شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق کے سپرد کر دیے اور ان کے مجموعے میں ضم ہو گئے۔ آپ پاکستان و برّصغیر میں القاعدہ کے اعلام کے کام کو "تکنیکی"[30] طور پر کھڑا کرنے والے دو حضرات[31] میں سے تھے۔ اس کے علاوہ عربی السحاب کے نشر و اشاعت کے شعبے کو بھی طویل زمانے تک دیکھتے رہے۔ القاعدہ برّصغیر کے قیام کے بعد اس کی مرکزی شوریٰ کے رکن رہے اور جماعت کے رابطہ کاری کے شعبے کے مسئول بھی رہے، اس شعبے سے متعلق احباب آپ کو شیخ مصطفیٰ عبد الکریم کے نام سے پکارتے ہیں۔ آپ کی داڑھی اور سر میں وقت کے ساتھ مستقل چاندی اتر رہی تھی۔ صحت کے بہت سے مسائل تھے لیکن آپ کا عزمِ جواں آپ کو جوانوں جیسے کاموں کو کرنے پر مستقل آمادہ رکھتا، جن میں ایک کام، طویل اور کٹھن سفر کرنا تھا۔ عید الفطر ۱۴۳۹ھ کے موقع پر، امتِ مسلمہ کے ہر دن کو عید بنانے کی خاطر، امریکی و افغانی فوجیوں کی گولیوں سے اپنا کشادہ سینہ چھلنی کروا کر، آپ بارگاہِ الٰہی میں سرخرو پہنچے۔ آپ کا مرقد ہلمند کے ایک دشت میں ہے جہاں کل صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم کے قدم پڑے تھے۔

ثانیاً اس مختصر سفر نامے کا انتساب میں اپنے شہید ساتھی عادل رحمہ اللہ کے نام کرتا ہوں۔ جن کے عزمِ صمیم کے خیال نے میرا تیسرا سفر آسان بنا دیا۔ ان کا تعلق زندہ دِلان کے شہر لاہور سے تھا، اصل نام اعتصام اور قوم وٹّو تھی۔ آپ سالِ رفتہ[32] کے دسمبر کی ۲۸ تاریخ کو خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے اور آپ کے ہمراہ مولوی حنیف ملا ناڈیرہ وال، مفتی ساجد اور کراچی کے بھائی حسّان فہد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین مقامِ شہادت پر فائز ہوئے۔

پہلا سفر

راہِ جہاد میں کئی بار ایسی مشکلیں پیش آتی ہیں جن کے سبب اپنے وطن سے بندہ نکالا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا: "وَأُخۡرِجُواْ مِن دِيَٰرِهِمۡ وَأُوذُواْ فِي سَبِيلِي" جو لوگ نکالے گئے اپنے وطن سے اور تکلیفیں پہنچائے گئے میرے (یعنی اللہ کے) راستے میں...... سو ہمیں بھی مالک نے اپنے فضل سے توفیق دی کہ اسی کے راستے میں برپا جہاد کے لیے گھروں سے نکلیں اور پھر اسی راہ میں ہم اپنے وطن سے نکالے گئے۔ اللہ پاک ہمیں استدراج و گمراہی سے محفوظ رکھیں، آمین۔

---

[29] یہ مضمون اوائل سال ۲۰۱۹ء میں لکھا گیا تھا اور قریباً سوا برس بعد زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو رہا ہے۔

[30] تکنیکی اس لیے ذکر کیا کہ یہ ابتداً نہایت اہم کام تھا اور یہ دو اصحاب اس سے وابستہ رہے۔ ورنہ فکری اعتبار سے بھی ان دونوں کا شمار ان مشائخ میں ہوتا ہے جنہوں نے اس فکر کو اعلام کی صورت روح بخشی۔

[31] پہلے حسین بھائی اور دوسرے میرے مرشد جنابِ اسامہ ابراہیم غوری۔

[32] ۲۰۱۸ء

اپنے وطن سے دارِ ہجرت کے بارڈر تک تو جیسے تیسے ہم بفضل اللہ پہنچ ہی گئے، گو کہ یہ سفر بھی کچھ آسان نہ تھا، دس بارہ گھنٹوں کا سفر ڈیڑھ دو مہینوں میں کٹا۔ گویا ہم نے جس 'زمانے' اور 'حالات' میں سفر کیا یہ 'برق و بخارات' کا نہ ہوا 'اونٹوں اور گھوڑوں' ہی کا قرار پایا۔

خیر، اب بارڈر کے ایک نواحی گاؤں پہنچ کر معلوم ہوا کہ آگے کا سفر قندھار کے ایک صحرا پر محیط ہے اور یہ راستہ اونٹ پر کٹے گا۔ بعد از نمازِ مغرب ہم نے کھانا کھایا اور کچھ لمحوں بعد آغازِ سفر ہوا۔ رہبر نے مجھے اونٹ پر سوار کروانا چاہا لیکن اس وقت مجھے بھلا معلوم نہ ہوا کہ میرے ساتھی پیدل چلیں اور میں اونٹ پر بیٹھوں۔ بہر کیف صحرا میں پہلی بار چل رہا تھا اور آدھ گھنٹے کے سفر ہی سے عقل ٹھکانے آنے لگی اور ٹانگیں جواب دینے لگیں کہ میری ٹانگیں بعض دفعہ گھٹنوں گھٹنوں ریت میں دھنس جاتیں اور پھر پیر نکال کر دوبارہ رکھنے پر دھنسنے کے خیال سے قویٰ ڈھیلے ہونے لگتے۔ جذبۂ قربانی کافور ہوا اور میں بفرمائشِ خود اونٹ پر سوار کیا گیا لیکن سلام ہے راہ بلد[33] اور شتربان کو کہ وہ پیدل چلے، اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزا سے نوازیں، آمین۔

صرف ایک آدھ گھنٹے مزید کے سفر ہی سے مجھے سمجھ میں آنے لگی کہ اگر کسی شتربان کا اونٹ اس بے کِنار صحرا میں گم ہو جائے اور پھر اس کو مل جائے تو حالِ جذبات کیا ہو گا۔ یوں تو موسم قریب قریب بہار کا تھا لیکن رات میں صحرا کی خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر ستم بالائے ستم یہ بھی کہ اونٹ پر کجاوہ نہ تھا بلکہ جس لکڑی کے سانچے پر کجاوہ رکھتے ہیں بس وہی تھا۔ کچھ دیر مزید سفر کیا تو ٹانگیں کولہوں کے جوڑوں سے جدا ہوتی محسوس ہوئیں۔

ایسے میں اپنے ان اسیر بھائی[34] کا خیال آیا جن کے بارے میں سنا تھا کہ پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کے عقوبت خانوں میں پہنچتے ہی سب سے پہلے ان کی ٹانگوں کے جوڑ کولہوں سے کھول دیے گئے اور بعض دیگر کے بازو شانوں سے اکھاڑ دیے جاتے ہیں۔ ان بھائیوں کے لیے دِل سے دعا نکلی، ان کی عظمت کا احساس دل میں جاگزین ہوا، کچھ دیر میں یہی سوچتا رہا یہاں تک کو لہے کے جوڑوں میں تکلیف کا احساس بڑھ گیا۔ اب میں نے رہبر سے گزارش کی، اونٹ روکا گیا، پھر بٹھایا گیا۔ میں اس پر سے اترا، یوں احساس ہوا گویا خلائی سفر سے زمین پر واپس پہنچا ہوں اور نجانے کتنے عرصے بعد زمین پر 'قدم رنجا فرما' رہا ہوں۔

دو چار قدم اٹھا کر بہتری محسوس ہوئی تو خیال آیا کہ عشاء کی نماز پڑھنی ہے۔ وضو تھا نہیں، پانی بس وہ تھا جو پینے کے لیے رکھا تھا، سو تیمم کیا اور پھر نماز ادا کی۔ میرے اس سفر کے دونوں ساتھی بلوچ تھے۔ یہ بلوچ قوم کے لوگ سفر نہیں کرتے بلکہ سفر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ شتربان نے صحرا میں بکھری خشک لکڑی جمع کی اور آگ جلائی۔ پھر اس نے اونٹ پر بندھی اپنی گٹھڑی کھولی، اس گٹھڑی سے کیتلی نکالی، چائے کی پتی اور چینی نکالی۔ اونٹ پر بندھی پانی کی بوتل اتاری۔ غرض سامانِ چائے پورا کیا اور چند لمحوں بعد تو رچائے[35] کا پانی کھول رہا تھا۔

شتربان اور رہبر نے مزے سے گپ لگائی اور چائے پی جس میں آدھا گھنٹہ لگ گیا ہو گا۔ اس کے بعد مجھے اشارہ کیا اور میں اونٹ کی طرف چل پڑا۔

اونٹ کو بٹھایا گیا، مجھے سوار کروایا گیا، ایک ہاتھ سے میں نے اونٹ کو آگے سے اور ایک سے پیچھے سے پکڑ رکھا تھا۔ اونٹ کھڑا ہوتے ہوئے آگے سے اٹھتا ہے، پھر پیچھے سے اٹھتا ہے، پھر آگے سے اور پھر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے...... اس سارے آگے پیچھے میں مجھ جیسا جس نے اونٹ پر سفر کبھی چڑیا گھر اور کبھی ساحلِ سمندر پر ہو دج میں ہی کیا ہو کانپ کر رہ جاتا ہے۔ خیر، اونٹ روانہ ہوا۔ رات بڑھ رہی تھی اور صحرا کی سردی بھی۔ رہبر نے میری حالت دیکھی تو اپنی چادر جو اس نے کندھے پر لٹکا رکھی تھی مجھے دی کہ میں اوڑھ کر سردی سے بچاؤ کروں۔ شتربان اور رہبر سے سردی تو کوسوں دور تھی، اول اس لیے کہ وہ تھے ہی اس صحرا کے بیٹے، ثانیاً وہ پیدل چل رہے تھے اور اس کے سبب ان کے جسم گرم تھے۔

سردی کے مارے میں نے تمنا کی کہ جلد صبح ہو جائے، اس پر رہبر نے کہا کہ دعا کرو ہمارا سارا سفر رات رات میں ہی طے ہو جائے۔ میں نے سوچا کہ یہ تو صحرائی ہے اس کو کہاں خیال ہمارا؟ بہر کیف میں دِل دِل میں جلد صبح ہو جانے کی دعا کرتا رہا حالانکہ صبح میں ابھی کم از کم چھ سات گھنٹے تھے۔

خدا خدا کر کے ایک گھنٹہ مزید گزر گیا۔ ٹانگوں میں شدید تکلیف تھی۔ اب شرم بھی آ رہی تھی کہ پھر سے سفر میں وقفے کی گزارش کروں۔ اللہ پاک علیمٌ بِذات الصدور ہیں، دلوں کے حال کو جانتے ہیں...... سو، اللہ کو بندے پر مزید رحم آیا اور راہبر نے شتربان سے اونٹ روکنے اور چائے پینے کا مطالبہ کیا۔ وہی گھنٹے قبل والا منظر دوہرایا گیا۔ اب تک چاند افق کے دوسرے کونے کے قریب پہنچ چکا تھا اور رات کا مکمل اندھیرا چھانے ہی والا تھا۔ چائے کی محفل ختم ہوئی اور میں اونٹ پر بیٹھا۔

اب مجھے نہ سمت سمجھ میں آ رہی تھی اور نہ ہی راستہ۔ لیکن صحرا کے یہ بیٹے، جن کو فطرت کے مقاصد کی نگہ بانی عطا ہوئی تھی ...... ستاروں کو دیکھ کر راستہ اور سمت متعین کر رہے تھے۔ نصرتِ جہاد کا جذبہ انہیں ایک مجھ جیسے شخص کی نصرت پر آمادہ کیے ہوئے تھا کہ میں بھی مہاجر و مجاہد ہونے کا دعوے دار تھا، اللہ پاک مجھے صحیح معنیٰ میں مجاہد فی سبیل اللہ بنا دیں، آمین۔

بعض دفعہ یہ دونوں رک جاتے اور ستاروں کا ذرا گہرائی سے مشاہدہ کرتے اور پھر اپنے قدم صحیح راستے پر ہونے کے احساس کے ساتھ سفر جاری رکھتے۔ ایک بار پھر چائے کے وقفے کا وقت آن پہنچا۔ اب جو چائے کے لیے رکے تو رات کا آخری پہر شروع ہو چکا تھا۔ میں نے راہبر سے کہا کہ تہجد کا مستحب وقت ہے کم از کم ہمیں دعا ہی مانگنی چاہیے۔ اس پر انہوں نے دعا مانگنا شروع کی اور ان کے آنسو رواں ہو گئے، ہچکی بندھ گئی۔ یہ منظر میرے لیے بڑا ہی عجیب تھا۔ ایک صحرائی

---

[33] رہبر/guide

[34] کراچی سے تعلق رکھنے والے شہید سید فائز شاہ، جنہیں میدانِ جہاد احمد کے نام سے جانتا ہے۔

[35] کالی چائے یا کالا قہوہ

وپہاڑی شخص، جس کو ماحول کی سختی سخت بناتی ہے اس کا دِل پتھر نہ تھا۔ اللہ سے یہ بزرگ راہبر دعائیں مانگتے رہے اور آنسو بار گاہِ ایزدی میں بہتے رہے۔ اختتامِ دعا پر ہم نے پھر سفر شروع کرنے کی تیاری کی۔

اگلے وقفے کا وقت آیا، چائے وغیرہ پی کر فارغ ہوئے تو میں نے شتر بان اور راہبر سے کہا کہ اونٹ پر بندھا لکڑی کا سانچہ ذرا ڈھیلا لگ رہا تھا آپ ذرا دیکھ لیں۔ انہوں نے کہا کہ کوئی مسئلہ نہیں تمہیں یونہی محسوس ہو رہا ہے۔ خیر میں اونٹ پر چڑھ بیٹھا۔ اب اونٹ نے پہلی اداد کھائی، آگے سے اٹھا اور پیچھے سے اٹھنے کی دوسری ادا کے ساتھ ہی میں زمین پر سر کے بل آرہا اور اونٹ پر لدا اسامان اور لکڑی کا سانچہ میرے اوپر۔ لیکن میں کچھ عجیب طریقے سے گرا تھا کہ پڑا تو زمین پر تھا لیکن دائیں ٹانگ کہیں اور پھنسی ہوئی تھی اور میں اس ٹانگ کو بازیاب کرانے کے لیے زور لگا رہا تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو اونٹ کھڑا تھا اور اس کی صراحی دار گردن کے بل میں میری ٹانگ پھنسی ہوئی تھی۔ شتر بان اور راہبر نے جلدی سے آگے بڑھ کر میری ٹانگ نکالی۔ میں بھی اگلے ہی لمحے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن کھڑے ہوتے ہی دائیں ٹانگ میں درد کا احساس پیدا ہوا۔ راہبر فوراً میرے پاس آئے اور سر، کمر، ٹانگوں، بازوؤں کو ٹٹول کر معائنہ کرنے لگے کہ کچھ ٹوٹ تو نہیں گیا۔ پھر بار بار پوچھتے رہے، چوٹ تو نہیں لگی۔ الحمدللہ ٹانگ کا پٹھا کھنچنے کے سوا کوئی تکلیف نہ تھی۔

اب اونٹ کو بٹھایا گیا اور لکڑی کے سانچہ نما کو مضبوطی سے باندھنے کی کوشش کی گئی۔ میں نے اونٹ پر بیٹھنے سے انکار کر دیا اور ایک بار پھر میں پیدل چلنا شروع ہوا۔ چند ہی قدم اٹھائے ہوں گے کہ ٹانگ کے درد میں اضافہ ہونے لگا۔ لیکن اونٹ سے گرنے کی قسط اور دوبارہ نہ کہیں گر جاؤں اس خوف سے اس پر سوار ہونے پر دل آمادہ نہ ہوا۔ کچھ اور چلا ہوں گا کہ راہبر نے حکم دیا کہ فوراً بیٹھ جاؤ، تم پیدل نہیں چل سکتے۔ خیر مرتا کیا نہ کرتا...... سوار ہو گیا۔ اب ایک ریتلے ٹیلے سے جب اترنے کا وقت آیا تو میں نے چیخ چیخ کر کہا کہ اونٹ پر بندھا لکڑی کا سانچہ ڈھیلا ہے، یہ گر جائے گا۔ راہبر اور شتر بان نے سوچا کہ یہ اونٹ کا گرا گویا دودھ کا جلا ہے، چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پی رہا ہے۔ خیر اب کی بار یہ لکڑی کا سانچہ پورا گھوم کر ایک جانب کو آرہا اور میں تو پہلے ہی مستعد تھا سو اس کے گرنے سے پہلے اونٹ پر سے چھلانگ لگا کر اتر گیا۔ بہر حال اونٹ زمین سے چھ سات فٹ اونچا تھا اور کھنچا ہوا پٹھا اور کھنچ گیا۔ اب کی بار اونٹ نے مجھے بہت ہی غور سے دیکھا اور میں اونٹ کے کینہ پرور ہونے کے خیال سے سہم گیا۔

صبح صادق غالباً ہو چکی تھی۔ میری ضد اور خوف کی بنا پر راہبر نے مجھے بھی پیدل ہی چلائے رکھنے کا ارادہ کیا۔ کچھ دیر بعد ہم نے نمازِ فجر، تیمم کر کے ادا کی۔ اس کے متصل ہی راہبر کا اونٹ پر سوار ہونے کا حکم ملا۔ میں چڑھ بیٹھا۔ اور سفر ایک بار پھر شروع ہوا۔ اشراق کا وقت ہوا اور سورج کی کرنیں، یخ جسم کو حرارت پہنچانے لگیں۔ میری جان میں جان آئی اور میں بھی اس حدّت کے سبب سفر سے لطف اندوز ہونے لگا۔

تقریباً صبح کے نو بجے تک سفر بہت ہی اچھا کٹا۔ لیکن نو بجے کے بعد گرمی محسوس ہونے لگی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ مجھے سمجھ میں آنے لگی کہ راہبر کی خواہش کیوں تھی کہ سفر رات رات میں ہی ختم ہو جائے؟ صحرا کی سردی بھی قاتل اور گرمی تو گویا قتّال ہے!

کچھ دیر میں اونٹ کی بھی بس ہونے لگی۔ کچھ کچھ دیر بعد اونٹ بیٹھ جاتا۔ شتر بان اس کو پھر اٹھا کر چلاتا۔ خیر یہ بے چارہ اونٹ گرتا پڑتا چلتا رہا۔ کچھ دیر اور گزری کے اونٹ صاحب باقاعدہ گردن گھما کر مجھے دیکھتے اور میں خوف زدہ ہو جاتا کہ نجانے عالی جاہ میری کون سی تصویر اپنے ذہن میں کھینچ رہے ہیں اور کب اپنے کینے کا اظہار فرمائیں۔ خیر خدا خدا کر کے دوپہر کے بارہ بج گئے۔ میرا ابھی گرمی اور لُو سے حال خراب ہو رہا تھا، چہرے اور ہاتھوں پیروں کا شہری رنگ جل چکا تھا، ہونٹ چند ساعتوں کے سفر سے خشک ہو کر پک گئے تھے کہ ذرا سے لمس سے بھی خون نکل آئے۔ پسینے سے پورا جسم شرابور تھا۔ خیر شتر بان اور راہبر کا حشر ایسا نہ ہوا تھا، شاید وہ صحرا کے عادی تھے۔ لیکن گرمی میں پیدل سفر نے ان کا بھی حال بگاڑ دیا تھا۔ سفر میں وقفہ کیا گیا۔ صحرا میں سایہ کہاں ہوتا ہے؟ بس کچھ جھاڑیاں تھیں اور انہیں جھاڑیوں کے نیچے ہم سب گھس گئے۔

ایک گھنٹہ وہیں پڑے رہے۔ پھر سفر کا ارادہ کیا۔ اونٹ کو اٹھائیں تو وہ اٹھے نہ۔ خیر جب اٹھا تو اس نے جی بھر کر مجھے گھور کر دیکھا اور میری حرکتِ قلب کم ہونے لگی۔ اگر میں پیدل چلنے کے قابل ہوتا تو کبھی اس اونٹ پر نہ بیٹھتا، بہر کیف ہم پھر روانہ ہوئے۔ کچھ دیر بعد اونٹ بِلبلانے لگا اور اس کے آنسو لمبی لمبی پلکوں کے پُل سے گزر گزر کر ٹپکنے لگے۔ اونٹ مڑ مڑ کر مجھے دیکھتا۔ اب تو اس بے چارے اونٹ کی حالتِ زار دیکھ کر مجھے دکھ ہونے لگا، خیر چارہ میرے پاس بھی کچھ نہ تھا۔ سفر ابھی دو گھنٹے مزید تھا، جو صحرا کے اونچے نیچے ٹیلوں، گرم ہوا کے جھونکوں اور دھوپ کی تپش کے ساتھ نمازِ عصر کے وقت سے ذرا پہلے اختتام پذیر ہوا۔ اونٹ میں صحرا کی اہمیت اور جہاد میں انصار کی اہمیت ذہن میں بٹھا تا پہلا سفر یوں تمام ہوا کہ دِل میں خیال آرہا تھا کہ اے مالک! تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سفر ہجرت اونٹ پر فرمایا اور مدینے پہنچے۔ یا اللہ انہی نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر مجھ جیسے گنہگار کو جما دے۔ یا اللہ جیسے تیرے حبیبؐ نے دارِ ہجرت میں پناہ لی اور پھر اپنے وطن میں فاتح لوٹے، ہمیں بھی شریعت کی بہاروں کے ساتھ ہمارے وطن میں تواضع وانکساری کے ساتھ فاتح بنا کر لوٹا (آمین)۔

اونٹ کا سفر ختم ہوا، شتر بان واپس ہو لیا اور مزید پانچ چھ گھنٹوں کا سفر گاڑی پر طے کرنا تھا جس میں 'بڈھے بلوچ' راہبر کی ایک نصیحت نے دل پر بہت اثر کیا۔ راہبر نے حضرتِ شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ رورو کر سنایا کہ جب مخالف نے انہیں جنگ میں زیر کر لیا اور قریب تھا کہ وہ قتل کر دیے جاتے تو انہوں نے اپنے ربّ کو یوں پکارا:

يا غياث المستغيثين!

اے فریادرسوں کی فریادرسی کرنے والے!

اور فریاد سننے والے نے فوراً فریاد سنی اور جاء نصر من اللہ...... آگئی اللہ کی جانب سے فتح و نصرت۔ راہبر نے کہا کہ جب مشکل آجائے تو یوں مالکِ کل جہاں کو پکارا کرو۔

اسی طرح کے کسی 'بڈھے بلوچ' کی نصیحت علامہ اقبال رحمہ اللہ کی زبانی ان کی کتاب 'ارمغانِ حجاز' میں 'بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو' کے عنوان سے موجود ہے جو غیرت و حمیت کا پیغام لیے ہوئے ہے اور اس نظم کے بعض پہلو میری دانست میں دشت و صحرا کے بنا 'سمجھ دانی' میں سما ہی نہیں سکتے۔ اسی نظم کے ساتھ اس پہلے سفر کی روداد ختم کرتا ہوں۔

ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس دشت سے بہتر ہے نہ دِلی نہ بخارا

جس سمت میں چاہے صفتِ سیلِ رواں چل
وادی یہ ہماری ہے، وہ صحرا بھی ہمارا

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر
کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

محروم رہا دولتِ دریا سے وہ غواص
کرتا نہیں جو صحبتِ ساحل سے کنارا

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

اللہ کو پا مردئ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

تقدیرِ امم کیا ہے، کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا

اخلاصِ عمل مانگ نیاگانِ کہن سے
'شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را'

(دوسرے سفر کی کہانی...... ان شاء اللہ اگلی بار)

اے پیرِ حرم!

اے پیرِ حرم! رسم و رہِ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت!
دے ان کو سبق خود شکنی، خود نگری کا

تُو ان کو سکھا خارا شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا

دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

(علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ)

جن 'رہبرانِ امت' نے امت اور اس کے جوانوں کو کہیں گوشہ نشینی، کہیں جلسوں، جلوسوں، مظاہروں اور کچھ نے 'پیشہ ور' زندگی اور بعض نے دنیائے مغرب کے رنگ و رہ و رسم میں رنگی اور ڈھلی زندگی ہی پر قانع بنا رکھا ہے؛ اقبالؒ، ان رہبرانِ امت کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ جوانوں کو فقرِ غیور، غیرتِ ایمانی اور اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی دعوت دو۔

آج علوم و فنونِ مغرب نے، مغربی میڈیا اور اس کی فلموں اور ثقافت نے جوانانِ امت کو 'حُبِ موسیقی و صورت گری و علمِ نباتات' کے امراض و افیون میں مبتلا کر رکھا ہے۔ سو اے رہبرانِ ملت! ان جوانوں کو جن میں کبھی 'جوان ابراہیم خلیل اللہؑ'، کبھی 'اصحابِ کہفؓ'، کبھی 'حسنؓ' و 'حسینؓ'، کہیں 'ابنِ قاسمؒ' و 'ٹیپو سلطانؒ' پیدا ہوا کرتے تھے، ان میں روحِ اسلام و غیرتِ ایمان کی روح پھونکو۔ ان کے بازوؤں میں وہ قوتِ توحید اور ضربِ حیدریؓ پیدا کرو، انہیں وہ ہنر اور نشانہ بازیاں سکھاؤ جس سے یہ باطل کی چٹانوں کو توڑ سکیں۔

جب یہ شعر کہا گیا تو دو صدیاں غلامی کی بیت چکی تھیں، آج اس میں سو برس اور کا اضافہ ہو گیا ہے۔ جوانانِ امت ان تین صدیوں کی غلامی میں اولاً تو کوؤں اور گِدھوں کے نشیمن میں رہتے رہتے پرواز ہی بھول بیٹھے ہیں اور جن میں حوصلۂ پرواز ہے وہ؛ رہ و رسمِ شاہبازی سے نا آشنا ہیں۔ اے رہبرانِ ملت! ان جوانوں کو اس مرضِ بے یقینی میں یقین و ایمان اور جہاد و قتال کی، توبہ و انفال کی دوا دو تا کہ یہ جوانانِ امت پھر سے امت و انسانیت کی قیادت کے لیے تیار ہو سکیں!

سر بیچنے والوں کا خدا خود ہے خریدار!

عمار حمزہ/حسان فہد شہید کے بارے میں احساسات

عمر فاروق خراسانی

شہدا امت کا سرمایۂ افتخار ہوتے ہیں۔ شہدا کا مقام تو ایمان والے ہی جانتے ہیں۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ شہدا مرتے نہیں بلکہ انسان ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتا،(وَلٰكِن لَّا تَشۡعُرُونَ)۔ بظاہر شہدا اس دارِ فانی کو چھوڑ کر رب کی ابدی جنتوں کو روانہ ہو جاتے ہیں، وہاں شاداں و فرحاں، عیش و عشرت کے ساتھ اپنے رب کے ہاں پاکیزہ رزق پا رہے ہوتے ہیں (بَلۡ أَحۡيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُونَ)۔ اللہ رب العزت قرآن پاک میں شہدا کے مقام کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ ٱلَّذِينَ قُتِلُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمۡوَٰتًۢاۚ بَلۡ أَحۡيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُونَ۝(سُورۃ آلِ عمران:۱۶۹)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے ہاں رزق پا رہے ہیں۔“

شہدا کا اخلاص و کردار، قربانی و ایثار، زہد و تقویٰ، ان کا اخلاق، ہمت و شجاعت، ان کا پاکیزہ لہو، سبھی معاشرے میں خصوصاً امت کے نوجوانوں کی بیداری کا سبب بنتا ہے۔ ان کے دل و دماغ پر پڑے غفلت کے پردے اٹھانے کا سبب یہی شہدا ہوتے ہیں۔ انہی کے پاکیزہ لہو سے امت کی زخمی روحوں میں جان آتی ہے۔ ان کے دلوں میں امید کی کرن مزید قوی ہو جاتی ہے۔ شہدا کی عظمت، ان کے بلند درجات، ان کے اعلیٰ و ارفع مقام کو جہاں ربِّ کائنات نے کھول کر بیان کیا وہیں نبی ﷺ نے بھی اپنی امت کو اس سے آگاہ کیا ہے۔ روئے زمین پر بسنے والوں میں کوئی بھی تو ایسا نہیں جو جنت میں جانے کے بعد اس دنیا میں آنے کی تمنا کرے مگر سوائے شہید کے، کیونکہ وہ جان چکا ہوتا ہے:

؏ شہادت میں جو مزہ ہے، جنت میں آ سکے نہ!

ہادیٔ اعظم ﷺ نے فرمایا:

”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں لڑوں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔“(صحیح بخاری)

واہ سبحان اللہ! کیا ہی خوش نصیبی ہے ان لوگوں کی جنہیں ربِ رحمٰن اپنے راستے میں جہاد و ہجرت کی سعادت سے نوازتے ہیں، پھر بہت سوں کو غازی اور کچھ کو شہدا کی صف (ویتخذ منکم شھداء) میں داخل کرتے ہیں۔ ایسے ہی ایک مجاہد فی سبیل اللہ، ایک بھائی ہیں جنہوں نے اپنی زندگی دعوت الی اللہ و دعوت جہاد کے بعد ہجرت و قتال فی سبیل اللہ کے میدانوں میں صرف کی۔ وہ کم و بیش دس سال اس جہد مسلسل میں لگے رہے تاکہ اپنے رب کو راضی کر سکیں۔

مختصر تعارف:

اصل نام عمار حمزہ، جہادی نام (حسان/فہد) تھا۔ آپ کے آبا و اجداد تقسیم ہند کے وقت ہندوستان سے ہجرت کر کے یہاں پاکستان آئے تاکہ اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے ملک میں شریعت مطہرہ کے سائے میں آزاد زندگی گزار سکیں۔

آپ کی رہائش شہر کراچی میں تھی۔ آپ نے ایک مقامی اسکول سے میٹرک کرنے کے بعد اسلامیہ آرٹس اینڈ کامرس کالج، جمشید روڈ کراچی سے انٹر کیا اور پھر اسی کالج سے بی کام کی ڈگری حاصل کی۔ آپ حصولِ معاش کے لیے شعبۂ صحافت سے منسلک ہوئے اور آپ نے سماء ٹی وی اور اے آر وائی (ARY) میں کام کیا۔

عمارؒ حمزہ بھائی سے پہلی ملاقات:

عمار حمزہ بھائی سے میری ملاقات اسلامیہ آرٹس اینڈ کامرس کالج میں اس وقت ہوئی جب میں اپنی تعلیمی اسناد وصول کرنے کے لیے کالج گیا۔ کالج کے مرکزی دروازے سے داخل ہوتے ہی سامنے چند نوجوان نظر آئے۔ میں ان کی طرف بڑھا، سلام کیا تو سبھی نوجوان انتہائی گرمجوشی اور محبت سے ملے۔ رسمی کلمات کے بعد میں نے انہیں آنے کے مقصد سے آگاہ کیا تو ایک نوجوان ساتھی خود میرے ساتھ ہو کر میرے کاموں میں مدد کروانے لگے، یہ نوجوان عمار حمزہ بھائی تھے۔

دراصل اس دجالی معاشرہ میں اپنی قابلیت کا ثبوت دینے کے لیے لارڈ میکالے کی پیدا کردہ اسناد کا حصول لازمی ہے ورنہ آپ کتنے بھی قابل ہوں اس معاشرہ میں آپ کی کوئی عزت اور کوئی وقعت نہیں۔ پھر اس بے دین نظام کے اندر اپنی اسناد کا حصول ہو یا شناختی کارڈ، ویزے یا پاسپورٹ کا مسئلہ، ہر ہر ادارے کو رشوت دینا پڑتی ہے جس سے معاشرے میں موجود غریب طبقہ غریب تر اور امیر طبقہ امیر تر ہوتا جاتا ہے۔

مگر الحمد اللہ عمار حمزہ بھائی کے اس پر خلوص تعاون کی وجہ سے مجھے نہ کوئی رشوت دینی پڑی نہ ہی کوئی خصوصی تگ و دو کرنی پڑی۔ بلکہ عمار بھائی نے خود ہی بھاگ دوڑ کر کے مجھے میری اسناد دلائیں۔ میں ان کی اس خدمت سے بہت متاثر ہوا اور ان سے مکمل تعارف لیا۔ گپ شپ کے دوران معلوم ہوا کہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے غائبانہ تعارف رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ملاقاتوں کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ اگلی ملاقات پر راقم نے انہیں استاد احمد فاروق کے زیرِ ادارت و

سرپرستی نکلنے والے مجلّے 'حطین' کا شمارہ نمبر تین دیا، جسے عمار حمزہ بھائی نے بغور پڑھا۔ اس کے بعد ہماری ملاقاتوں کا ایجنڈا جہاد اور قتال فی سبیل اللہ ہی رہتا۔

جذبۂ نظام بدی سے بغاوت:

عمار حمزہ بھائی سے ملاقاتوں کے دوران یہ راز مجھ پر آشکار ہوا کہ ان کا دل تو وطنِ عزیز میں قائم جمہوری اور لادین نظام سے مکمل بیزار ہے۔ پھر دوسری طرف ملک کی نام نہاد 'پاک' فوج کے مظالم دیکھ کر وہ انتہائی غمزدہ اور پریشان رہتے تھے۔ ایک دن انہوں نے مجھے ملاقات کے لیے بلایا، ملکی حالات پر بات کرتے ہوئے کہنے لگے 'بھائی! کب تک ہم یونہی بیٹھے رہیں گے، کب تک ہم اس ظالم فوج کے مظالم برداشت کرتے رہیں گے، کیا لال مسجد و جامعہ حفصہؓ میں شہید کی جانے والی عفت مآب بہنوں کا خون ہم پر قرض نہیں؟ کیا ان باشرع اور پاک باز علمائے کرام اور حفاظِ قرآن کے خون کا بدلہ ہم پر فرض نہیں، جو شریعت کے نفاذ کرنے کے جرم میں بے دردی سے شہید کیے گئے۔ کیا عافیہ صدیقی کو امریکہ کے حوالے کرنے کے مجرم ہم نہیں؟ کیا صحابہ کرامؓ کی اولادوں کو ڈالروں کے عوض کفار کے حوالے کرنے والی فوج سے بغاوت واجب نہیں؟'۔

انتہائی جذباتی اور غمزدہ لہجے میں عمار بھائی بولے جارہے تھے اور نہ جانے کتنی دیر بولتے گئے۔ وہ بولتے جارہے تھے اور ان کی آنکھیں آنسوؤں کی روانی کے ساتھ ان کے سچے جذبات کی گواہی دے رہی تھیں۔ میں انہیں تسلی دیتا اور صبر کی تلقین کرتا، مگر وہ تھے کہ صاف کہہ چکے تھے کہ بھائی مجھے جہاد کے محاذوں پر روانہ کیجیے، اگر میں یہاں مر گیا تو آپ کو معاف نہیں کروں گا۔ یہ سن کر تو میں ڈر گیا اور میں نے کہا بھائی ایسی بات نہ کریں، اللہ سے مانگیں وہ آپ کے لیے راہیں کھول دیں گے۔ پھر میں وہاں سے روانہ ہوا اور بھائی امجد احمد شہید (عارف بھائی) سے رابطہ کیا اور انہیں عمار بھائی کے ساتھ ہونے والی ملاقات سے آگاہ کیا۔ امجد بھائی اور عمار بھائی ایک ہی کالج میں تھے، امجد بھائی ہر دو طرح سے عمار بھائی کے ذمہ دار تھے یعنی طلبہ تنظیم کی طرف سے بھی اور مجاہدین کی طرف سے بھی۔

دعوت الی اللہ اور دعوت جہاد میں:

عمار بھائی شریف النفس (مگر میٹھی شرارتیں کرنے والے)، اپنے ساتھیوں کا خیال رکھنے والے، امت مسلمہ کا غم سینے میں بسائے پاکیزہ اخلاق و کردار رکھنے والے، قربانی و ایثار کے جذبے سے سرشار نوجوان تھے۔ عمار بھائی کو اللہ پاک نے مومنانہ فراست سے نوازا تھا، ابھی یہ محض آٹھویں جماعت کے طالبعلم تھے کہ اپنے علاقہ میں موجود بچوں کی ایک دینی تنظیم سے وابستہ ہوگئے جو بچوں میں 'نیک بنو، نیکی پھیلاؤ' کے نصب العین پر کام کرتی تھی۔

عمار بھائی کے دل میں اللہ پاک نے اس نظامِ بدی کے خلاف نفرت بچپن سے ہی ڈال رکھی تھی۔ دو سال تک بچوں میں نیکی کی دعوت پھیلانے کے بعد جب انہوں نے کالج میں قدم رکھا تو میکالے کے مکتبوں کی زبوں حالی اور حالت زار دیکھ کر حیران و پریشان ہوگئے کہ لوگ تو اسے مادرِ علمی کہتے ہیں، مگر یہاں ان کالجوں میں تو بے حیائی اور فحاشی کا کلچر عام ہے، یہاں تو ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے قومیت و عصبیت کے نام پر گتھم گتھا ہے، یہاں ہر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے، وہ جو بچپن سے 'قوتِ اخوتِ عوام' پڑھتے آئے تھے، اسے تو پاؤں سے روندا گیا ہے۔ یہاں اساتذہ کی کوئی عزت ہے نہ ہی طالبعلم کا کوئی پاس ہے۔ یہاں جمہوریت و قومیت اور وطنیت کے علم برداروں نے معصوم نوجوانوں کو اپنے غلیظ اور ناپاک مقاصد کے حصول کے لیے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ کوئی پنجابی ہے، تو کوئی پختون، کوئی سندھی ہے، تو کوئی بلوچ ہے، اور کوئی مہاجر ہے اور سب کی اپنی اپنی سوسائٹیاں اور لسانی و قومی تنظیمیں ہیں۔

عمار بھائی ایک ایسی تنظیم سے وابستہ ہوگئے جو رنگ و نسل، مسلک و فرقے سے آزاد ہو کر نفاذ اسلام کے لیے کوشاں تھی ان کے ساتھ مل کر وہ قومیت و عصبیت کے گندے جوہڑ میں پھنسے نوجوانوں کو اس دلدل سے نکال کر اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتے۔ معاشرے میں ہر جانب پھیلی بے راہ روی کو روکنے کے لیے مصروف رہتے، ہر وقت اس فکر میں رہتے کہ معاشرے کا نوجوان کسی طرح اس دلدل سے نکل کر دینِ مبین کی طرف آجائے۔ وہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غلامی میں دینے کے لیے کوشش کرنے لگے۔

دو سال اس جہد میں گزارنے کے لیے سرگرم رہے کہ امت مسلمہ کے قیمتی سرمائے کے دلوں میں احساسِ درد پیدا ہو جائے۔ اس دوران امجد بھائی نے انہیں دعوت جہاد کے کاموں میں اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

مگر یہ اُن سے اکثر اس بات پر ضد کرتے کہ میں نے سرزمین جہاد و رباط کی طرف جانا ہے۔ ان کا دل محاذوں کی خبر لینے کے لیے بے چین رہتا۔ اس سب کے باوجود عمار بھائی، امجد بھائی کی طرف سے دی جانے والی دعوتی ذمہ داریوں سے غافل نہیں رہتے، ہر کام بہ حسن و خوبی انجام دیتے۔ امجد بھائی نے ان کی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو اجاگر کرانے کے لیے انہیں شرعی دورے میں شریک کروایا، اب عمار بھائی نوجوانوں کو بے راہ روی سے نکال کر نہ صرف صالح اجتماعیت سے جوڑتے بلکہ انہیں دعوت جہاد اور فرضیت جہاد سے بھی آگاہ کرتے۔ اللہ پاک نے ان کی دعوت سے کئی دلوں کو راہ جہاد کا راہی بنایا۔

جہاد کے عملی میدان میں:

عمار حمزہ بھائی جب سے دعوت جہاد سے آشنا ہوئے، اس وقت سے مسلسل ان کی دلی تمنا کسی طرح محاذوں پر پہنچنے کی ہوتی تاکہ وہ بھی دینِ اسلام کے دشمنوں کے خلاف اپنی کلاشنکوف کے جوہر دکھائیں۔ آخر وہ گھڑی آگئی جس کا انہوں نے دو سال انتظار کیا۔ ۲۰۱۰ء میں پہلی مرتبہ امجد بھائی (عارف بھائی) کے ساتھ ارضِ جہاد و رباط وزیرستان آئے، یہاں عمار بھائی حسان کے جہادی نام سے مشہور ہوئے۔ وزیرستان میں حسان بھائی نے چھوٹے و بڑے اسلحے کے ماہر استاد،

استاد عبدالحسیب شہیدؒ سے بنیادی تربیت حاصل کی۔ کچھ عرصہ معسکر میں گزارنے کے بعد صوبہ پکتیکا کے خطِ اول (فرنٹ لائن) پر تشکیل گزاری۔ یہاں رہ کر حسان بھائی دشمنِ دین افغان ملی آرمی اور ان کے آقاؤں امریکی فوج پر مختلف نوعیت کی کاروائیوں میں شریک رہے۔ جس میں ہلکی توپ ہشتاددو(RR82)، ہاون (مارٹر)، بی ایم کا تیو شاراکٹ (BM) وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے بعد شمالی وزیرستان میں شرعی اور فکری دوروں میں شریک رہنے کے بعد ایک مرتبہ پھر انہیں کچھ خاص نوعیت کے کام سونپ کر دعوتِ جہاد کے کاموں کے لیے پاکستان میں اتارا گیا۔ اس مرتبہ حسان بھائی کا جذبہ ولگن قابلِ دید تھا، ان کی صبحیں اور شامیں جہادی امور میں گزرتیں، جہادی کاموں کو انجام دینے کے لیے نہ صبح دیکھتے نہ شام کی پرواکرتے۔ جب انہیں بلایا جاتا یا کوئی کام دیا جاتا فوراً بجالاتے۔ ۲۰۱۰ء کے آخر سے لے کر ۲۰۱۳ء کے آخر تک آپ مستقل پاکستان میں کام کرتے رہے۔

۲۰۱۳ء میں پاکستان میں کچھ مجاہدین کی گرفتاری کے بعد پاکستان میں موجود کچھ ساتھیوں کو امرائے جہاد نے اوپر (وزیرستان) بلالیا۔ حسان بھائی کو بھی امر ملا کہ اوپر آجائیں۔ اس وقت حسان بھائی شعبۂ صحافت میں اے آر وائی سے منسلک تھے۔ مگر انہوں نے بلاکسی تردد کے اپنے پیشے کو خیر باد کہا اور سمع وطاعت پر عمل کرتے ہوئے وزیرستان آگئے۔ اس سفر میں راقم بھی ان کے ساتھ تھا۔ میں نے پورے سفر میں حسان بھائی کو قربانی وایثار کرنے والا اور صبر کرنے والا پایا، اس سفر میں ان کی یہ اور اس کے علاوہ کئی اور اعلیٰ و پاکیزہ خوبیاں مجھ پر آشکار ہوئیں۔ حسان بھائی انتہائی ہنس مکھ اور گپ شپ کرنے والے ساتھی تھے، ساتھیوں کو خوش رکھنا، ان کا خیال رکھنا، ان کی خدمت کرنا ان کا خاصہ تھا۔

> ”حضرت عدیؓ بن حاتم سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے افضل ترین صدقہ کونسا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ راہِ جہاد میں آدمی کا اپنے ساتھیوں کی خدمت کرنا افضل ترین صدقہ ہے۔“

۲۰۱۴ء میں امریکی، بھارتی اور امریکی اتحادی پاکستان نیوی پر ہونے والے حملے کے بعد عارف بھائی گرفتار ہو گئے اور حسان بھائی کے کاموں میں تعطل پیدا ہو گیا، ان کے اکثر کام رک گئے کیونکہ وہ اپنے جہادی کام عارف بھائی کی نگرانی میں سرانجام دے رہے تھے۔ ان کی گرفتاری کے بعد یہ بہت پریشان تھے اور رابطے نہ ہونے کی وجہ سے امرائے جہاد تک رسائی بھی ممکن نہیں تھی، اسی دوران کچھ نظریۂ داعش سے آلودہ ذہنوں نے ان کی جہادی سوچ وفکر کو مسخ کر کے انہیں جہاد فی سبیل اللہ سے بدظن کرنے کی کوششیں شروع کر دیں، یہ ان حالات میں ایک بڑی آزمائش تھی جس کی وجہ سے عمار بھائی اور زیادہ پریشان رہنے لگے۔ اللہ جزائے خیر دے ایک مجاہد عالم دین کو جنہوں نے ان کٹھن حالات میں ان کا ساتھ دیا اور ان کے شکوک و شبہات دور کر کے داعش کا غلیظ اور نجس چہرہ ان پر آشکار کیا۔

اس دوران عمار بھائی امنیت کی خاطر ایک مرتبہ پھر صحافت سے جڑ گئے اور اندرونِ خانہ مجاہدین سے جڑنے اور ملنے کے لیے کوشش کرتے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی جہد کا ثمر دیا اور یہ ۲۰۱۶ء کے شروع میں مستقل ہجرت کر کے سرزمین جہاد میں داخل ہو گئے۔

افغانستان میں رہ کر حسان بھائی مختلف محاذوں پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ جنگوں میں شریک رہے کئی ایک جگہوں میں اللہ رب العزت نے ”فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا“ کا حقدار ٹھہرایا اور غنیمت سے نوازا۔

۲۰۱۶ء میں نمروز ولایت کے گرم صحراؤں میں یہ اللہ کے دشمنوں کے تعاقب میں تھے کہ ایک دن انہیں اطلاع ملی کہ دشمن کا قافلہ گزر رہا ہے۔ تمام مجاہدین نے اپنا اسلحہ اٹھایا اور ہدف کی جانب بڑھ گئے اور دشمن کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد دشمن کا قافلہ مجاہدین کے اسلحے کی زد میں آیا تو مجاہدین جو پہلے ہی گھات میں تیار بیٹھے تھے، دشمن پر اپنے اسلحے کے دہانے کھول دیے۔ اس کمین گاہ میں عمار بھائی نے بیک وقت دو محاذوں کو سنبھالا، ایک طرف اپنی ثقیل (پیکا) سے دشمنانِ دین کو واصل جہنم کرتے رہے اور دوسری طرف کیمرے سے ویڈیو بھی بناتے رہے تاکہ دعوتِ جہاد کا کام بھی ہو سکے، اللہ تعالیٰ ان کے ہر صالح عمل کو قبول فرمائے، آمین۔

۲۰۱۸ء کے آخر میں نمروز ولایت کے ضلع فالسوار میں ایک کارروائی میں شریک ہوئے، اس کارروائی میں مجاہدین کا ہدف دشمن کا ایک پوستہ (دفاعی مورچہ) تھا۔ مجاہدین نے یکبارگی مختلف اطراف سے اس دفاعی مورچہ پر حملہ کیا، یہ حملہ کئی گھنٹے جاری رہنے کے بعد مجاہدین کی فتح کی صورت میں اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس کاروائی میں تین مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا جبکہ دشمن کے کئی فوجی مردار ہوئے اور دفاعی مورچہ مکمل فتح ہو گیا۔ دیگر مجاہدین کو اللہ پاک نے فتح وغنیمت سے نوازا، اس کارروائی میں ہر مجاہد کو دس ہزار روپے سے کچھ زیادہ کی غنیمت ملی، وللہ الحمد۔

عمار حمزہ بھائی کمربند (خطِ اول) پر مہاجر مجاہدین کے مسئول بھی رہے، اس دوران انہوں نے افغان ملی آرمی اور اس کے آقاؤں پر کئی ایک مائن کاروائیوں میں حصہ بھی لیا اور اللہ کی تائید و نصرت سے دشمنِ دین کے کئی ایک ٹینک اور دیگر گاڑیوں کو اڑانے میں شریک رہے۔

شہادت:

اے حسان! تم نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی خود کو فی اللہ وقف کر دیا تھا، تم اپنے مکتب میں بھی قومیت و عصبیت کے علم برداروں کے خلاف سینہ سپر رہے۔ اے حسان تمہاری خواہش تھی، تمہاری یہ تمنا تھی کہ جنت کی کوئی حور چپکے سے تمہیں اڑا کر لے جائے، تم اپنے رب سے صبح وشام شہادت کی دعائیں کیا کرتے تھے، ہاں کسی سے ہو نہ ہو، مجھ سے تمہاری یہی بات رہتی؛ فلاں شہید ہو گیا، فلاں شہید ہو گیا۔ نجانے ہم کب ہوں گے؟ ساتھیوں کی شہادت پر آپ بہت رویا کرتے......اے حسان تم نے شہادت والے دن اپنے ساتھیوں سے یہی بات کہی تھی نا؟

اے حسان تمہارے جذبے سچے تھے۔ تم اللہ کے محبوب تھے تمہیں معلوم نہیں تمہاری شہادت کی خوشخبری تو اللہ نے تمہاری ہجرت کے چند ماہ بعد ہی دے دی تھی۔ ہاں ایک کارروائی میں ایک (برمی) ساتھی نے مجھے آج یہ خواب سنایا۔

اس وقت وہ ساتھی آپ کے ساتھ اگلے مورچوں پر ظلم و کفر کے خلاف بر سر پیکار تھا، اس نے خواب دیکھا کہ دشمن کی جانب سے ایک مارٹر کا گولا آپ کے سر میں آلگا، آپ شہید ہو گئے۔ ساتھی نے یہ خواب محاذ پر موجود عالم دین کو سنایا، انہوں نے تعبیر دی حسان شہید ہو جائے گا۔

اے حسان آخر وہ وقت آگیا اس ساتھی کا خواب سچ ثابت ہوا، تمہاری تمنا پوری ہوئی، تم اپنی مراد پاگئے، تم کامران ٹھہرے۔ نحسبہ کذلک واللہ حسیبہ۔

آج اٹھائیس دسمبر دو ہزار اٹھارہ کی رات ہے۔ تم پہرے پر جانے کے لیے کھڑے ہوئے، خلافِ معمول تم نے سب سے کھڑے ہونے کا کہا، تم سب سے گلے ملے اور معافی مانگی اور پہرے کے لیے روانہ ہو گئے، آپ چار ساتھی باری باری پہرہ دیا کرتے تھے۔

اے حسان اللہ کی راہ میں ایک رات پہرہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، تم تو ہجرت کے بعد سے تقریباً مستقل پہرہ دیتے رہے، مبارک ہو اے حسان! اللہ ہی آپ کو اس کی بہترین جزا دیں، ابھی رات کے گیارہ بجے ہیں، تم محوِ خواب ہو دینِ اسلام کے دشمن دجالی ڈرون کو فضا میں پرواز دیے ہوئے ہیں۔ اچانک رات کی تاریکی میں فضا میزائل کے دھماکوں کی آوازوں سے گونج اٹھی، میزائل اس جگہ لگا جہاں آپ موجود تھے، میزائل لگتے ہی آپ اپنے محبوب ساتھیوں مولانا سلمان، مفتی ساجد اور عادل بھائی سمیت رب کی جنتوں کو روانہ ہو جاتے ہیں۔

اے حسان تمہاری خواہش تھی تمہیں سوتے میں شہادت ملے۔ تمہارے جذبے سچے تھے۔ تمہاری لگن پر خلوص تھی۔ اللہ نے بھی تمہیں سچا کر دکھایا، تم نیند میں تھے اور حیاتِ جاوداں پا گئے آنکھ کھلی تو تم نے اپنے آپ کو جنت میں پایا۔ (ان شاء اللہ)

اے اللہ! تو حسان سمیت ہمارے (دین اسلام) کے تمام شہدا کی شہادتوں کو قبول فرما، اے اللہ! تو ہمیں ان کا بہترین نعم البدل عطا فرما، اے باری تعالیٰ تو ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرما۔ اے رب العالمین تو ہمیں بھی وہ اخلاص و کردار عطا فرما جو آپ کو مطلوب ہو۔ اے اللہ ہم بھی اپنی باری کے منتظر ہیں۔ اے اللہ تو ہمیں بھی مقبول شہادت سے نواز دے۔ آمین یا رب العالمین۔

بازار شہادت میں جا کر تو دیکھو
سر بیچنے والوں کا خدا خود ہے خریدار

★★★★★

بقیہ: چیز وہ جو ولایت میں بنے!

ان میں سے جن کی پشت پناہی کی جاتی ہے ان کی دین کی تشریح کو معاشرے میں میڈیا کے زور پر معتبر تسلیم کروایا جاتا ہے۔ رہے بنیاد پرست تو یہ روایتی طرز کے مسلمان علمائے کرام ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی حکومت جانے کے بعد اپنی قوتیں لگا کر مسلمانوں کے معاشروں کو سنبھال کر رکھا ہے۔ بغیر کسی حکومتی سرپرستی کے، بغیر لمبے چوڑے بجٹ کے، بغیر کسی عظیم الشان اوقاف کے یہ فاقہ مست قریہ قریہ نبی ﷺ کی امّت کو جیسے تیسے سنبھالا دیے ہوئے ہیں۔ استعمار سے پنجہ آزمائی اور مشنری این جی اوز سے امّت کے ایمان کو بچانے میں لگے رہے ہیں۔ یہ لوگ بنیاد پرست ہیں اور ناقابلِ قبول ہیں۔ یہ جو کچھ بتاتے ہیں یہ استعمار کو پسند نہیں ہے لہٰذا ان کا اسلام، سرے سے اسلام ہی نہیں ہے بلکہ دہشت گردی ہے اور الحاد (heresy) ہے۔ یہ الفاظ پڑھنے میں تو معمولی سے لگتے ہیں اور شاید بہت سے لوگ انہیں یوں ہی بے وقعت سمجھ کر گزر جائیں لیکن ہر سوچنے والے کو اس میں جس خطرے کی گھنٹی بجتی سنائی دے رہی ہے وہ کوئی معمولی خطرہ نہیں ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ پرانی شریعتیں آج محفوظ نہیں ہیں؟ تورات اور انجیل کے نسخوں میں تحریفات ہیں؟ یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہوا کہ ان لوگوں نے اپنے دین کو نفس پرستوں کی شکار گاہ بننے کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ ان کا ہاتھ پکڑنے میں سُستی کا مظاہرہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج یہ مذاہب اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور اسے خدا ہی کا حکم جانتے ہیں۔ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

> ''میری امت میں ایک گروہ (باطل پرست) لوگوں پر غالب رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔''
>
> (بخاری: عن المغیرۃ بن شعبہؓ)

بات یہ ہے کہ کیا ہم اس گروہ میں شامل ہیں جو باطل سے پنجہ آزما ہوتا ہے، اس سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ اس کی چالوں کو اس پر پلٹ دیتا ہے اور دین کو اسی طرح خالص حالت میں رکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے جس طرح نبی ﷺ اسے ہمارے درمیان چھوڑ گئے تھے۔ جس طرح دیوار پر کیے جانے والے رنگ (paint) پر lead free (سیسے سے پاک) لکھ کر اسے certify (مستند) کیا جاتا ہے کہ یہ رنگ انسانی صحت کے لیے مضر نہیں ہے، اسی طرح سے اب دین کی ہر تعبیر اور ہر تشریح واشنگٹن سے terrorism free کی تصدیق کے بعد ہی عالمِ اسلام میں چل سکے گی۔ اسے چلانے کے لیے پلیٹ فارم موجود ہے۔ عرفِ عام میں اسے میڈیا کہا جاتا ہے، تاہم آپ اسے مغرب کی بچھائی بساط کا گھوڑا بھی کہہ سکتے ہیں۔ جو دین واشنگٹن سے ٹیررازم فری کی سرٹیفیکیشن لے کر آئے گا اسے ٹی وی اسکرینوں پر جگہ بھی ملے گی اور معاشرے میں نمائندگی بھی۔ جو وہاں سے یہ سند لانے میں ناکام رہے گا اسے mainstream سے الگ ہونے کا الزام ملے گا اور دین میں الحاد کا خطاب بھی۔

مغرب کی ''مصنوعات'' کے خریدارو! ہوشیار رہو! کہیں وہاں سے تحریف بھی نہ خرید بیٹھنا!

دلِ بے کل میں کیوں اتنی چبھن ہے عید کے دن
طبیعت میں بھی میلانِ سخن ہے عید کے دن

یہ کیسی عید ہے ، ہر غنچۂ گلشن فسردہ
نسیمِ صبح میں کتنی جلن ہے عید کے دن

عجب دل سوز منظر چشمِ حیراں دیکھتی ہے
فساد و ظلم میں ڈوبا وطن ہے عید کے دن

کہیں برپا سرود و رقص و مے نوشی کی محفل
کہیں افلاس سے سوکھا دہن ہے عید کے دن

کہیں مزدور کو اک بھی نہیں لقمہ میسر
کہیں محلوں میں اربوں کا غبن ہے عید کے دن

کہیں پر اطلس و کمخواب سے سجتی قبائیں
کہیں لاشہ بھی بے گور و کفن ہے عید کے دن

کہیں ہلکی حرارت بھی نزاکت پر ہے آتش
کہیں زخموں سے سربستہ بدن ہے عید کے دن

کہیں طاغوت کی چوکھٹ پہ افگندہ جبینیں
کہیں تجدیدِ عزمِ بت شکن ہے عید کے دن

کہیں شرم و حیا کے نور سے چہرے ہیں تاباں
کہیں بے حد فحاشی کا چلن ہے عید کے دن

کوئی سرشار ہے ایمان کی تا بندگی پر
کوئی مستانۂ کبر و وھن ہے عید کے دن

کسی کو فکرِ ایماں جانبِ کہسار کھینچے
کسی کو لطفِ عصیاں کی لگن ہے عید کے دن

اٹھو حافظ کہ بس اب آگیا وقتِ بغاوت!
فضا میں پھر وہ طوفانِ کہن ہے عید کے دن

اہلِ حق سے اہلِ باطل ضرور دشمنی کرتے ہیں!

’’جو شخص بھی حق کی دعوت لے کر اٹھے گا، اس سے ضرور دشمنی کی جائے گی! لیکن اگر کفار کے مددگار اور اللہ کی شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرنے والے کسی شخص سے دشمنی نہیں کر رہے تو یقیناً ایسا شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج اور طریقے پر گامزن نہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسولوں (علیہم السلام) کے منہج کے مطابق آپ بات کریں تو آپ سے دشمنی نہ کی جائے...... اللہ کے دشمن تو اہل حق سے تبھی راضی ہوتے ہیں جب وہ مداہنت و مصالحت کرنے پر تیار ہوں۔‘‘

محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن شہید رحمۃ اللہ علیہ